فتاویٰ امن پوری

Part 376-400

مصنف

شیخ غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

حفظہ اللہ

فتاویٰ امن پوری (قسط ۳۷۶)

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

سوال: کیا بیوی اپنے نام کے ساتھ شوہر کا نام لکھوا سکتی ہے؟

جواب: شادی کے بعد اگر کوئی لڑکی اپنے نام کے آگے شوہر کا نام لکھوا لے، تو کوئی حرج نہیں، یہ محض تعارف کے لیے ہے۔ یہ نسبت جائز اور درست ہے۔

شریعت نے باپ کے علاوہ کی طرف منسوب ہونے سے جو منع فرمایا ہے، وہ ولدیت کی نسبت ہے، یعنی کوئی شخص جانتے بوجھتے اپنے حقیقی والد کو چھوڑ کر کسی دوسرے شخص کو اپنا والد نہیں بنا سکتا، ایسا کرنا بالاجماع حرام اور ناجائز ہے۔ قرآن اور متواتر احادیث اس پر دلالت کناں ہے۔

البتہ اگر کوئی عورت تعارف کے لیے اپنے شوہر کا نام لکھے، تو کوئی حرج نہیں، اس کا ثبوت کئی احادیث میں ملتا ہے، مثلاً؛

عائشہ زوج النبی، میمونہ زوج النبی، ام سلمہ زوج النبی ﷺ، اسی طرح زینب امراۃ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما وغیرہ۔

سوال: سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

سَدِّدُوا وَقَارِبُوا وَأَبْشِرُوا، فَإِنَّهُ لَا يُدْخِلُ أَحَدًا الْجَنَّةَ عَمَلُهُ

قَالُوا : وَلَا أَنْتَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ؟ قَالَ : وَلَا أَنَا، إِلَّا أَنْ يَتَغَمَّدَنِي

اللّٰهُ بِمَغْفِرَةٍ وَرَحْمَةٍ .

”درست راستہ اختیار کریں، (حق کے) قریب قریب رہیں، خوش رہیں اور خوش خبریاں دیں، کیونکہ کوئی بھی اپنے عمل کی بدولت جنت میں داخل نہیں ہو سکتا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: اللہ کے رسول! آپ بھی؟ فرمایا: میں بھی نہیں داخل ہو سکتا، تا آنکہ اللہ تعالیٰ اپنی مغفرت اور رحمت سے مجھے ڈھانپ لے۔“

(صحيح البخاري: 6467، صحيح مسلم: 2818)

❁ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَنْ يُّدْخِلَ أَحَدًا عَمَلُهُ الْجَنَّةَ قَالُوا : وَلَا أَنْتَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ؟ قَالَ : لَا، وَلَا أَنَا، إِلَّا أَنْ يَّتَغَمَّدَنِي اللّٰهُ بِفَضْلٍ وَرَحْمَةٍ، فَسَدِّدُوا وَقَارِبُوا، وَلَا يَتَمَنَّيَنَّ أَحَدُكُمُ الْمَوْتَ، إِمَّا مُحْسِنًا فَلَعَلَّهُ أَنْ يَزْدَادَ خَيْرًا، وَإِمَّا مُسِيئًا فَلَعَلَّهُ أَنْ يَسْتَعْتِبَ .

”کسی کو اس کا عمل جنت میں داخل نہیں کرے گا، صحابہ نے عرض کیا: اللہ کے رسول! آپ کا عمل بھی آپ کو جنت میں داخل نہیں کر سکتا؟ فرمایا: نہیں، میں بھی تب تک داخل نہیں ہو سکتا، جب تک اللہ تعالیٰ اپنے فضل اور رحمت سے مجھے ڈھانپ نہیں لے گا۔ لہٰذا درمیانہ اور درست راستہ اختیار کریں اور ادھر اُدھر مت بھٹکیں۔ کوئی موت کی تمنا نہ کرے، اگر وہ نیکوکار ہے، تو ممکن ہے کہ وہ زیادہ نیکیاں کما لے اور اگر گناہ گار ہے، تو شاید اسے توبہ کی توفیق مل جائے۔“

(صحيح البخاري: 5673، صحيح مسلم: 2816)

اگر نیک اعمال کی وجہ سے جنت میں داخل نہیں ہو سکتے، تو پھر اللہ تعالیٰ یہ کیوں فرمایا:

﴿وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي أُورِثْتُمُوهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ﴾

(الزُّخرف : ٧٢)

”تمہارے اعمال کے طفیل تمہیں اس جنت کا وارث بنایا گیا ہے۔“

❁ نیز فرمان الٰہی ہے:

﴿ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ﴾(النّحل : ٣٢)

”اپنے اعمال کی وجہ سے جنت میں داخل ہو جاؤ۔“

جواب: بلا شبہ جنت میں وہی داخل ہوگا، جس پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائے گا، البتہ اللہ کی رحمت اہل ایمان کے لیے ہوگی، نہ کہ کافروں اور مشرکوں کے لیے۔

رہے گناہ گار مومن، تو وہ اللہ تعالیٰ کی مشیت پر ہے کہ انہیں معاف کر دے اور سزا دیے بغیر جنت میں داخل کر دے یا انہیں سزا دے کر جنت میں داخل کر دے۔

آیات اور احادیث کا مفہوم یہ ہے کہ ہر مؤمن اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ہی جنت میں جائے گا، البتہ رحمت الٰہی کا استحقاق ایمان اور اعمال صالحہ کی بنا پر حاصل ہوگا۔

حقیقت میں جنت کا داخلہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کی بدولت ملے گا، چونکہ رحمت الٰہی ایمان اور اعمال صالحہ کی بنا پر ہوئی ہے، لہٰذا جنت میں داخلہ کا سبب عمل کو قرار دے دیا۔

سوال: سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتنہ دجال کے متعلق فرمایا:

يَقُولُ الدَّجَّالُ : أَرَأَيْتُمْ إِنْ قَتَلْتُ هٰذَا، ثُمَّ أَحْيَيْتُهُ، أَتَشُكُّونَ فِي الْأَمْرِ؟ فَيَقُولُونَ : لَا، قَالَ فَيَقْتُلُهُ ثُمَّ يُحْيِيهِ، فَيَقُولُ حِينَ يُحْيِيهِ وَاللّٰهِ مَا كُنْتُ فِيكَ قَطُّ أَشَدَّ بَصِيرَةً مِنِّي الْآنَ، قَالَ

فَيُرِيدُ الدَّجَّالُ أَنْ يَقْتُلَهُ فَلَا يُسَلَّطُ عَلَيْهِ .

”دجال کہے گا کہ اگر میں اس شخص کو قتل کردوں اور پھر زندہ کردوں، تو کیا پھر بھی تم شک کرو گے؟ لوگ کہیں گے: نہیں، پھر شک کی گنجائش کب رہے گی، تب دجال اس کو قتل کر کے زندہ کردے گا۔ وہ مومن جب زندہ ہوگا، تو کہے گا: اللہ کی قسم! میری بصیرت پہلے سے کتنی ہی بڑھ گئی ہے، پھر دجال اس کو دوبارہ قتل کرنے کی کوشش کرے گا، مگر اس بار کامیاب نہیں ہو سکے گا۔“

(صحیح مسلم: 2938)

مردوں کو زندہ کرنا تو سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کا سب سے بڑا معجزہ تھا، پھر دجال مردے کو زندہ کیسے کرسکتا ہے؟

جواب: مردوں کو زندہ کرنا سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کا بہت بڑا معجزہ تھا، یہ معجزہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے لیے اکرام وانعام تھا، وہ اللہ کے حکم سے مردوں کو زندہ کرتے تھے، یہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی صداقت پر دلیل تھا۔

اہل ضلال وکفر میں سے جو جھوٹا مدعی نبوت ہو، اس کے ہاتھوں خرق عادت امور کا ظاہر ہونا اہانت کہلاتا ہے، جیسا کہ مسیلمہ کذاب کے ہاتھوں کئی خارق عادت کام ہوئے۔

اگر کسی گمراہ اور فاسق وفاجر سے کوئی خارق عادت کام ظاہر ہو، اسے استدراج کہتے ہیں، یہ جادو کی ایک قسم ہے، اسے شعوذت بھی کہتے ہیں۔

دجال جو مردے کو زندہ کرے گا، وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لوگوں کے لیے امتحان ہو گا کہ کون خرق عادت کام دیکھ کر دجال پر ایمان لاتا ہے اور کون اس کا انکار کرتا ہے؟

نیز دجال مؤمن کو دوبارہ قتل کرنا چاہے گا، مگر اللہ تعالیٰ اسے کامیاب نہیں ہونے دے

گا، یہ اس کے لیے رسوائی اور ذلت و نامرادی ہو گی، جس سے اس کے دعویٔ نبوت اور اُلوہیت کی نفی ہو جائے گی۔

سوال: سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک صحابی نے آ کر عرض کی:

أَخِي يَشْتَكِي بَطْنَهُ، فَقَالَ : اسْقِهِ عَسَلًا ثُمَّ أَتَى الثَّانِيَةَ، فَقَالَ : اسْقِهِ عَسَلًا ثُمَّ أَتَاهُ الثَّالِثَةَ فَقَالَ : اسْقِهِ عَسَلًا ثُمَّ أَتَاهُ فَقَالَ : قَدْ فَعَلْتُ، فَقَالَ : صَدَقَ اللّٰهُ، وَكَذَبَ بَطْنُ أَخِيكَ، اسْقِهِ عَسَلًا فَسَقَاهُ فَبَرَأَ .

''میرے بھائی کا پیٹ خراب تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کو شہد پلائیں، میں دوبارہ آیا، فرمایا: اس کو شہد پلائیں، پھر تیسری مرتبہ آیا، عرض کیا: پلایا ہے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ سچ کہتے ہیں اور آپ کے بھائی کا پیٹ خطا پر ہے، جائیے اسے شہد پلائیے، انہوں نے شہد پلایا، تو شفایاب ہو گیا۔''

(صحيح البخاري : 5684، صحيح مسلم : 2217)

اس حدیث پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسہال کے مریض کے لیے شہد تجویز کیوں کیا، جبکہ اطباء کے مطابق اسہال میں شہد مفید نہیں؟

جواب: شہد میں شفا ہے۔

❀ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فِيهِ شِفَاءٌ لِّلنَّاسِ﴾ (النّحل : ٦٩)

''شہد میں لوگوں کے لیے شفا ہے۔''

البتہ شہد کو ماہر اطبا اور حکما کی مشاورت اور تجویز سے استعمال کرنا چاہیے، ہر انسان کی طبیعت اور بیماری کی نوعیت کے مطابق شہد استعمال کیا جاتا ہے، کسی کے لیے پانی میں ڈال کر استعمال کرنا مفید ہے، تو کسی کے لیے دودھ میں، پھر موسم اور علاقہ کی آب و ہوا کو بھی مدنظر رکھا جاتا ہے۔

نبی کریم ﷺ نے وحی الٰہی کی روشنی میں اس شخص کو شہد استعمال کرنے کا حکم فرمایا، جب ایک دو مرتبہ استعمال کرنے سے شفا نہ ملی، تب بھی نبی کریم ﷺ نے انہیں شہد استعمال کرنے کا حکم دیا اور فرمایا: ''اللہ کا فرمان سچا ہے اور آپ کے بھائی کا پیٹ جھوٹا ہے۔''

پھر جب اس شخص نے شہد کی اتنی مقدار استعمال کر لی، جتنی اس بیماری کو رفع کرنے کے لیے ضروری تھی، تو اللہ تعالیٰ نے شفا عطا فرما دی۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (852ھ) فرماتے ہیں:

قَالَ الْخَطَّابِيُّ وَغَيْرُهُ أَهْلُ الْحِجَازِ يُطْلِقُونَ الْكَذِبَ فِي مَوْضِعِ الْخَطَأِ، يُقَالُ: كَذَبَ سَمْعُكَ أَيْ زَلَّ فَلَمْ يُدْرِكْ حَقِيقَةَ مَا قِيلَ لَهُ فَمَعْنٰى كَذَبَ بَطْنُهُ أَيْ لَمْ يَصْلُحْ لِقَبُولِ الشِّفَاءِ بَلْ زَلَّ عَنْهُ وَقَدِ اعْتَرَضَ بَعْضُ الْمَلَاحِدَةِ فَقَالَ: الْعَسَلُ مُسَهِّلٌ فَكَيْفَ يُوصَفُ لِمَنْ وَقَعَ بِهِ الْإِسْهَالُ.

وَالْجَوَابُ: أَنَّ ذٰلِكَ جَهْلٌ مِّنْ قَائِلِهٖ بَلْ هُوَ كَقَوْلِهٖ تَعَالٰى: بَلْ كَذَّبُوا بِمَا لَمْ يُحِيطُوا بِعِلْمِهٖ، فَقَدِ اتَّفَقَ الْأَطِبَّاءُ عَلٰى أَنَّ الْمَرَضَ الْوَاحِدَ يَخْتَلِفُ عِلَاجُهُ بِاخْتِلَافِ السِّنِّ وَالْعَادَةِ

وَالزَّمَانِ وَالْغِذَاءِ الْمَأْلُوفِ وَالتَّدْبِيرِ وَقُوَّةِ الطَّبِيعَةِ وَعَلٰى أَنَّ الْإِسْهَالَ يَحْدُثُ مِنْ أَنْوَاعٍ مِنْهَا الْهَيْضَةُ الَّتِي تَنْشَأُ عَنْ تُخَمَةٍ وَّاتَّفَقُوا عَلٰى أَنَّ عِلَاجَهَا بِتَرْكِ الطَّبِيعَةِ وَفِعْلِهَا فَإِنَّ احتَاجَتِ إِلٰى مُسَهِّلٍ مُعَيَّنٍ أُعِينَتْ مَا دَامَ بِالْعَلِيلِ قُوَّةٌ، فَكَأَنَّ هٰذَا الرَّجُلَ كَانَ اسْتِطْلَاقُ بَطْنِهٖ عَنْ تُخَمَةٍ أَصَابَتْهُ فَوَصَفَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعَسَلَ لِدَفْعِ الْفُضُولِ الْمُجْتَمِعَةِ فِي نَوَاحِي الْمَعِدَةِ وَالْأَمْعَاءِ لِمَا فِي الْعَسَلِ مِنَ الْجَلَاءِ وَدَفْعِ الْفُضُولِ الَّتِي تُصِيبُ الْمَعِدَةَ مِنْ أَخْلَاطٍ لَزِجَةٍ تَمْنَعُ اسْتِقْرَارَ الْغِذَاءِ فِيهَا وَلِلْمَعِدَةِ خَمْلٌ كَخَمْلِ الْمِنْشَفَةِ فَإِذَا عَلِقَتْ بِهَا الْأَخْلَاطُ اللَّزِجَةُ أَفْسَدَتْهَا وَأَفْسَدَتِ الْغِذَاءَ الْوَاصِلَ إِلَيْهَا فَكَانَ دَوَاؤُهَا بِاسْتِعْمَالِ مَا يَجْلُو تِلْكَ الْأَخْلَاطَ وَلَا شَيْءَ فِي ذٰلِكَ مِثْلُ الْعَسَلِ لَا سِيَّمَا إِنْ مُزِجَ بِالْمَاءِ الْحَارِّ وَإِنَّمَا لَمْ يُفِدْهُ فِي أَوَّلِ مَرَّةٍ لِأَنَّ الدَّوَاءَ يَجِبُ أَنْ يَكُونَ لَهٗ مِقْدَارٌ وَكَمِّيَّةٌ بِحَسَبِ الدَّاءِ إِنْ قَصُرَ عَنْهُ لم يَدْفَعْهُ بِالْكُلِّيَّةِ وَإِنْ جَاوَزَهٗ أَوْهَى الْقُوَّةَ وَأَحْدَثَ ضَرَرًا آخَرَ فَكَأَنَّهٗ شَرِبَ مِنْهُ أَوَّلًا مِقْدَارًا لَا يَفِي بِمُقَاوَمَةِ الدَّاءِ فَأَمَرَهٗ بِمُعَاوَدَةِ سَقْيِهٖ فَلَمَّا تَكَرَّرَتِ الشَّرَبَاتُ بِحَسَبِ

مَادَّةِ الدَّاءِ بَرَأَ بِإِذْنِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَفِي قَوْلِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : وَكَذَبَ بَطْنُ أَخِيكَ، إِشَارَةٌ إِلٰى أَنَّ هٰذَا الدَّوَاءَ نَافِعٌ وَأَنَّ بَقَاءَ الدَّاءِ لَيْسَ لِقُصُورِ الدَّوَاءِ فِي نَفْسِهٖ وَلٰكِنْ لِكَثْرَةِ الْمَادَّةِ الْفَاسِدَةِ فَمِنْ ثَمَّ أَمَرَهٗ بِمُعَاوَدَةِ شُرْبِ الْعَسَلِ لِاسْتِفْرَاغِهَا فَكَانَ كَذٰلِكَ وَبَرَأَ بِإِذْنِ اللّٰهِ .

''علامہ خطابی وغیرہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اہل حجاز ''کذب'' کو ''خطا'' کے معنی میں بھی استعمال کرتے ہیں، کہا جاتا ہے کہ کَذَبَ سَمْعُكَ'' آپ کے کانوں نے خطا کی۔'' اس حقیقت کو نہیں پا سکے، جو ان سے عرض گزار کی جا رہی ہے۔ کَذَبَ بَطْنُهٗ کا معنی ہے کہ وہ تھوڑا غلطی پر جا پڑا، (ابھی) شفایابی کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ بعض ملاحدہ اس پر اعتراض کرتے ہیں کہ شہد تو خود اسہال لگاتا ہے، اس سے اسہال ختم ہونا کیسے ممکن ہے؟

جواب: یہ ان کی جہالت ہے، جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے: یہ لوگ اس چیز کو جھٹلا دیتے ہیں، جس کے علم کا احاطہ نہیں کر پاتے۔ اطبا کا اتفاق ہے کہ ایک ہی مرض کا علاج عمر، عادت، وقت، غذا، موسم، تدبیر اور طبیعت کے لحاظ سے ہر مریض کے لئے مختلف ہوتا ہے۔ نیز اطبا کا اتفاق ہے کہ پیچش مختلف بیماریوں سے لاحق ہوتے ہیں، مثلاً بدہضمی سے ہونے والے ہیضہ کی وجہ سے۔ اطبا کا اتفاق ہے کہ اس ہیضے کا علاج مزاج کے مطابق اور مخالف اشیا کے استعمال سے ہوتا ہے۔ اگر اس مریض کو اسہال (پیچش) کی ضرورت ہے، تو اسے

(کسی دوا کے ذریعہ) اسہال لگا دیے جاتے ہیں، جب تک مریض میں طاقت موجود رہے۔ ممکن ہے کہ (حدیث میں موجود) اس شخص کا پیٹ بھی ہیضہ کی وجہ سے خراب ہو، تو نبی کریم ﷺ نے اسے شہد تجویز کیا، تاکہ اس کے معدہ اور انتڑیوں میں موجود زائد اور فاضل مادہ خارج ہو جائے، کیونکہ شہد میں تاثیر ہوتی ہے اور یہ معدہ کے زائد مادے کو خارج کر دیتا ہے، جو چکنائی کے جم جانے کی وجہ سے معدے پر اثر انداز ہوتا ہے۔ اس سے معدہ میں خوراک ٹھہر نہیں پاتی۔ معدہ میں (اندرونی سطح کو ڈھانپنے کے لیے) ریشے (جھالر) ہوتے ہیں، جیسا کہ تولیہ کے ریشے ہوتے ہیں۔ ان ریشوں میں جب کوئی چکنی اور پیچیدہ خوراک پھنس جاتی ہے، تو یہ چکناہٹ ان ریشوں کو خراب کر دیتی ہے اور ہر کھائی جانے والی خوراک بھی ضائع کر دیتی ہے۔ اس کے علاج میں وہی چیز استعمال کی جائے گی، جو اس ملغوبے کو خارج کر دے۔ اس سلسلہ میں شہد سے اچھی کوئی چیز نہیں ہوسکتی، خصوصاً جب اسے نیم گرم پانی میں ملا کر استعمال کیا جائے۔ اور اس کا فائدہ ایک ہی بار استعمال کرنے سے تھوڑا ہو جائے گا، کیونکہ دوا کی مقدار مرض کے مطابق ہونی ضروری ہے۔ اگر دوا کی مقدار کم ہوگی، تو اس سے مکمل طور پر فائدہ نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح اگر دوا کی مقدار مرض کے اعتبار زیادہ ہوگی، تو کمزوری کا باعث بنے گی اور مزید کسی بیماری کا سبب بھی بن سکتی ہے۔ گویا (نبی کریم ﷺ کے پاس آنے والے) اس شخص (کے بھائی) نے شروع میں اتنی مقدار میں شہد پیا کہ جو مرض کے لحاظ سے کم تھا، تو نبی کریم ﷺ نے مسلسل شہد پینے کا حکم دیا۔ جب اس نے مرض کے

مطابق تسلسل کے ساتھ شہد پیا، تو اللہ کے حکم سے شفایاب ہو گیا۔ فرمان نبوی:
كَذَبَ بَطْنُ أَخِيكَ ''تیرے بھائی کا پیٹ خطا کر گیا۔'' میں اشارہ ہے کہ یہ دوا (شہد) نفع مند ہے۔ جو ابھی بیماری باقی ہے، اس کا سبب یہ نہیں کہ دوا میں تاثیر نہیں، بلکہ وجہ یہ ہے کہ (معدے میں) فاسد مادہ بہت زیادہ ہے۔ اسی لیے نبی کریم ﷺ نے اسے حکم دیا کہ وہ لگا تار شہد پیتا رہے، تا کہ یہ فاسد مادہ زائل ہو جائے۔ ایسا ہی ہوا اور وہ اللہ کے حکم سے تندرست ہو گیا۔''

(فتح الباري : 10/169)

✿ علامہ شبیر احمد عثمانی دیوبندی صاحب (۱۹۴۹ء) لکھتے ہیں:

''بہت سی بیماریوں میں صرف شہد خالص یا کسی دوسری دوا میں شامل کر کے دیا جاتا ہے، جو باذن اللہ مریضوں کی شفایابی کا ذریعہ بنتا ہے۔...... اطباء نے اپنے اصول کے موافق کہا ہے کہ بعض اوقات پیٹ میں ''کیموس فاسد'' ہوتا ہے، جو پیٹ میں پہنچنے والی ہر ایک غذا اور دوا کو فاسد کر دیتا ہے، اس لیے دست آتے ہیں، اس کا علاج یہی ہے کہ مسہلات دیے جائیں، تا کہ وہ ''کیموس فاسد'' خارج ہو، شہد کے مسہل ہونے میں کسی کو کلام نہیں، گویا حضور کا مشورہ اسی طبی اُصول کے موافق تھا۔''

(تفسیر عثمانی، ص363، النحل، تفسیر آیت نمبر 69)

سوال: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ اللہ عزوجل کا فرمان نقل کرتے ہیں:

اَلصَّوْمُ لِي وَأَنَا أَجْزِي بِهٖ .

”روزہ میرا ہے، میں ہی اس کی جزا دوں گا۔“

(صحیح البخاري : 7538)

ہر عمل اللہ تعالیٰ کا ہے، تو صرف روزہ کی نسبت اپنی طرف کیوں کی؟

جواب: اہل علم نے اس کی کئی توجیہات بیان کی ہیں؛

① یہ نسبت تشریفی ہے۔ اللہ تعالیٰ جس شے کی عظمت اور شرف بیان کرنا چاہتا ہے، اسے اپنی طرف منسوب کر دیتا ہے، جیسے بیت اللہ، ناقۃ اللہ وغیرہ۔

② روزے کا علم میرے علاوہ کسی کو نہیں ہے، کیونکہ باقی اعمال کو انسان مخفی نہیں رکھ سکتا، مگر روزے کو مخفی رکھ سکتا ہے، اس کا علم کسی بشر یا فرشتے کو نہیں ہوتا۔

③ ہر عمل کا اجر و ثواب لکھا جاتا ہے، مگر روزہ ایسا عمل ہے، جس کے اجر و ثواب کی انتہائی مقدار صرف اللہ کے علم میں ہے۔ فرشتے روزے کا اجر و ثواب لکھنے سے قاصر ہیں۔

سوال: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ، فَإِنَّ الظَّنَّ اَكْذَبُ الْحَدِيثِ، وَلَا تَحَسَّسُوا، وَلَا تَجَسَّسُوا، وَلَا تَحَاسَدُوا، وَلَا تَدَابَرُوا، وَلَا تَبَاغَضُوا، وَكُونُوا عِبَادَ اللّٰهِ إِخْوَانًا .

”بدگمانی سے بچیں، بدگمانی اکثر تحقیق کے بعد جھوٹی ثابت ہوتی ہے اور کسی کے عیوب نہ ڈھونڈیں، کسی کا عیب خواہ مخواہ مت ٹٹولیں، کسی کے بھاؤ پر بھاؤ مت بڑھائیں، حسد نہ کریں، بغض نہ رکھیں اور کسی کی پیٹھ پیچھے برائی نہ کریں، بلکہ سب اللہ کے بندے بھائی بھائی بن کر رہیں۔“

(صحیح البخاري : 6064)

بغض اور حسد تو طبعی ہیں، ان سے کیسا بچا جا سکتا ہے؟

جواب: یہاں ان اعمال قبیحہ کو ترک کرنے کا حکم دیا گیا ہے، جو بغض اور حسد کا باعث بنتے ہیں، نیز ایمان اور اعمال صالحہ کی مضبوطی بھی انسان کو بغض وحسد سے محفوظ رکھتی ہے، جس کا جتنا پختہ ایمان ہوگا، وہ ان اخلاقی برائیوں سے اتنا محفوظ رہے گا۔

سوال: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِحْتَجَّ آدَمُ وَمُوسٰى عَلَيْهِمَا السَّلَامُ عِنْدَ رَبِّهِمَا، فَحَجَّ آدَمُ مُوسٰى، قَالَ مُوسٰى : أَنْتَ آدَمُ الَّذِي خَلَقَكَ اللّٰهُ بِيَدِهٖ وَنَفَخَ فِيكَ مِنْ رُوحِهٖ، وَأَسْجَدَ لَكَ مَلَائِكَتَهٗ، وَأَسْكَنَكَ فِي جَنَّتِهٖ، ثُمَّ أَهْبَطْتَ النَّاسَ بِخَطِيئَتِكَ إِلَى الْأَرْضِ، فَقَالَ آدَمُ : أَنْتَ مُوسَى الَّذِي اصْطَفَاكَ اللّٰهُ بِرِسَالَتِهٖ وَبِكَلَامِهٖ وَأَعْطَاكَ الْأَلْوَاحَ فِيهَا تِبْيَانُ كُلِّ شَيْءٍ وَقَرَّبَكَ نَجِيًّا، فَبِكَمْ وَجَدْتَ اللّٰهَ كَتَبَ التَّوْرَاةَ قَبْلَ أَنْ أُخْلَقَ، قَالَ مُوسٰى : بِأَرْبَعِينَ عَامًا، قَالَ آدَمُ : فَهَلْ وَجَدْتَ فِيهَا﴿وَعَصٰى آدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى﴾، قَالَ : نَعَمْ، قَالَ : أَفَتَلُومُنِي عَلٰى أَنْ عَمِلْتُ عَمَلًا كَتَبَهُ اللّٰهُ عَلَيَّ أَنْ أَعْمَلَهٗ قَبْلَ أَنْ يَخْلُقَنِي بِأَرْبَعِينَ سَنَةً؟ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : فَحَجَّ آدَمُ مُوسٰى .

”رب تعالیٰ کے پاس آدم علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام کی گفتگو ہوئی۔ آدم علیہ السلام دلیل میں غالب آ گئے۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: آپ آدم ہیں کہ جنہیں اللہ نے اپنے ہاتھوں

سے پیدا فرمایا، آپ میں روح پھونکی، مسجود ملائکہ بنایا اور جنت میں ٹھکانا دیا، پھر آپ نے اپنی غلطی کی وجہ سے سب کو زمین پر اتار دیا۔ آدم علیہ السلام نے فرمایا: آپ موسیٰ ہیں، جنہیں اللہ نے رسالت اور کلام کے چنا ہے، آپ کو تختیاں عطا کیں کہ جن میں ہر چیز کی وضاحت ہے، سرگوشی کے لیے اپنے قریب کیا۔ بھلا اللہ نے میری تخلیق سے کتنا پہلے تورات لکھی تھی؟ موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا: چالیس سال پہلے۔ سیدنا آدم علیہ السلام نے فرمایا: کیا آپ نے اس میں یہ آیت: ﴿وَعَصٰى آدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى﴾ دیکھی ہے؟ فرمایا: جی ہاں، آدم علیہ السلام نے فرمایا: کیا آپ مجھے ایک ایسے کام پر ملامت کر رہے ہیں کہ جو اللہ نے میری تخلیق سے چالیس سال پہلے ہی میرے متعلق لکھ دیا تھا؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: آدم علیہ السلام دلیل میں موسیٰ علیہ السلام پر غالب آ گئے۔"

(صحيح البخاري: 4736، صحيح مسلم: 2652، واللّفظ لهٗ)

سیدنا آدم علیہ السلام اور سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا یہ مکالمہ کیسے ہوا، جبکہ دونوں کی ملاقات نہیں؟

جواب: سب سے پہلی بات یہ کہ نبی کریم ﷺ نے جس چیز کی خبر دی ہے، اس پر بغیر شک کیے ایمان لانا واجب ہے۔

❀ حافظ ابن عبد البر رحمہ اللہ (۴۶۳ھ) فرماتے ہیں:

هٰذَا الْحَدِيثُ عِنْدَ جَمَاعَةِ أَهْلِ الْعِلْمِ بِالْحَدِيثِ صَحِيحٌ مِنْ جِهَةِ الْإِسْنَادِ وَكُلُّهُمْ يَرْوِيهِ وَيُقِرُّ بِصِحَّتِهٖ وَيَحْتَجُّ بِهٖ أَهْلُ الْحَدِيثِ وَالْفِقْهِ وَهُمْ أَهْلُ السُّنَّةِ فِي إِثْبَاتِ قِدَمِ عِلْمِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ ذِكْرُهٗ ...... لِأَنَّهٗ خَبَرٌ جَاءَ مَجِيئًا مُتَوَاتِرًا فَاشِيًا.

''اس حدیث کی سند جماعت محدثین کے نزدیک صحیح ہے۔تمام محدثین نے اسے روایت کیا ہے اور اس کے صحت کا اقرار کیا۔اہل سنت محدثین اور فقہا نے اس حدیث کو اللہ تعالیٰ کے علم سابق (تقدیر) پر دلیل بنایا ہے۔...... یہ ایسی حدیث ہے، جو متواتر حدیث کی طرح روایت کی گئی ہے۔''

(الاستذکار : 258/8)

ممکن ہے کہ ملاقات دونوں انبیائے کرام علیہم السلام کی روحوں کی ہوئی ہو، کیونکہ حدیث کے شروع کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ملاقات اللہ کے ہاں ہوئی اور یہ یقینی بات ہے کہ تمام انسانوں کی روحیں اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں۔

سوال: کیا قبول روایت کے لیے راوی کا فقیہ ہونا شرط ہے؟

جواب: محدثین کے نزدیک قبول روایت کے لیے راوی کا عادل اور ضابط ہونا شرط ہے، فقیہ ہونے کی شرط بعض فقہا کی طرف سے عائد کی گئی ہے، جو بلا جواز ہے۔

سوال: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

صَلّٰى بِنَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِحْدٰى صَلَاتَيِ الْعَشِيِّ إِمَّا الظُّهْرَ وَإِمَّا الْعَصْرَ أَظُنُّ أَنَّهَا الْعَصْرُ فَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ سَلَّمَ ثُمَّ تَقَدَّمَ فَجَلَسَ إِلٰى جِذْعِ نَخْلَةٍ كَالْمُغْضَبِ، فَذَهَبَ سَرَعَانُ النَّاسِ، قُصِرَتِ الصَّلَاةُ قُصِرَتِ الصَّلَاةُ فَتَقَدَّمَ ذُو الْيَدَيْنِ فَقَالَ : يَا رَسُولَ اللّٰهِ قُصِرَتِ الصَّلَاةُ أَمْ نَسِيتَ فَقَالَ : أَصَدَقَ ذُو الْيَدَيْنِ؟ قَالُوا : نَعَمْ، قَالَ : فَصَلّٰى

رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ سَلَّمَ وَكَبَّرَ وَسَجَدَ ثُمَّ كَبَّرَ وَرَفَعَ ثُمَّ كَبَّرَ وَسَجَدَ ثُمَّ كَبَّرَ وَرَفَعَ .

''رسول اللہ ﷺ نے ہمیں زوال آفتاب کے بعد والی نمازوں میں سے کوئی ایک ظہر یا عصر کی نماز پڑھائی، میرا خیال ہے کہ عصر کی نماز تھی، دو رکعتیں پڑھانے کے بعد سلام پھیر دیا، پھر غصے سے آگے بڑھے اور کھجور کے تنے کے پاس بیٹھ گئے، جلدی جانے والے لوگ یہ کہتے کہتے چلے گئے کہ نماز کم ہوگئی ہے، نماز کم ہوگئی ہے، ذوالیدین رضی اللہ عنہ آگے بڑھ کر پوچھنے لگے: اللہ کے رسول! نماز کم ہوگئی ہے یا آپ بھول گئے ہیں؟، فرمایا: کیا ذوالیدین سچ کہہ رہا ہے؟ لوگوں نے عرض کیا: جی ہاں! راوی کہتے ہیں: آپ نے (مزید) دو رکعتیں پڑھا کر سلام پھیر دیا، پھر تکبیر کہہ کر سجدہ کیا، پھر تکبیر کہہ کر سرا ٹھایا، پھر تکبیر کہہ کر سجدہ کیا، پھر تکبیر کہہ کر سرا ٹھایا۔''

(صحيح البخاري : 1228، صحيح مسلم : 573، المُنتقى لابن الجارود : 243)

بعض کہتے ہیں کہ اس حدیث سے نماز میں گفتگو کرنے کا جواز ثابت ہوتا ہے، جو کہ ممنوع ہے، لہٰذا یہ حدیث کسی راوی کی خطا ہے؟

جواب: مذکورہ بالا حدیث صحیح ثابت ہے، بخاری و مسلم کی تخریج کردہ ہے کہ جن کی تمام مرفوع متصل روایات کے صحیح ہونے پر اُمت کا اجماع ہے۔

❀ حافظ ابن الجوزی رحمہ اللہ (۵۹۷ھ) فرماتے ہیں:

أَمَّا الطَّعْنُ فَلَا وَجْهَ لَهُ؛ لِاتِّفَاقِ الْأَئِمَّةِ عَلَى الصِّحَّةِ .

''اس حدیث پر طعن کی کوئی وجہ اور بنیاد نہیں، کیونکہ ائمہ نے اس حدیث کے صحیح

ہونے پر اتفاق کیا ہے۔“

(کشف المُشکل : 479/3)

اس حدیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ دوران نماز کلام کرنا جائز ہے، کیونکہ جب صحابہ اور نبی کریم ﷺ نے کلام کیا، اس وقت نماز جاری نہیں تھی، بلکہ بھول کر سلام پھیر چکے تھے، بعد میں جب معلوم ہوا کہ نماز کم پڑھائی ہے، تو بقیہ رکعات مکمل کر دیں۔ اس حدیث سے صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ اگر بھول کر نماز کم پڑھ کر سلام پھیر دیا، پھر کلام کر لیا، تو یاد آنے پر یا تنبیہ ہونے پر بقیہ نماز پڑھی جا سکتی ہے، نماز دہرانے کی ضرورت نہیں، البتہ بھولنے پر دو سجدہ سہو کیے جائیں گے۔

سوال: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَا يَزَالُ عَبْدِي يَتَقَرَّبُ إِلَيَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰى أُحِبَّهٗ، فَإِذَا أَحْبَبْتُهٗ، كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِي يَسْمَعُ بِهٖ، وَبَصَرَهُ الَّذِي يُبْصِرُ بِهٖ، وَيَدَهُ الَّتِي يَبْطِشُ بِهَا، وَرِجْلَهُ الَّتِي يَمْشِي بِهَا، وَإِنْ سَأَلَنِي، لَأُعْطِيَنَّهٗ، وَلَئِنِ اسْتَعَاذَنِي لَأُعِيذَنَّهٗ.

”(اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:) میرا قرب حاصل کرنے کے لئے میرا بندہ نوافل کا اس قدر اہتمام کرتا ہے کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں۔ جب میں اس سے محبت کرتا ہوں، تو اس کا کان بن جاتا ہوں، جس سے وہ سنتا ہے، اس کی آنکھ بن جاتا ہوں، جس سے وہ دیکھتا ہے، اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں، جس سے وہ پکڑتا ہے، اس کا پاؤں بن جاتا ہوں، جس سے وہ چلتا ہے۔ مجھ سے مانگے، تو اسے عطا کرتا ہوں اور اگر میری پناہ طلب کرے، تو اُسے پناہ دیتا ہوں۔“

(صحيح البخاري : 6502)

اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوبوں کی ہر دعا کو قبول کرتا ہے، انہیں ہر شر سے محفوظ رکھتا ہے، پھر انبیا اور صحابہ کو تکالیف کیوں آئیں؟ اور ان کی ہر ہر دعا قبول کیوں نہ ہوئی؟

جواب: جو دعا بھی اللہ تعالیٰ سے خلوص دل سے مانگی جائے، وہ رد نہیں ہوتی، کیونکہ دعا کی قبولیت کی مختلف صورتیں ہیں، سبھی صورتیں خیر والی ہیں؛

① جب دعا مانگی جائے، فوراً قبول ہو جاتی ہے۔

② جب دعا کی جائے، تو تاخیر کے ساتھ قبول ہوتی ہے، اس تاخیر میں کئی حکمتیں پنہاں ہوتی ہیں۔

③ اللہ تعالیٰ اس دعا کو آخرت کے لیے ذخیرہ فرما دیتا ہے۔

④ اللہ تعالیٰ دعا کے عوض کئی ایک پریشانیاں ختم کر دیتا ہے۔

❀ سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَدْعُو بِدَعْوَةٍ لَيْسَ فِيهَا إِثْمٌ، وَلَا قَطِيعَةُ رَحِمٍ، إِلَّا أَعْطَاهُ اللّٰهُ بِهَا إِحْدٰى ثَلَاثٍ؛ إِمَّا أَنْ تُعَجَّلَ لَهٗ دَعْوَتُهٗ، وَإِمَّا أَنْ يَدَّخِرَهَا لَهٗ فِي الْآخِرَةِ، وَإِمَّا أَنْ يَصْرِفَ عَنْهُ مِنَ السُّوءِ مِثْلَهَا، قَالُوا : إِذًا نُكْثِرُ، قَالَ : اللّٰهُ أَكْثَرُ .

”جب بھی کوئی مسلمان دعا کرے، جس میں گناہ اور قطع رحمی کی بات نہ ہو، تو اللہ تعالیٰ اسے تینوں میں ایک چیز لازمی عطا فرما دیتا ہے: ① اس کی دعا کو فوراً قبول فرما لیتا ہے۔ ② ذخیرہ آخرت بنا دیتا ہے۔ ③ اس سے دعا کی مثل

تکلیف دور کر دیتا ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم عرض گزار ہوئے: تب تو ہم بہت زیادہ دعا کریں گے۔ فرمایا: اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی بہت زیادہ ہے۔''

(مسند الإمام أحمد : 18/3، وسندهٗ حسنٌ، والحديث صحيحٌ)

اس حدیث کو امام حاکم رحمہ اللہ (۱/۴۹۳) نے ''صحیح الاسناد'' کہا ہے۔

✿ حافظ ابن عساکر رحمہ اللہ نے اسے ''حسن محفوظ'' کہا ہے۔

(مُعجم ابن عساكر : 196)

سوال: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

هَاجَرَ إِبْرَاهِيمُ بِسَارَةَ، فَدَخَلَ بِهَا قَرْيَةً فِيهَا مَلِكٌ مِّنَ الْمُلُوكِ، أَوْ جَبَّارٌ مِنَ الْجَبَابِرَةِ فَقِيلَ : دَخَلَ إِبْرَاهِيمُ اللَّيْلَةَ بِامْرَأَةٍ هِيَ أَحْسَنُ النِّسَاءِ، فَأَرْسَلَ إِلَيْهِ أَنْ يَا إِبْرَاهِيمَ، مَنْ هٰذِهِ الَّتِي مَعَكَ؟ قَالَ : أُخْتِي، ثُمَّ رَجَعَ إِلَيْهَا فَقَالَ : لَا تُكَذِّبِينِي، قَدْ أَخْبَرْتُهُمْ أَنَّكِ أُخْتِي فَوَاللّٰهِ إِنْ عَلَى الْأَرْضِ مُؤْمِنٌ غَيْرِي وَغَيْرُكِ .

''سیدنا ابراہیم علیہ السلام ایک بادشاہ کی بستی میں گئے، خبر دی گئی کہ آج رات ابراہیم ایک خوبصورت عورت کے ہمراہ بستی میں داخل ہوئے ہیں۔ بادشاہ نے پیغام بھیجا کہ ابراہیم آپ کے ساتھ یہ خاتون کون ہیں؟ فرمایا: یہ میری بہن ہیں، پھر آپ علیہ السلام سیدہ سارہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے، کہا: میری تکذیب نہ کیجئے گا۔ میں نے انہیں بتایا ہے کہ آپ میری بہن ہیں، اللہ کی قسم اس وقت میرے اور آپ کے علاوہ کوئی مومن دنیا میں موجود نہیں۔''

(صحيح البخاري : 2217، السّنن الكبرىٰ للنّسائي : 8315)

سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اپنی بیوی کو بہن کیوں کہا؟

جواب: سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے توریہ کرتے ہوئے اپنی بیوی کو بہن کہا۔ توریہ کا مطلب ہے کہ خلاف واقعہ ایسی بات کرنا، جو جھوٹی نہ ہو، مگر ظاہری الفاظ سے سامنے والا وہ مراد نہ لے۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اپنی زوجہ کو اسلامی بہن قرار دیا، جو کہ حقیقت ہے، مگر سننے والے نے بہن کے لفظ سے حقیقی بہن مراد لیا۔ توریہ پر ''کذب'' کا لفظ بھی بولا جاتا ہے۔ بالفاظ دیگر اہل عرب کے ہاں لفظ ''کذب'' سے کئی معانی مراد لیے جاتے ہیں، ہر جگہ ''جھوٹ'' مراد نہیں ہوتا۔ سیاق کو مدنظر رکھا جاتا ہے۔

اس سوال یہ ہے کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے سیدہ سارہ رضی اللہ عنہا کو بہن ہی باور کیوں کرایا، بیوی کیوں نہیں بتایا؟ تو اس اشکال کے اہل علم نے کئی جوابات دیے ہیں، البتہ اس کا صحیح اور درست علم اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔

سوال: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَوْ آمَنَ بِي عَشَرَةٌ مِنَ الْيَهُودِ، لآمَنَ بِيَ الْيَهُودُ.

''اگر مجھ پر یہود میں سے دس لوگ ایمان لے آئیں، تو سارے کے سارے یہود ایمان لے آئیں گے۔''

(صحيح البخاري: 3941، صحيح مسلم: 2793)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر کئی یہودی ایمان لے آئے تھے، تو اس فرمان نبوی کا کیا مطلب ہے؟

جواب: اس حدیث کے کئی ایک احتمالات ہیں، درست یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہاں مراد یہود کے دس بڑے مذہبی رہنما ہوں، تو ان کی پیروی میں سارے کے سارے یہودی

ایمان قبول کرلیں گے۔

یہ بھی ممکن ہے کہ اس فرمان نبوی سے مراد یہ ہو کہ دس یہودی ایک ساتھ ایک ہی وقت میں ایمان لے آئیں، جبکہ ایسا نہیں ہوا۔

سوال: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

رَأَى عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَجُلًا يَسْرِقُ، فَقَالَ لَهُ : أَسَرَقْتَ؟ قَالَ : كَلَّا وَاللّٰهِ الَّذِي لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ، فَقَالَ عِيسٰى : آمَنْتُ بِاللّٰهِ، وَكَذَّبْتُ عَيْنِي .

”سیدنا عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کو ایک شخص کو چوری کرتے دیکھا، تو (بعد میں) اس سے پوچھا: کیا تو نے چوری کی؟ کہنے لگا: ہرگز نہیں، اس اللہ کی قسم، جس کے سوا کوئی الٰہ نہیں! تو عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: میں اللہ پر ایمان لاتا ہوں اور اپنی آنکھوں کو خطا کار قرار دیتا ہوں۔“

(صحيح البخاري : 3444، صحيح مسلم : 2368)

جب سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے خود چوری کرتے دیکھا، تو بعد میں اپنی ہی آنکھوں کو خطا کار کیوں کر قرار دیا؟

جواب: اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ کبھی آنکھوں سے جو نظر آتا ہے، وہ حقیقت میں ہوتا نہیں ہے، سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے یہ سمجھا کہ وہ چوری کر رہا ہے، جبکہ حقیقت میں وہ چوری نہ کر رہا ہو، بلکہ کسی کی اجازت سے کوئی چیز اٹھا رہا ہو۔ اس لیے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے معذرت خواہانہ انداز اختیار کرلیا کہ جب اس مسلمان نے اللہ تعالیٰ کی قسم اٹھا دی ہے، تو میں اللہ پر ایمان کی وجہ سے اس بندے پر یقین کرتا ہوں اور اپنی آنکھوں کو خطا کار قرار دیتا ہوں۔

فتاویٰ امن پوری (قسط ۳۷۷)

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

سوال: فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿فَاقْرَؤُا ما تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ﴾(المُزّمّل : ۲۰)

”جتنا قرآن میسر ہو، اس کی قرأت کرو۔“

بعض علمائے احناف نے آیت سے یہ دلیل لی ہے کہ نماز میں قرآن کا کوئی بھی حصہ پڑھ لیا جائے، تو نماز ہو جائے گی، سورت فاتحہ کو خاص کرنا درست نہیں، اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: آیت سے مراد سورت فاتحہ اور اس کے بعد والی قرأت ہے۔ سورت فاتحہ کی قرأت واجب ہے اور بعد والی قرأت مستحب سنت ہے، بالفاظ دیگر میسر قرأت میں سے بعض حصہ واجب ہے اور بعض مسنون ہے۔ یوں آیت اور احادیث میں تطبیق ہو جاتی ہے۔

❀ سیدنا رفاعہ بن رافع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِذَا قُمْتَ فَتَوَجَّهْتَ إِلَى الْقِبْلَةِ فَكَبِّرْ، ثُمَّ اقْرَأْ بِأُمِّ الْقُرْآنِ، وَبِمَا شَاءَ اللّٰهُ أَنْ تَقْرَأَ .

”جب آپ نماز کے لیے کھڑے ہوں، تو قبلہ کی طرف متوجہ ہوں اور تکبیر تحریمہ کہیں، پھر سورت فاتحہ کی قرأت کریں، اس کے بعد جو اللہ چاہے، اس کی قرأت کریں۔“

(سنن أبي داود : 859)

اس حدیث امام ترمذی رحمہ اللہ (۳۰۲) نے ''حسن''، امام ابن الجارود رحمہ اللہ (۱۹۴)، امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ (۵۴۵) اور امام ابن حبان رحمہ اللہ (۱۷۸۷) نے ''صحیح'' کہا ہے، اس حدیث کو امام حاکم رحمہ اللہ (۱/۲۴۱، ۲۴۲) نے امام بخاری رحمہ اللہ اور امام مسلم رحمہ اللہ کی شرط پر ''صحیح'' کہا ہے، حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے ان کی موافقت کی ہے۔

❀ علامہ عینی حنفی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

إِسْنَادُهٗ صَحِيحٌ عَلٰى شَرْطِ الْبُخَارِيِّ .

''اس حدیث کی سند امام بخاری رحمہ اللہ کی شرط پر صحیح ہے۔''

(نُخَب الأفكار :1/309)

❀ حافظ بغوی رحمہ اللہ (۵۱۶ھ) فرماتے ہیں:

قَوْلُهٗ : ﴿بِمَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ﴾ أَرَادَ بِهٖ فَاتِحَةَ الْكِتَابِ إِذَا كَانَ يُحْسِنُهَا بِبَيَانِ الرَّسُولِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، كَقَوْلِهٖ تَعَالٰى فِي الْهَدْيِ : ﴿فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ﴾(الْبَقَرَة : ١٩٦) وَالْمُرَادُ مِنْهُ : شَاةٌ بِبَيَانِ السُّنَّةِ .

''فرمان باری تعالیٰ: ﴿بِمَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ﴾ ''جو قرآن میسر ہو (اس کی قرأت کرو۔'' سے مراد سورت فاتحہ ہے، جب اس کی اچھی طرح قرأت کر سکتا ہو، اس کی وضاحت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کر دی ہے۔ جیسا کہ ہدی کے بارے میں فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ﴾(الْبَقَرَة : ١٩٦) ''جو ہدی میسر ہو۔'' اس ہدی سے مراد (کم از کم) بکری ہے، جیسا کہ سنت

نے بیان کر دیا ہے۔“

(شرح السّنة : 5/3)

❀ سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا صَلَاةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ .

”جو شخص سورت فاتحہ نہ پڑھے، اس کی کوئی نماز نہیں۔“

(صحيح البخاري : 756، صحيح مسلم : 394)

سوال: سیدنا ابو رافع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْتَسْلَفَ مِنْ رَجُلٍ بَكْرًا، فَقَدِمَتْ عَلَيْهِ إِبِلٌ مِنْ إِبِلِ الصَّدَقَةِ، فَأَمَرَ أَبَا رَافِعٍ أَنْ يَقْضِيَ الرَّجُلَ بَكْرَهُ، فَرَجَعَ إِلَيْهِ أَبُو رَافِعٍ، فَقَالَ : لَمْ أَجِدْ فِيهَا إِلَّا خِيَارًا رَبَاعِيًا، فَقَالَ : أَعْطِهِ إِيَّاهُ، إِنَّ خِيَارَ النَّاسِ أَحْسَنُهُمْ قَضَاءً .

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی سے نوعمر اونٹ اُدھار لیا، پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس صدقہ کے اونٹ آئے، تو ابو رافع رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ اس شخص کو (صدقہ کے اونٹوں سے) نوعمر اونٹ واپس کر دیں، ابو رافع رضی اللہ عنہ (دیکھ کر) واپس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور عرض کیا: مجھے بہترین چھ سالہ اونٹ کے علاوہ کوئی اونٹ نہیں ملا، فرمایا: انہیں وہی دے دیں، کیونکہ بہترین لوگ وہی ہیں، جو ادائیگی میں اچھا برتاؤ کریں۔“

(صحيح مسلم : 1600)

نبی کریم ﷺ نے اپنا قرض صدقہ کے اونٹوں سے کیوں ادا کیا، جبکہ آپ ﷺ پر تو صدقہ حرام ہے؟

(جواب): نبی کریم ﷺ پر صدقہ حرام ہے، آپ ﷺ نے صدقہ نہیں لیا، بلکہ نبی کریم ﷺ نے صدقہ کے اونٹ کو خرید لیا تھا اور اس سے اپنا قرض ادا کر دیا تھا۔ اس کی وضاحت دوسری حدیث میں ہے، ملاحظہ ہو؛

❀ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

كَانَ لِرَجُلٍ عَلٰى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَقٌّ، فَأَغْلَظَ لَهٗ، فَهَمَّ بِهٖ أَصْحَابُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ لِصَاحِبِ الْحَقِّ مَقَالًا، فَقَالَ لَهُمْ: اشْتَرُوا لَهٗ سِنًّا، فَأَعْطُوهُ إِيَّاهُ، فَقَالُوا: إِنَّا لَا نَجِدُ إِلَّا سِنًّا هُوَ خَيْرٌ مِنْ سِنِّهٖ، قَالَ: فَاشْتَرُوهُ، فَأَعْطُوهُ إِيَّاهُ، فَإِنَّ مِنْ خَيْرِكُمْ، أَوْ خَيْرَكُمْ أَحْسَنُكُمْ قَضَاءً.

”ایک شخص کا رسول اللہ ﷺ پر قرض تھا، اس نے (واپسی کے مطالبہ میں) رسول اللہ ﷺ سے سختی کی، یہ بات نبی کریم ﷺ کے صحابہ کو گراں گزری، تو فرمایا: (کوئی بات نہیں) جس کا قرض دینا ہو، وہ بات کر جاتا ہے، پھر صحابہ سے فرمایا: اس کے لیے اسی عمر کا اونٹ خرید لیں اور اسے ادا کر دیں، صحابہ نے عرض کیا: ہمیں اس کے اونٹ کے ہم عمر کوئی اونٹ نہیں ملا، سب اونٹ بہتر اور زیادہ عمر والے ہیں، فرمایا: اسے ہی خرید لیں اور اس کی ادائیگی کر دیں، کیونکہ

آپ میں بہتر وہ ہے، جو ادائیگی میں اچھا برتاؤ کرے۔‘‘

(صحيح البخاري : 2606، صحيح مسلم :1601)

یہ بھی ممکن ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس شخص سے قرض غریبوں کے لیے لیا ہو، پھر صدقہ کے اونٹ سے اس کی ادائیگی کر دی ہو۔

سوال: سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ، حَتّٰى أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ .

’’کوئی اس وقت تک (کامل) مومن نہیں ہو سکتا، جب تک میں اسے اس کے والدین، اولاد اور تمام لوگوں سے بڑھ کر محبوب نہ ہو جاؤں۔‘‘

(صحيح البخاري : 15، صحيح مسلم : 44)

انسان کو طبعی طور پر سب سے زیادہ اپنے ساتھ ہی محبت ہوتی ہے، کیا یہ ایمان کے منافی ہے؟

جواب: ایمان کی بنیادی شرط ہی یہ ہے کہ ماں باپ، بیوی بچوں اور ساری مخلوقات سے بڑھ کر رسول اللہ ﷺ سے محبت کی جائے۔ محبت رسول کے بغیر ایمان نہیں۔

مگر یہاں محبت سے مراد شرعی محبت ہے، یعنی اپنی ذات پر رسول اللہ ﷺ کو ترجیح دینا اور اپنے ارادوں پر رسول اللہ ﷺ کے احکامات کو فوقیت دینا وغیرہ۔ یہاں طبعی محبت کی بات نہیں ہو رہی۔

سوال: سیدنا معاویہ بن حکم اسلمی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

إِنَّ هٰذِهِ الصَّلَاةَ لَا يَصْلُحُ فِيهَا شَيْءٌ مِنْ كَلَامِ النَّاسِ .

”نماز میں لوگوں کا کوئی کلام بھی جائز نہیں۔“

(صحیح مسلم : 537)

بعض نے اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے کہا ہے کہ اگر کوئی شخص بھول کر نماز میں کلام کرلے، تو اس کی نماز باطل ہو جاتی ہے۔ اس کا کیا جواب ہے؟

جواب: نماز میں بھول کر یا لاعلمی میں کلام کرنے سے نماز باطل نہیں ہوتی، بلکہ اس کی نماز صحیح ہے، البتہ جانتے بوجھتے ارادۃً نماز میں کلام کرنے سے نماز باطل ہو جاتی ہے، اعادہ ضروری ہے۔ جمہور اہل علم کا یہی مذہب ہے۔

واضح رہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مخاطب وہ صحابی تھے، جنہوں نے جان بوجھ کر نماز میں کلام کیا تھا، لیکن انہیں علم نہ تھا کہ نماز میں کلام کرنا منع ہو گیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں سمجھا دیا کہ نماز میں کلام کرنا درست نہیں۔ چونکہ اس صحابی نے لاعلمی کی بنا پر یہ کام کیا تھا، لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے نماز دوہرانے کا حکم نہیں دیا۔ یہ تو ہماری دلیل ہوئی نہ کہ مخالفین کی۔

❀ حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ (۴۶۳ھ) فرماتے ہیں:

لَوْ صَحَّ لِلْمُخَالِفِينَ مَا ادَّعَوْهُ مِنْ نَسْخِ حَدِيثِ أَبِي هُرَيْرَةَ بِتَحْرِيمِ الْكَلَامِ فِي الصَّلَاةِ لَمْ يَكُنْ لَهُمْ فِي ذٰلِكَ حُجَّةٌ لِأَنَّ النَّهْيَ عَنِ الْكَلَامِ فِي الصَّلَاةِ إِنَّمَا تَوَجَّهَ إِلَى الْعَامِدِ الْقَاصِدِ لَا إِلَى النَّاسِي لِأَنَّ النِّسْيَانَ مُتَجَاوَزٌ عَنْهُ وَالنَّاسِي وَالسَّاهِي لَيْسَا مِمَّنْ دَخَلَ تَحْتَ النَّهْيِ.

”اگر مخالفین کا یہ دعویٰ درست ثابت ہو بھی جائے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث

نماز میں کلام کی حرمت سے پہلے کی ہے،تو بھی ان کے لیے اس میں کوئی دلیل نہیں، کیونکہ نماز میں کلام سے ممانعت اس شخص کے لیے ہے، جو جان بوجھ کر قصدا ایسا کرے۔ جو بھول کر ایسا کرتا ہے، اس سے تو درگزر کیا جاتا ہے۔ بھولنے والا ان لوگوں میں سے نہیں، جو اس ممانعت کے تحت داخل ہیں۔''

(التّمهيد :368/1)

ثابت ہوا کہ نماز میں لاعلمی یا بھول کر کلام کرنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی، ہاں ! اگر جان بوجھ کر کلام کر لیا، تو نماز باطل ہو جائے گی۔ اسی طرح بھول کر سلام پھیر دیا جائے اور بعد میں یاد آئے کہ ابھی نماز باقی ہے، تو بے شک کلام کر لیا جائے، تو بھی سابقہ نماز پر بنیاد ڈالتے ہوئے باقی نماز مکمل کر لی جائے گی، نماز دہرانے کی ضرورت نہیں ہوگی۔

سوال: سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ وَهُوَ صَحِيحٌ : لَنْ يُقْبَضَ نَبِيٌّ قَطُّ حَتّٰى يَرٰى مَقْعَدَهٗ مِنَ الْجَنَّةِ، ثُمَّ يُخَيَّرُ .

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابھی تندرست تھے کہ فرمانے لگے: کسی نبی کی روح اس وقت تک قبض نہیں کی جاتی، جب تک اسے جنت میں اس کا ٹھکانہ نہ دکھا دیا جائے، پھر اسے (دنیا میں رہنے یا اللہ کے پاس چلے جانے کا) اختیار دیا جاتا ہے۔''

(صحيح البخاري : 6348)

جنت میں اپنا ٹھکانہ دیکھنے کے بعد اختیار کا کیا مطلب؟ جنت میں اپنا ٹھکانہ دیکھنے کے بعد تو کوئی بھی دنیا کو ترجیح نہیں دے گا؟

جواب: نبی کو اختیار اس کی عزت اور اکرام کی وجہ سے دیا جاتا ہے، تا کہ ان کی روح

انہی کی چاہت کے مطابق قبض کی جائے۔

سوال: سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتے ہیں:

سَحَرَ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَهُودِيٌّ مِّنْ يَهُودِ بَنِي زُرَيْقٍ، يُقَالُ لَهٗ لَبِيدُ بْنُ الْأَعْصَمِ، قَالَتْ : حَتّٰى كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُخَيَّلُ إِلَيْهِ أَنَّهٗ يَفْعَلُ الشَّيْءَ، وَمَا يَفْعَلُهٗ، حَتّٰى إِذَا كَانَ ذَاتَ يَوْمٍ، أَوْ ذَاتَ لَيْلَةٍ، دَعَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ثُمَّ دَعَا، ثُمَّ دَعَا، ثُمَّ قَالَ : يَا عَائِشَةُ أَشَعَرْتِ أَنَّ اللّٰهَ أَفْتَانِي فِيمَا اسْتَفْتَيْتُهٗ فِيهِ؟ جَاءَ نِي رَجُلَانِ فَقَعَدَ أَحَدُهُمَا عِنْدَ رَأْسِي وَالْآخَرُ عِنْدَ رِجْلَيَّ، فَقَالَ الَّذِي عِنْدَ رَأْسِي لِلَّذِي عِنْدَ رِجْلَيَّ، أَوِ الَّذِي عِنْدَ رِجْلَيَّ لِلَّذِي عِنْدَ رَأْسِي : مَا وَجَعُ الرَّجُلِ؟ قَالَ : مَطْبُوبٌ، قَالَ : مَنْ طَبَّهٗ؟ قَالَ : لَبِيدُ بْنُ الْأَعْصَمِ، قَالَ : فِي أَيِّ شَيْءٍ؟ قَالَ : فِي مُشْطٍ وَمُشَاطَةٍ، قَالَ : وَجُفِّ طَلْعَةِ ذَكَرٍ، قَالَ : فَأَيْنَ هُوَ؟ قَالَ : فِي بِئْرِ ذِي أَرْوَانَ، قَالَتْ : فَأَتَاهَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي أُنَاسٍ مِّنْ أَصْحَابِهٖ، ثُمَّ قَالَ : يَا عَائِشَةُ وَاللّٰهِ لَكَأَنَّ مَاءَ هَا نُقَاعَةُ الْحِنَّاءِ، وَلَكَأَنَّ نَخْلَهَا رُؤُوسُ الشَّيَاطِينِ قَالَتْ : فَقُلْتُ : يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَفَلَا أَحْرَقْتَهٗ؟ قَالَ : لَا، أَمَّا أَنَا فَقَدْ عَافَانِي اللّٰهُ،

وَكَرِهْتُ أَنْ أُثِيرَ عَلَى النَّاسِ شَرًّا، فَأَمَرْتُ بِهَا فَدُفِنَتْ.

''بنوزریق کے لبید بن الاعصم نامی ایک آدمی نے اللہ کے رسول ﷺ پر جادو کر دیا، آپ کو خیال ہوتا تھا کہ آپ کسی کام کو کر رہے ہیں، حالانکہ کیا نہ ہوتا تھا، حتی کہ ایک دن یا ایک رات جبکہ آپ ﷺ میرے پاس تھے، آپ نے بار بار دعا کی، پھر فرمایا: اے عائشہ! کیا آپ کو معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے وہ بات بتا دی ہے، جو میں اس سے پوچھ رہا تھا؟ میرے پاس دو آدمی آئے، ایک میرے سر کے پاس اور دوسرا میرے پاؤں کے پاس بیٹھ گیا، ان میں سے ایک نے اپنے دوسرے ساتھی سے پوچھا: اس آدمی کو کیا تکلیف ہے؟ اس نے کہا: اس پر جادو کیا گیا ہے، اس نے کہا: کس نے کیا ہے؟ کہا: لبید بن اعصم نے، اس نے کہا: کس چیز میں؟ کہا: کنگھی، بالوں اور نر کھجور کے شگوفے میں۔ اس نے کہا: وہ کہاں ہے؟ کہا: بئرِ ذروان میں۔ آپ ﷺ کچھ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ساتھ وہاں گئے، پھر واپس آئے اور فرمایا: اے عائشہ! اس کنویں کا پانی گویا کہ مہندی ملا ہوا تھا اور اس کی کھجوریں گویا شیطانوں کے سر تھے۔ (سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں) میں نے کہا: کیا آپ نے اسے نکالا ہے؟ فرمایا: نہیں، مجھے تو اللہ نے عافیت دے دی ہے، میں اس بات سے ڈر گیا کہ اس کا شر لوگوں میں اٹھاؤں۔''

(صحيح البخاري: 5766، صحيح مسلم: 2189)

بعض منکرین کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ تو شیطان سے محفوظ و مامون تھے، پھر آپ ﷺ پر جادو کیسے ہو گیا؟ یہ حدیث تو عصمت رسول ﷺ کے منافی ہے؟

(جواب): یہ حدیث صحیح ثابت ہے، ائمہ ومحدثین نے اس کی صحت پر اتفاق کیا ہے۔

بعض لوگ اس حدیث کو قرآنِ کریم کے مخالف سمجھتے ہیں، عرض ہے کہ بالا جماع صحیح حدیث قرآنِ مقدس کے مخالف نہیں ہے، وہ کونسی آیت کریمہ ہے، جو پتا دیتی ہے کہ نبی پر جادو نہیں ہوسکتا؟ یہ تو کافروں کا نظریہ تھا کہ نبی پر جادو نہیں ہوسکتا، اس لیے انہوں نے نبیٔ اکرم ﷺ کی نبوت ورسالت کو جادو سے تعبیر کیا تھا۔

رسول اللہ ﷺ پر جادو ہوا، اس سے آپ ﷺ کے بعض دنیاوی اُمور متاثر ہوئے، مگر آپ ﷺ کی رسالت اور نبوت کے معاملات میں کوئی خلل نہیں آیا۔

اس بات کی صراحت حدیث کے ان الفاظ سے بھی ہوتی ہے:

حَتّٰی كَانَ يَرٰى أَنَّهٗ يَأْتِي النِّسَاءَ، وَلَا يَأْتِيهِنَّ .

''نبی کریم ﷺ کو خیال گزرتا کہ آپ اپنی بیویوں کے پاس آتے ہیں، حالانکہ آپ آتے نہ تھے۔''

(صحيح البخاري : 5765)

جس طرح نبی کو دیگر جسمانی امراض لاحق ہوسکتی ہیں، اسی طرح جادو بھی اثر انداز ہو سکتا ہے، نبی تبلیغ رسالت میں معصوم ہے، اس میں کوئی غلطی نہیں ہوسکتی۔

شیطان نے کئی بار کوشش کی کہ نبی کریم ﷺ نے شرعی معاملات تک دسترس حاصل کرے، مگر اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ اسے ناکام اور نامراد کر دیا۔ نبی کریم ﷺ پر شیطان نے ہرگز تسلط نہیں کیا۔

✿ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ علامہ مہلب رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہیں:

صَوْنُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الشَّيَاطِينِ لَا يَمْنَعُ

إِرَادَتَهُمْ كَيْدَهُ فَقَدْ مَضٰى فِي الصَّحِيحِ أَنَّ شَيْطَانًا أَرَادَ أَنْ يُفْسِدَ عَلَيْهِ صَلَاتَهُ فَأَمْكَنَهُ اللّٰهُ مِنْهُ فَكَذٰلِكَ السِّحْرُ مَا نَالَهُ مِنْ ضَرَرِهِ مَا يُدْخِلُ نَقْصًا عَلٰى مَا يَتَعَلَّقُ بِالتَّبْلِيغِ بَلْ هُوَ مِنْ جِنْسِ مَا كَانَ يَنَالُهُ مِنْ ضَرَرِ سَائِرِ الْأَمْرَاضِ مِنْ ضَعْفٍ عَنِ الْكَلَامِ أَوْ عَجْزٍ عَنْ بَعْضِ الْفِعْلِ أَوْ حُدُوثِ تَخَيُّلٍ لَا يَسْتَمِرُّ بَلْ يَزُولُ وَيُبْطِلُ اللّٰهُ كَيْدَ الشَّيَاطِينِ .

”نبی کریم ﷺ کا شیطانوں سے محفوظ ہونے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ شیاطین آپ ﷺ کے بارے میں بری تدبیر کا ارادہ بھی نہیں کر سکتے، کیونکہ صحیح بخاری ہی میں یہ بات بھی گزری ہے کہ ایک شیطان نے آپ ﷺ کی نماز خراب کرنے کا ارادہ کیا، تو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اس پر قدرت دے دی، اسی طرح جادو کا معاملہ ہے، آپ ﷺ نے اس سے کوئی ایسا نقصان نہیں اٹھایا جو تبلیغِ دین کے متعلق ہو، بلکہ آپ نے اس سے ویسی ہی تکلیف اٹھائی ہے، جیسی باقی امراض سے آپ کو ہو جاتی تھی، مثلاً بول چال سے عاجز آنا، بعض کاموں سے رک جانا یا عارضی طور پر کوئی خیال آ جانا، اللہ تعالیٰ آپ ﷺ سے شیاطین کی تدبیر باطل و زائل کر دیتا تھا۔“

(فتح الباري : 227/10)

سوال: سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں ہے:

إِنَّهَا أَوْصَتْ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ الزُّبَيْرِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا لَا تَدْفِنِّي

مَعَهُمْ وَادْفِنِّي مَعَ صَوَاحِبِي بِالْبَقِيعِ لَا أُزَكّٰى بِهٖ أَبَدًا .

''آپ رضی اللہ عنہا نے سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو وصیت کی کہ مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کے پہلو میں دفن نہ کرنا، بلکہ بقیع میں ہی میری سہیلیوں (ازواج مطہرات) کے ساتھ دفن کرنا۔ میں (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کے پہلو میں دفن ہو کر) اپنی تعریف نہیں کروانا چاہتی۔''

(صحيح البخاري :1391)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے تو تواضع اور عاجزی کا اظہار کیا، مگر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پہلو میں دفن ہونے کی خواہش کی، ایسا کیوں؟

(جواب): خلیفہ ثانی سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ایمان لانے کے بعد ساری زندگی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہے، ہر سفر اور معاملہ میں شامل ہوئے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کا ذکر اپنے اور صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ کرتے تھے۔ اس مصاحبت کو دیکھتے ہوئے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ میرا مدفن بھی انہی ساتھیوں کے ساتھ ہو کہ دنیا سے آخرت کا سفر بھی ایک ساتھ ہو جائے۔ لیکن اپنی خواہش کو ایک درخواست کی صورت میں پیش کیا کہ اگر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی اجازت مل جائے، سیدہ نے اجازت دے دی، پھر بیٹے کو وصیت کی کہ ابھی تو میں زندہ ہوں، شاید میری رعایت کرتے ہوئے اجازت ملی ہو، لہٰذا میری وفات کے بعد دوبارہ پوچھ لینا کہ ہو سکتا ہے کہ ارادہ بدل جائے، مگر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد دوبارہ اجازت دے دی اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو اپنے ساتھیوں کے ساتھ دفن کر دیا گیا۔

❀ ابن ابی ملیکہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو

فرماتے ہوئے سنا:

وُضِعَ عُمَرُ عَلٰى سَرِيرِہٖ فَتَكَنَّفَهُ النَّاسُ، يَدْعُونَ وَيُصَلُّونَ قَبْلَ أَنْ يُرْفَعَ وَأَنَا فِيهِمْ، فَلَمْ يَرُعْنِي إِلَّا رَجُلٌ آخِذٌ مَنْكِبِي، فَإِذَا عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ فَتَرَحَّمَ عَلٰى عُمَرَ، وَقَالَ: مَا خَلَّفْتَ أَحَدًا أَحَبَّ إِلَيَّ أَنْ أَلْقَى اللّٰهَ بِمِثْلِ عَمَلِہٖ مِنْكَ، وَأَيْمُ اللّٰهِ إِنْ كُنْتُ لَأَظُنُّ أَنْ يَجْعَلَكَ اللّٰهُ مَعَ صَاحِبَيْكَ، وَحَسِبْتُ إِنِّي كُنْتُ كَثِيرًا أَسْمَعُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: ذَهَبْتُ أَنَا وَأَبُو بَكْرٍ، وَعُمَرُ، وَدَخَلْتُ أَنَا وَأَبُو بَكْرٍ، وَعُمَرُ، وَخَرَجْتُ أَنَا وَأَبُو بَكْرٍ، وَعُمَرُ.

’’سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ (شہادت کے بعد) چارپائی پر رکھ دیئے گئے، جنازہ اٹھانے سے پہلے لوگ چاروں طرف کھڑے تھے اور آپ کے لیے دعا واستغفار کررہے تھے۔ میں بھی ان میں شامل تھا، اچانک سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے مجھے کندھے سے پکڑ کر اپنی طرف متوجہ کیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے لیے دعائے رحمت کی اور فرمایا: آپ کے بعد بھلا کون ہے، جس کی مثل عمل کرکے اللہ کے دربار میں حاضری مجھے محبوب رہی ہو؟ مجھے یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو آپ کے ساتھیوں (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ) کے ساتھ جگہ دے گا، کیوں کہ میں اکثر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کرتا تھا کہ میں، ابوبکر اور عمر گئے، میں، ابوبکر اور عمر داخل ہوئے، میں، ابوبکر اور عمر نکلے۔‘‘

(صحيح البخاري : 3685، صحيح مسلم : 2389)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی وصیت کہ مجھے عام قبرستان میں دفن کرنا، تاکہ مجھے فخریہ طور پر ذکر نہ کیا جائے، سیدہ نے ایسا تفاخر اور اپنی تعریف سے بچنے کے لیے کیا۔

سوال: سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

اُمِرَ بِلَالٌ أَنْ يَّشْفَعَ الْأَذَانَ وَيُوتِرَ الْإِقَامَةَ .

"سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو اذان کے کلمات دو دو بار اور اقامت کے کلمات ایک ایک بار کہنے کا حکم دیا گیا۔"

(صحيح البخاري : 603، صحيح مسلم : 378)

بعض کہتے ہیں کہ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو اکہری اذان اور اکہری اقامت کا حکم بنوامیہ کے بعض امراء نے دیا تھا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم نہیں دیا؟

جواب: یہ کہنا کہ اکہری اذان اور اکہری اقامت کا حکم سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو بنوامیہ کے کسی حکمران نے دیا تھا، صریح جہالت اور باطل دعویٰ ہے، کیونکہ:

① جب صحابی کہے کہ "ہمیں حکم دیا جاتا تھا" یا کہے کہ "فلاں کو حکم دیا گیا۔" تو اس سے مراد شرعی حکم ہے، جو صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے دیا جاتا تھا۔

② سیدنا بلال رضی اللہ عنہ بنوامیہ کے کسی خلیفہ کے دور میں مؤذن نہیں رہے۔

③ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کی موافقت میں دیگر صحابہ نے بھی اکہری اقامت کو روایت کیا ہے، جو اس بات کی دلیل ہے کہ یہ حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہے۔

❀ سیدنا ابو محذورہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اذان کے انیس (۱۹) کلمات اور اقامت

(تکبیر) کے سترہ (۱۷) کلمات سکھلائے، اذان کے کلمات یہ ہیں: اَللّٰهُ أَكْبَرُ اللّٰهُ أَكْبَرُ اللّٰهُ أَكْبَرُ اللّٰهُ أَكْبَرُ أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللّٰهِ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللّٰهِ حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ، حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ اللّٰهُ أَكْبَرُ اللّٰهُ أَكْبَرُ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰه

اور اقامت کے کلمات یہ ہیں: اَللّٰهُ أَكْبَرُ اللّٰهُ أَكْبَرُ، اللّٰهُ أَكْبَرُ اللّٰهُ أَكْبَرُ، أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللّٰهِ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللّٰهِ حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ، حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ، حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ، حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ، قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ، اللّٰهُ أَكْبَرُ اللّٰهُ أَكْبَرُ، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ.

(صحيح مسلم: 379، المنتقي لابن الجارود: 162)

❀ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

كَانَ الْأَذَانُ عَلٰى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَثْنٰى مَثْنٰى، وَالْإِقَامَةُ وَاحِدَةً غَيْرَ أَنَّهٗ إِذَا قَالَ: قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ ثَنّٰى بِهَا فَإِذَا سَمِعْنَاهَا تَوَضَّأْنَا وَخَرَجْنَا إِلَى الصَّلَاةِ.

”نبی کریم ﷺ کے عہد مبارک میں اذان کے کلمات دو دو بار تھے اور اقامت

کے کلمات ایک ایک بار تھے، البتہ «قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ» دو بار کہا جاتا تھا، ہم اقامت سن کر وضو کرتے اور نماز کے لیے آتے۔ ابو محمد کہتے ہیں: ابو مثنیٰ کا نام مسلم بن مہران ہے وہ کوفہ کی مسجد کے مؤذن تھے۔''

(مسند الإمام أحمد : 87/2، سنن أبي داوٗد : 510، سنن النّسائي : 629، وسندهٗ حسنٌ والحديث صحيحٌ بشواهده)

اس حدیث کو امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ (۳۷۴)، امام ابن حبان رحمہ اللہ (۱۶۷۴) اور امام ابن الجارود رحمہ اللہ (۱۶۴) نے ''صحیح'' کہا ہے، امام حاکم رحمہ اللہ (۱/ ۱۹۷، ۱۹۸) نے ''صحیح الاسناد'' کہا ہے، حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے ان کی موافقت کی ہے۔

❁ سیدنا ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہے:

إِنَّ أَذَانَهٗ كَانَ مَثْنٰى، وَأَنَّ إِقَامَتَهٗ كَانَتْ وَاحِدَةً.

''آپ رضی اللہ عنہ کی اذان کے کلمات دوہرے اور اقامت کے کلمات اکہرے ہوتے تھے۔''

(مصنّف ابن أبي شيبة :205/1، وسندهٗ صحيحٌ)

سوال: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَا يَزَالُ عَبْدِي يَتَقَرَّبُ إِلَيَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰى أُحِبَّهٗ، فَإِذَا أَحْبَبْتُهٗ، كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِي يَسْمَعُ بِهٖ، وَبَصَرَهُ الَّذِي يُبْصِرُ بِهٖ، وَيَدَهُ الَّتِي يَبْطِشُ بِهَا، وَرِجْلَهُ الَّتِي يَمْشِي بِهَا، وَإِنْ سَأَلَنِي، لَأُعْطِيَنَّهٗ، وَلَئِنِ اسْتَعَاذَنِي لَأُعِيذَنَّهٗ.

''(اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:) میرا قرب حاصل کرنے کے لئے میرا بندہ نوافل کا

اس قدر اہتمام کرتا ہے کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں۔ جب میں اس سے محبت کرتا ہوں، تو اس کا کان بن جاتا ہوں، جس سے وہ سنتا ہے، اس کی آنکھ بن جاتا ہوں، جس سے وہ دیکھتا ہے، اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں، جس سے وہ پکڑتا ہے، اس کا پاؤں بن جاتا ہوں، جس سے وہ چلتا ہے۔ مجھ سے مانگے، تو اسے عطا کرتا ہوں اور اگر میری پناہ طلب کرے، تو اُسے پناہ دیتا ہوں۔''

(صحيح البخاري: 6502)

سب سے بڑی نیکی تو فرائض ہیں، پھر اللہ تعالیٰ کی محبت نوافل سے کیوں کر حاصل ہوتی ہے، فرائض سے کیوں نہیں؟

جواب: جب مؤمن تمام واجبات اور فرائض کی ادائیگی کرتا ہو، پھر قرب الٰہی کے ارادہ سے زائد نوافل بھی ادا کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس بندے سے محبت کرنے لگتے ہیں، محبت الٰہی کا یہ حصول نوافل کے ساتھ ساتھ فرائض و واجبات کی ادائیگی کو بھی شامل ہے، کیونکہ اگر فرائض کو ترک کر کے نوافل ادا کیے جائیں، تو اس سے نہ اللہ تعالیٰ کا قرب نصیب ہوتا ہے اور نہ اللہ تعالیٰ کی محبت حاصل ہوتی ہے، ثابت ہوا کہ محبت الٰہی صرف نوافل کی ادائیگی پر ہی حاصل نہیں ہوئی، بلکہ فرائض بھی شامل ہیں۔

نیز بسا اوقات فرائض کی ادائیگی اللہ تعالیٰ کی پکڑ اور سزا کے خوف سے بھی ہوتی ہے، جبکہ نوافل کی ادائیگی میں باری تعالیٰ کے قرب اور محبت کا حصول مقصود ہوتا ہے، اس لیے جو تقرب کی نیت سے نوافل پر ہمیشگی کرتا ہے، اللہ تعالیٰ نہ صرف اسے اپنا قرب اور محبت عطا کرتا ہے، بلکہ بے شمار دنیوی اور اُخروی ثمرات سے بھی بہرہ مند کرتا ہے۔

سوال: سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا شَخْصَ أَغْيَرُ مِنَ اللّٰهِ .

''اللہ تعالیٰ سے زیادہ غیرت والا کوئی نہیں۔''

(صحیح مسلم : 1499)

حدیث میں اللہ تعالیٰ کے لیے ''شخص'' کا لفظ کیونکر بولا گیا؟ جبکہ یہ لفظ تو مخلوق پر بولا جاتا ہے؟

جواب: ''شخص'' کا لفظ مخلوق کے لیے مستعمل ہے، جو کسی شے کے جسم اور وجود کو کہتے ہیں، اس معنی میں اللہ تعالیٰ کے لیے یہ لفظ بولنا جائز نہیں، اس لیے تجسیم اور تشبیہ لازم آتا ہے، جو باری تعالیٰ کے حق میں ممنوع ہے۔

حدیث میں ''شخص'' کا لفظ مخلوق کے اعتبار سے بولا گیا ہے، اللہ تعالیٰ کو ''شخص'' نہیں کہا گیا۔ یہ استعارہ ہے۔ اس لحاظ سے حدیث کا معنی یہ ہوگا: ''ہر شخص سے زیادہ غیرت والا اللہ تعالیٰ ہے۔''

سوال: سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا پڑھتے تھے:

أَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا عَمِلْتُ وَمِنْ شَرِّ مَا لَمْ أَعْمَلْ .

''اللہ! اپنے کردہ ناکردہ اعمال کے شر سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔''

(صحیح مسلم : 2716)

ناکردہ اعمال کے شر سے پناہ کا کیا معنی؟

جواب: ناکردہ افعال کے شر سے پناہ مانگنے کا معنی یہ ہے کہ اے اللہ! جن برے اعمال کا میں نے ارتکاب نہیں کیا، ان کی نیت کرنے سے بھی پناہ مانگتا ہوں، یا کوئی دوسرا شخص وہ برا عمل کرے اور میں اس پر راضی ہوں، اس سے بھی تیری پناہ مانگتا ہوں۔

سوال: سجدہ تلاوت کا کیا حکم ہے؟

جواب: سجدہ تلاوت مستحب سنت ہے، یہ واجب نہیں، جمہور علما کا یہی مذہب ہے۔

❀ ربیعہ بن عبداللہ بن ہدیر رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

قَرَأَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ عَلَى الْمِنْبَرِ بِسُورَةِ النَّحْلِ حَتّٰى إِذَا جَاءَ السَّجْدَةَ نَزَلَ، فَسَجَدَ وَسَجَدَ النَّاسُ حَتّٰى إِذَا كَانَتِ الْجُمُعَةُ الْقَابِلَةُ قَرَأَ بِهَا، حَتّٰى إِذَا جَاءَ السَّجْدَةَ، قَالَ: يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا نَمُرُّ بِالسُّجُودِ، فَمَنْ سَجَدَ، فَقَدْ أَصَابَ وَمَنْ لَمْ يَسْجُدْ، فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ وَلَمْ يَسْجُدْ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ.

"سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے منبر پر سورت نحل کی تلاوت کی، جب آیت سجدہ پر پہنچے، تو منبر سے نیچے اترے اور سجدہ کیا، تو لوگوں نے بھی آپ کے ساتھ سجدہ کیا۔ آئندہ جمعہ پھر اسی سورت کی تلاوت کی، آیت سجدہ پر پہنچے، تو فرمایا: لوگو! ہمیں سجودِ تلاوت کا حکم نہیں دیا گیا، لہٰذا جس نے سجدہ کیا، اس نے اچھا کیا اور جس نے سجدہ نہیں کیا، اس پر کوئی گناہ نہیں۔ (اس دن) عمر رضی اللہ عنہ نے سجدہ نہیں کیا۔"

(صحيح البخاري: 1077)

❀ حافظ ابن الجوزی رحمہ اللہ (۵۹۷ھ) فرماتے ہیں:

هٰذَا دَلِيلٌ عَلٰى أَنَّ سُجُودَ التِّلَاوَةِ لَا يَجِبُ، وَإِنَّمَا هُوَ سُنَّةٌ، وَهُوَ قَوْلُ مَالِكٍ وَّالشَّافِعِيِّ وَأَحْمَدَ بْنِ حَنْبَلٍ وَدَاوُدَ.

"یہ حدیث دلیل ہے کہ سجود تلاوت واجب نہیں، بلکہ سنت ہیں۔ امام مالک،

امام شافعی، امام احمد بن حنبل اور امام داود رحمہم اللہ اسی کے قائل ہیں۔''

(کَشف المُشکل :1/106)

سوال: نبی کریم ﷺ نے قیامت کی علامات کے بارے میں فرمایا:

أَنْ تَلِدَ الْأَمَةُ رَبَّتَهَا .

''(قیامت کی نشانی یہ ہے کہ) لونڈی اپنی مالکہ کو جنم دے گی۔''

(صحيح مسلم : 8)

نبی کریم ﷺ نے لونڈی کی مالکہ کے لیے ''رب'' کا لفظ کیوں بولا، جبکہ ایسا کرنے سے منع فرمایا ہے۔

❀ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

لَا يَقُلْ اَحَدُكُمْ : اَطْعِمْ رَبَّكَ وَضِّئْ رَبَّكَ، اسْقِ رَبَّكَ، وَلْيَقُلْ : سَيِّدِي مَوْلَايَ .

''کوئی یہ نہ کہے کہ اپنے رب کو پانی پلاؤ، اپنے رب کو کھانا کھلاؤ، اپنے رب کو وضو کرواؤ، کوئی شخص (اپنے آقا کو) میرا رب نہ کہے، بلکہ میرا آقا اور میرا سردار کہے۔''

(صحيح البخاري : 2552، صحيح مسلم : 2249)

جواب: مالک اور آقا کو رب کہنا مکروہ ہے، نبی کریم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی تعظیم میں اس سے منع کر دیا کہ کوئی لونڈی یا غلام اپنے آقا کو ''رب'' کہہ کر مخاطب نہ کرے۔

نبی کریم ﷺ نے لونڈی کی مالکہ پر ''رب'' کا لفظ مبالغہ کے لیے بولا ہے، یہاں رب سے مراد لونڈی کا مالک اور آقا ہے۔ مخلوق کو لغوی طور پر ''رب'' کہا جا سکتا ہے۔

فتاویٰ امن پوری (قسط ۳۷۸)

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

سوال: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

خَلَقَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ التُّرْبَةَ يَوْمَ السَّبْتِ، وَخَلَقَ فِيهَا الْجِبَالَ يَوْمَ الْأَحَدِ، وَخَلَقَ الشَّجَرَ يَوْمَ الِاثْنَيْنِ، وَخَلَقَ الْمَكْرُوهَ يَوْمَ الثُّلَاثَاءِ، وَخَلَقَ النُّورَ يَوْمَ الْأَرْبِعَاءِ، وَبَثَّ فِيهَا الدَّوَابَّ يَوْمَ الْخَمِيسِ، وَخَلَقَ آدَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ بَعْدَ الْعَصْرِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ، فِي آخِرِ الْخَلْقِ، فِي آخِرِ سَاعَةٍ مِّنْ سَاعَاتِ الْجُمُعَةِ، فِيمَا بَيْنَ الْعَصْرِ إِلَى اللَّيْلِ.

”اللہ عزوجل نے ہفتہ کے دن زمین کو پیدا کیا، اتوار کے دن زمین میں پہاڑ پیدا کیے، سوموار کے دن درخت پیدا کیے، منگل کے دن ناپسندیدہ اشیا کو پیدا کیا، بدھ کے دن روشنی کو پیدا کیا، جمعرات کے دن جانوروں کو پیدا کیا، آخر میں جمعہ کے دن عصر سے شام مغرب کے درمیان آدم علیہ السلام کو پیدا کیا۔“

(صحیح مسلم: 2789)

اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ زمین اور ان میں موجود اشیا کی تخلیق سات دنوں میں ہوئی، جبکہ قرآن کریم نے زمین و آسمان کی تخلیق کے چھ دن بتائے ہیں۔

❁ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ﴾

(الفُرقان : ٥٩)

’’جس نے آسمانوں، زمین اوران میں موجود اشیا کو چھ دنوں میں تخلیق کیا۔‘‘

جواب: قرآن کریم کی کئی آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ زمین اور آسمانوں کی تخلیق چھ دنوں میں کی گئی، ایک جگہ اس کی تفصیل بھی بیان کی گئی ہے۔

❁ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿قُلْ أَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُونَ بِالَّذِي خَلَقَ الْأَرْضَ فِي يَوْمَيْنِ وَتَجْعَلُونَ لَهُ أَنْدَادًا ذٰلِكَ رَبُّ الْعَالَمِينَ وَجَعَلَ فِيهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا وَبَارَكَ فِيهَا وَقَدَّرَ فِيهَا أَقْوَاتَهَا فِي أَرْبَعَةِ أَيَّامٍ سَوَاءً لِلسَّائِلِينَ ثُمَّ اسْتَوٰى إِلَى السَّمَاءِ وَهِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْأَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا أَوْ كَرْهًا قَالَتَا أَتَيْنَا طَائِعِينَ، فَقَضَاهُنَّ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ فِي يَوْمَيْنِ وَأَوْحٰى فِي كُلِّ سَمَاءٍ أَمْرَهَا وَزَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ وَحِفْظًا ذٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ﴾(فُصّلت : ٩۔١٢)

’’(اے نبی!) کہہ دیجئے کہ کیا تم اس ذات کے ساتھ کفر کرتے ہو، جس نے زمین کو دو دنوں میں تخلیق کیا، تم اس ذات کے شریک بناتے ہو، وہ تو تمام جہانوں کا رب ہے۔ اس نے زمین کے اوپر پہاڑ بنائے، زمین میں برکت ڈالی اور اس میں زمین (والوں) کی خوراک پیدا کی۔ یہ سب کچھ چار دنوں

میں ہوا، سوال کرنے والوں کے لیے برابر (یہی جواب) ہے۔ پھر وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا، تو وہ دھواں تھا، تو اس نے آسمان اور زمین سے کہا، تم چاہتے ہوئے یا نا چاہتے ہوئے آؤ، دونوں نے کہا کہ ہم خوشی خوشی حاضر ہوتے ہیں، تو اللہ نے انہیں دو دن میں سات آسمان بنا دیا، پھر ہر آسمان کو اس کا کام بتا دیا اور ہم نے آسمان دنیا کو ستاروں سے مزین کر دیا اور خوب محفوظ بنا دیا، یہ غالب اور علم والے کا اندازہ ہے۔"

ان آیات قرآنیہ اور دیگر دلائل سے معلوم ہوتا ہے کہ زمین و آسمانوں اور ان میں موجود اشیا کی تخلیق پورے چھ دنوں میں ہوئی۔

جبکہ مذکورہ بالا روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف زمین کی تخلیق سات دنوں میں ہوئی، جو کہ قرآن کریم کے واضح مضمون کے مخالف ہے۔

اہل علم نے قرآنی آیات اور حدیث بالا میں مخالفت اور منافات کو دور کرنے کے لیے مختلف طریقہ کار اختیار کیے ہیں، بعض اہل علم نے جمع و توفیق کی کوشش کی ہے، مگر کوئی جواب تسلی بخش اور اعتراضات سے خالی نہیں۔

جبکہ جمہور اہل علم کی رائے یہی ہے کہ یہ حدیث راوی کا وہم اور خطا ہے۔ اسے مرفوع بیان کرنا اور نبی کریم ﷺ کا فرمان قرار دینا ہی درست نہیں، نیز یہ قرآن کے واضح مضمون کے بھی خلاف ہے۔

① یہ کعب احبار رحمہ اللہ کا قول ہے، جو بکثرت اسرائیلی روایات بیان کرتے تھے، ممکن ہے کہ یہ روایت بھی اسرائیلی ہو۔ اہل علم نے اس روایت کے مرفوع ہونے پر جرح کی ہے۔

❁ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

قَالَ بَعْضُهُمْ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنْ كَعْبٍ وَهُوَ أَصَحُّ .

''بعض نے (یہ روایت) ابو ہریرہ عن کعب کے طریق سے نقل کی، یہی درست اور صحیح ہے۔''

(التّاریخ الکبیر :413/1)

❁ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

قَدْ تَكَلَّمَ عَلَيْهِ عَلِيُّ بْنُ الْمَدِينِيِّ وَالْبُخَارِيُّ وَغَيْرُ وَاحِدٍ مِنَ الْحُفَّاظِ، وَجَعَلُوهُ مِنْ كَلَامِ كَعْبٍ، وَأَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ إِنَّمَا سَمِعَهُ مِنْ كَلَامِ كَعْبِ الْأَحْبَارِ، وَإِنَّمَا اشْتَبَهَ عَلٰى بَعْضِ الرُّوَاةِ فَجَعَلُوهُ مَرْفُوعًا .

''اس حدیث پر امام علی بن مدینی، امام بخاری اور کئی ایک حفاظ حدیث نے کلام کیا ہے اور اسے کعب احبار رحمہ اللہ کا کلام بنایا ہے، دراصل ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہ روایت کعب احبار رحمہ اللہ کے کلام سے سنی تھی، مگر (سند کے) کسی راوی کو اشتباہ ہوا، تو اسے مرفوع بنا دیا۔''

(تفسیر ابن کثیر :215/1)

❁ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

هُوَ فِي صَحِيحِ مُسْلِمٍ وَلٰكِنْ وَقَعَ الْغَلَطُ فِي رَفْعِهٖ وَإِنَّمَا هُوَ مِنْ قَوْلِ كَعْبِ الْأَحْبَارِ كَذٰلِكَ قَالَ إِمَامُ أَهْلِ الْحَدِيثِ مُحَمَّدُ

بْنُ إِسْمَاعِيلَ الْبُخَارِيُّ فِي تَارِيخِهِ الْكَبِيرِ وَقَالَهُ غَيْرُهُ مِنْ عُلَمَاءِ الْمُسْلِمِينَ أَيْضًا وَهُوَ كَمَا قَالُوا .

''یہ روایت اگرچہ صحیح مسلم میں ہے، مگر اسے مرفوع بیان کرنے میں غلطی واقع ہوئی ہے، کیونکہ یہ کعب احبار رحمہ اللہ کا قول ہے، جیسا کہ امام اہل حدیث محمد بن اسماعیل بخاری رحمہ اللہ نے التاریخ الکبیر میں فرمایا ہے، دیگر علمائے مسلمین نے بھی یہی کہا ہے۔ (میرے مطابق بھی صحیح) بات یہی ہے، جو ان اہل علم نے فرمائی ہے۔''

(المَنار المُنیف، 84-85، بدائع الفوائد :85/1)

اصلاً یہ روایت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کعب احبار رحمہ اللہ سے نقل کی تھی، کیونکہ وہ اکثر ایک دوسرے سے علمی مباحث کرتے رہتے تھے، سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ انہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سناتے تھے اور کعب رحمہ اللہ انہیں اسرائیلی خبریں سناتے تھے۔

اس روایت کو بھی سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کعب احبار رحمہ اللہ سے سنا تھا، مگر نیچے کسی راوی کو خطا اور وہم ہوا، تو اس نے اس روایت کو مرفوع یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان بنا دیا۔

② اسماعیل بن اُمیہ نے یہ روایت ایوب بن خالد سے نہیں سنی، بلکہ ان کے درمیان ابراہیم بن ابی یحییٰ کا واسطہ ہے اور ابراہیم بن ابی یحییٰ ضعیف و مجروح ہے۔

❁ امام علی بن مدینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

مَا أَرٰى إِسْمَاعِيلَ بْنَ أُمَيَّةَ أَخَذَ هٰذَا إِلَّا مِنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ أَبِي يَحْيٰى .

''میں نہیں سمجھتا کہ اس حدیث کو اسماعیل بن اُمیہ نے سوائے ابراہیم بن ابی یحییٰ کے کسی سے نقل کیا ہو۔''

(الأسماء والصّفات للبَيهقي، تحت الرّقم : 813، وسندهٗ حسنٌ)

❀ امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

زَعَمَ بَعْضُهُمْ أَنَّ إِسْمَاعِيلَ بْنَ أُمَيَّةَ إِنَّمَا أَخَذَهٗ عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ أَبِي يَحْيَى عَنْ أَيُّوبَ بْنِ خَالِدٍ، وَإِبْرَاهِيمُ غَيْرُ مُحْتَجٍّ بِهٖ.

بعض محدثین نے کہا ہے کہ اسماعیل بن اُمیہ نے یہ حدیث ابراہیم بن ابی یحییٰ کے واسطہ سے ایوب بن خالد سے روایت کی ہے اور ابراہیم نا قابل حجت ہے۔''

(الأسماء والصّفات، تحت الرّقم : 812)

ابراہیم بن ابی یحییٰ کے واسطے والی روایت معرفۃ علوم الحدیث للحاکم (ص ۳۳) میں آتی ہے، واسطہ ماننا ہی درست معلوم ہوتا ہے۔

جس سند میں ابراہیم بن ابی یحییٰ کی متابعت ہوئی ہے، وہ بھی ضعیف وغیر ثابت ہے۔

③ متن میں غرابت اور اضطراب ہے۔ سب سے بڑی غرابت یہ ہے کہ اس روایت کا مضمون قرآن کریم کے خلاف ہے، نیز روایت کے الفاظ میں بھی اضطراب ہے۔

❀ امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

زَعَمَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ بِالْحَدِيثِ أَنَّهٗ غَيْرُ مَحْفُوظٍ لِمُخَالَفَتِهٖ مَا عَلَيْهِ أَهْلُ التَّفْسِيرِ وَأَهْلُ التَّوَارِيخِ.

''بعض محدثین نے کہا ہے کہ یہ حدیث غیر محفوظ ہے، کیونکہ یہ مفسرین اور مؤرخین کے (اجماعی) مؤقف کے خلاف ہے۔''

(الأسماء والصّفات، تحت الرّقم : 812)

❀ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ثُمَّ فِي مَتْنِهٖ غَرَابَةٌ شَدِيدَةٌ .

''پھر اس حدیث کے متن میں بھی سخت غرابت پائی جاتی ہے۔''

(البداية والنّهاية :33/1)

❁ نیز فرماتے ہیں:

هٰذَا الْحَدِيثُ مِنْ غَرَائِبِ صَحِيحِ مُسْلِمٍ .

''یہ حدیث صحیح مسلم کے غرائب میں سے ہے۔''

(تفسير ابن كثير :215/1)

❁ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

هُوَ حَدِيثٌ مَعْلُولٌ قَدَحَ فِيهِ أَئِمَّةُ الْحَدِيثِ كَالْبُخَارِيِّ وَغَيْرِهٖ .

''یہ حدیث معلول ہے، اس پر امام بخاری رحمہ اللہ وغیرہ جیسے ائمہ حدیث نے جرح کی ہے۔''

(مَجموع الفتاویٰ : 235/17)

سوال: سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِذَا مَاتَ أَحَدُكُمْ، فَإِنَّهٗ يُعْرَضُ عَلَيْهِ مَقْعَدُهٗ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ، فَإِنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ، فَمِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ، وَإِنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ النَّارِ فَمِنْ أَهْلِ النَّارِ .

''جب کوئی فوت ہو جاتا ہے، تو اس پر صبح وشام اس کا ٹھکانہ پیش کیا جاتا ہے۔ اگر وہ جنتی ہو، تو جنت کا ٹھکانہ اور اگر جہنمی ہو، تو جہنم کا ٹھکانہ۔''

(صحيح البخاري : 3240، صحيح مسلم : 2866)

مرنے والے پر صبح و شام اس کا ٹھکانہ پیش کیا جاتا ہے۔ یہ پیشی کب ہوتی ہے؟

جواب: یہ قبر میں سوال و جواب کے بعد ہوتا ہے۔ اس کی کیفیت اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے، ہمارے ذمہ تصدیق کرنا اور سر تسلیم خم کرنا ہے۔

سوال: سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَوْلَا أَنْ لَّا تَدَافَنُوا لَدَعَوْتُ اللّٰهَ أَنْ يُسْمِعَكُمْ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ .

”اگر یہ ڈر نہ ہوتا کہ آپ مردوں کو دفنانا چھوڑ دو گے، میں اللہ سے دعا کرتا کہ وہ آپ کو عذاب قبر سنوا دے۔“

(صحيح مسلم : 2868)

❁ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

إِنَّهُ دَخَلَ حَائِطًا مِنْ حَوَائِطِ بَنِي النَّجَّارِ فَسَمِعَ صَوْتًا مِّنْ قَبْرٍ قَالَ : مَتٰى دُفِنَ صَاحِبُ هٰذَا الْقَبْرِ؟ فَقَالُوا : فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَسُرَّ بِذٰلِكَ وَقَالَ : لَوْلَا أَنْ لَّا تَدَافَنُوا لَدَعَوْتُ اللّٰهَ أَنْ يُّسْمِعَكُمْ عَذَابَ الْقَبْرِ .

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ بنو نجار کے ایک باغ میں داخل ہوئے، آپ نے ایک قبر سے آواز سنی، پوچھا: یہ قبر والا کب دفن کیا گیا؟ لوگوں نے کہا: دور جاہلیت میں، آپ اس بات سے خوش ہو گئے، فرمایا: اگر یہ ڈر نہ ہوتا کہ آپ مردوں کو دفنانا چھوڑ دیں گے، تو میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا کہ وہ آپ کو بھی عذاب قبر سنوا دے۔“

(مسند الإمام أحمد : 103/3، سنن النّسائي : 2058، وسندهٗ صحيحٌ)

اس حدیث کو امام ابن حبان رحمہ اللہ (۳۱۲۶) نے ''صحیح'' کہا ہے۔

ان احادیث کا درست مفہوم کیا ہے؟ بعض یہ معنی کشید کرتے ہیں کہ عذاب قبر اسے ہوتا ہے، جو قبر میں دفن کیا جاتا ہے، جس میت کو درندے چیر پھاڑ دیں یا گل سڑ جائے، اسے عذاب نہیں ہوتا۔

(جواب): جو شخص عذاب کا مستحق ہے، اسے عذاب ہو کر رہے گا، خواہ اسے قبر نصیب ہو یا نہ ہو۔ خواہ وہ درندوں کا لقمہ بن گیا ہو، یا آگ میں جل گیا ہو، بہر کیف اللہ تعالیٰ اسے عذاب دینے پر قادر ہے۔

❀ علامہ تور بشتی رحمہ اللہ (۶۶۱ ھ) فرماتے ہیں:

''یہ کلام مجمل ہے۔ جو معنی سب سے پہلے ذہن میں آتا ہے، وہ یہ ہے کہ لوگ اگر عذاب قبر کو سن لیں، تو عذاب قبر سے بچنے کے لیے دفن کرنا چھوڑ دیں۔ یہ معنی محل نظر ہے، کیونکہ ایک مومن سے ایسی توقع نہیں رکھی جاسکتی، بلکہ اس پر واجب ہے کہ وہ اللہ کے متعلق یہ عقیدہ رکھے کہ جب وہ کسی کو عذاب دینے کا ارادہ کر لے، تو اسے عذاب دے گا، اگر چہ وہ مچھلیوں کے پیٹوں اور پرندوں کے پوٹوں میں ہو۔ اللہ تعالیٰ کی ازلی قدرت کے سامنے زمین کا اندرونی اور بیرونی حصہ برابر ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ مومنوں کو اپنے مردے دفنانے کا حکم دیا گیا ہے، دسترس میں ہو، تو اسے ترک کرنا جائز نہیں۔ ہم اپنے علم اور فہم کی حد تک اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ اگر لوگ یہ بات سن لیں، جن کو خود ایک وقت میں موت آنی ہے۔ تو اس کی پریشانی بہت عام ہو جائے۔ لوگ دفنانا تک چھوڑ دیں، خوف ان کے دلوں کو چیر دے اور وہ میت سڑ گل جائے، مگر

لوگ اسے دفنائیں نہ۔‘‘

(المُيَسَّر في شرح مَصابيح السُّنّة :1/72-73)

❁ علامہ مظہری حنفی رحمہ اللہ (۷۲۷ھ) لکھتے ہیں:

’’اگر کوئی کہے کہ اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ اگر اس شخص کی آوازیں سن لو، جسے قبر میں عذاب دیا جا رہا ہے، تو تم کسی کو دفن ہی نہ کرو، تا کہ اسے عذاب قبر لاحق نہ ہو، کہ عذاب تو قبر میں لاحق ہوتا ہے، لہٰذا اگر تم یہ گمان نہ کرو کہ عذاب، قبر میں ہوتا ہے اور تم دفن کرنا نہ چھوڑ دو، تو میں اللہ سے دعا کروں کہ تمہیں عذاب قبر کی آواز سنا دے۔

ہم کہیں گے: یہ تاویل بہت بڑی غلطی ہے اور صحابہ کے بارے میں سوئے ظن ہے، کیونکہ صحابہ کرام کا عقیدہ تھا کہ اللہ تعالیٰ میت کو قبر میں اور سطح زمین پر عذاب دینے پر قادر ہے، اسی طرح اگر کوئی پانی میں ڈوب کر مر جائے یا اسے درندہ نگل لے، تو بھی اللہ تعالیٰ عذاب قبر کے مستحق کو سمندر کی تہہ میں اور درندے کے پیٹ میں عذاب دے گا۔ اسی طرح ہر مسلمان کا عقیدہ ہے کہ میت کو موت کے بعد اور قیامت سے قبل عذاب ہوتا ہے، چاہے وہ قبر میں ہو یا نہ ہو۔ یہ عذاب تمام کفار کو لاحق ہوگا، بعض گناہگار مسلمانوں کو بھی لاحق ہو سکتا ہے، انہیں گناہوں سے صاف کرنے کے لیے۔‘‘

(المَفاتيح شرح المصابيح :1/225)

سوال: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ثُمَّ يُفْسَحُ لَهُ فِي قَبْرِهِ سَبْعُونَ ذِرَاعًا فِي سَبْعِينَ .

”مؤمن آدمی کی قبر ستر ہاتھ تک کھول دی جائے گی۔“

(سنن التّرمذي : 1071، سندهٗ حسنٌ)

اسے امام ترمذی رحمہ اللہ نے ”حسن غریب“ کہا ہے، امام ابن حبان رحمہ اللہ (۳۱۱۷) نے ”صحیح“ قرار دیا ہے۔

اس حدیث میں ہے کہ مؤمن اور مسلمان کی قبر کو ستر ہاتھ تک کشادہ کر دیا جاتا ہے، جبکہ دوسری حدیث میں ہے کہ تا حد نگاہ وسیع کر دیا جاتا ہے۔

❀ سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

يُوَسَّعُ لَهٗ فِي قَبْرِهٖ مَدَّ بَصَرِهٖ .

تا حد نگاہ اس کی قبر وسیع کر دی جاتی ہے۔“

(الأحاديث الطّوال للطّبراني : 25 المُستدرك للحاكم : 117، وسندهٗ صحيحٌ)

دونوں میں تطبیق کیا ہے؟

جواب: دونوں احادیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر کی کشادگی کی طرف اشارہ کیا ہے، جسے ایک مرتبہ ستر ہاتھ کے ساتھ بیان کر دیا اور دوسری مرتبہ تا حد نگاہ کے ساتھ۔

یہ بھی ممکن ہے کہ کسی مؤمن کی قبر ستر ہاتھ تک وسیع ہو گی اور کسی کی تا حد نگاہ۔

سوال: سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”میں ایک بشر ہوں، آپ میرے پاس مقدمات لاتے ہیں، ممکن ہے کوئی اپنے دعویٰ کے دلائل کو بہتر انداز میں سمجھانے کی صلاحیت رکھتا ہو اور میں دلائل کی سماعت کی بنیاد پر اس کے حق میں فیصلہ دے دوں، وہ اگر فیصلہ لینے میں حق بجانب نہ ہوا اور اس کے بھائی کے حق کا ایک بھی ٹکڑا اس کے فیصلے میں

آ گیا، تو وہ اس کے لئے آگ کا ٹکڑا ہوگا۔''

(صحيح البخاري : 7169، صحيح مسلم : 1713)

❀ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ، وَلَعَلَّ بَعْضَكُمْ يَكُونُ أَلْحَنَ بِحُجَّتِهِ مِنْ بَعْضٍ، فَمَنْ قَضَيْتُ لَهٗ مِنْ حَقِّ أَخِيهِ شَيْئًا، فَإِنَّمَا أَقْطَعُ لَهٗ قِطْعَةً مِّنَ النَّارِ .

''بلا شبہ میں ایک بشر ہوں۔ ممکن ہے کوئی اپنی دلیل کو بیان کرنے میں دوسرے کی بہ نسبت زبان کا تیز ہو، چنانچہ جس کے لیے میں اس کے بھائی کے حق میں سے کسی چیز کا فیصلہ کردوں، تو میں اسے آگ کا ایک ٹکڑا کاٹ کر دے رہا ہوں۔''

(مصنّف ابن أبي شَيبة : 234/7، مسند الإمام أحمد : 232/2، سنن ابن ماجه : 2318، مسند أبي يعلى : 5920، وسندهٗ حسنٌ)

اس حدیث کو امام ابن حبان رحمہ اللہ (۵۰۷۱) نے ''صحیح'' کہا ہے۔

❀ حافظ بوصیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

هٰذَا إِسْنَادٌ صَحِيحٌ .

''یہ سند صحیح ہے۔''

(مِصباح الزّجاجة : 820)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو معصوم عن الخطا تھے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود سے غلط فیصلہ سرزد ہونے کا شبہ کیوں ظاہر کیا؟

جواب: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تبلیغ رسالت میں معصوم ہیں، دین کے کسی فیصلہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے خطا سرزد نہیں ہوسکتی، اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عصمت حاصل ہے، باقی

دنیاوی اُمور اور فیصلوں میں آپ ﷺ دوسروں کی طرف بشر ہیں۔

❁ علامہ ابو العباس قرطبی رحمہ اللہ (٦٥٦ھ) فرماتے ہیں:

(قَوْلُهُ : فَإِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ) أَيْ وَاحِدٌ مِّنْهُمْ فِي الْبَشَرِيَّةِ، وَمُسَاوٍ لَّهُمْ فِيمَا لَيْسَ مِنَ الْأُمُورِ الدِّينِيَّةِ، وَهٰذِهِ إِشَارَةٌ إِلَىٰ قَوْلِهٖ تَعَالٰى : ﴿قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُم يُوحٰى إِلَيَّ﴾ فَقَدْ سَاوَى الْبَشَرَ فِي الْبَشَرِيَّةِ، وَامْتَازَ عَنْهُمْ بِالْخُصُوصِيَّةِ الْإِلٰهِيَّةِ الَّتِي هِيَ تَبْلِيغُ الْأُمُورِ الدِّينِيَّةِ .

"فرمان نبوی: "میں بشر ہوں۔" کا مطلب ہے کہ میں بشریت کے لحاظ سے انسانوں میں سے ایک انسان ہوں اور دینی اُمور کے علاوہ (دنیاوی اُمور) میں عام انسانوں کے برابر ہوں۔ یہ اس فرمان باری تعالیٰ کی طرف اشارہ ہے: ﴿قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحٰى إِلَيَّ﴾(الكهف : ١١٠) "کہہ دیجیے کہ میں تمہاری طرح ایک بشر ہوں، مگر میری طرف وحی کی جاتی ہے۔" آپ ﷺ وصف بشریت میں عام انسانوں کے برابر ہیں اور اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ خصوصیت یعنی اُمور دین کی تبلیغ میں عام انسانوں سے ممتاز و فائق ہیں۔"

(المُفهِم لما أشكل من تلخيص كتاب مسلم : 170/6)

❁ سیدنا رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ، إِذَا أَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ مِّنْ دِينِكُمْ فَخُذُوا بِهٖ، وَإِذَا أَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ مِّنْ رَأْيِي، فَإِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ .

”یقیناً میں بشر ہوں، جب میں آپ کو دین کے متعلق کوئی حکم دوں، تو اس پر (سختی سے) عمل پیرا ہو جائیں اور جب میں آپ کو اپنی رائے سے حکم دوں، تو میں بشر ہوں۔“

(صحيح مسلم : 2362)

سوال: ابو یعفور رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

جِئْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ أَبِي أَوْفٰى رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فَسَأَلْتُهٗ عَنِ الْجَرَادِ فَقَالَ : غَزَوْنَا مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سِتَّ غَزَوَاتٍ نَأْكُلُ الْجَرَادَ .

”میں سیدنا عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور ان سے ٹڈی دَل کے متعلق پوچھا، تو انہوں نے فرمایا: ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں چھ جنگیں لڑی ہیں، ہم ٹڈیاں کھایا کرتے تھے۔“

(صحيح البخاري : 5495، صحيح مسلم : 1952، المُنتقى لابن الجارود : 880)

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ نے ٹڈی کھائی۔ اس کے معارض روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ٹڈی نہیں کھائی۔

❀ سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

سُئِلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْجَرَادِ، فَقَالَ : أَكْثَرُ جُنُودِ اللّٰهِ، لَا آكُلُهٗ، وَلَا أُحَرِّمُهٗ .

”نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ٹڈی کے بارے میں پوچھا گیا، تو فرمایا: یہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا لشکر ہے، میں نہ اسے کھاتا ہوں اور نہ حرام قرار دیتا ہوں۔“

(سنن أبي داود : 3813، سنن ابن ماجه : 3219)

جواب: یہ روایت ضعیف ہے، یہ ابو عثمان نہدی کی مرسل ہے، اس میں سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کا واسطہ خطا ہے۔

❀ امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

إِنَّمَا هُوَ عَنْ أَبِي عُثْمَانَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُرْسَلٌ .

”دراصل یہ روایت ابو عثمان نہدی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مرسل بیان کی ہے۔“

(تاريخ الدّوري : 4318)

❀ امام ابو حاتم رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

هٰذَا خَطَأٌ، اَلصَّحِيحُ مُرْسَلٌ؛ لَيْسَ فِيهِ سَلْمَانُ .

”یہ روایت خطا ہے، اس کا مرسل ہونا ہی صحیح ہے، اس میں سلمان رضی اللہ عنہ کا واسطہ نہیں ہے۔“

(عِلَل الحديث : 1495)

❀ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اَلصَّوَابُ مُرْسَلٌ .

”اس کا مرسل ہونا ہی درست ہے۔“

(فتح الباري : 9/622)

جب یہ روایت ہی ضعیف ہے، تو اس کا صحیح حدیث سے معارضہ نہیں کیا جا سکتا۔

سوال: سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا تَقُومُ السَّاعَةُ، إِلَّا عَلٰى شِرَارِ النَّاسِ .

”قیامت برے لوگوں پر واقع ہوگی۔“

(صحیح مسلم : 2949)

اس حدیث میں ہے کہ قیامت کا وقوع برے لوگوں پر ہوگا، جبکہ اس کے معارض روایت میں ہے کہ اہل حق کا ایک گروہ قیامت تک حق پر قائم رہے گا۔

❀ سیدنا ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِّنْ أُمَّتِي ظَاهِرِينَ عَلَى الْحَقِّ، لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَذَلَهُمْ، حَتّٰى يَأْتِيَ أَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ كَذٰلِكَ .

”میری اُمت کا ایک گروہ ہمیشہ حق پر قائم اور غالب رہے گا، ان کے مخالف انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے، حتیٰ کہ قیامت آ جائے گی اور وہ اسی حالت پر ہوں گے۔“

(صحیح مسلم : 1920)

جواب: اہل حق کا گروہ قیامت کے وقوع تک قائم رہے گا، پھر اللہ تعالیٰ مؤمنوں اور اہل حق کو اٹھا لے گا اور برے لوگ باقی رہ جائیں گے، تو ان پر قیامت واقع ہوگی، اس کی وضاحت حدیث میں موجود ہے۔

❀ سیدنا نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

...... يُحْصَرُ نَبِيُّ اللّٰهِ عِيسٰى وَأَصْحَابُهٗ، حَتّٰى يَكُونَ رَأْسُ الثَّوْرِ لِأَحَدِهِمْ خَيْرًا مِنْ مِائَةِ دِينَارٍ لِأَحَدِكُمُ الْيَوْمَ، فَيَرْغَبُ نَبِيُّ اللّٰهِ عِيسٰى وَأَصْحَابُهٗ، فَيُرْسِلُ اللّٰهُ عَلَيْهِمُ النَّغَفَ فِي رِقَابِهِمْ، فَيُصْبِحُونَ فَرْسٰى كَمَوْتِ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ، ثُمَّ يَهْبِطُ

نَبِيُّ اللّٰهِ عِيسٰى وَأَصْحَابُهُ إِلَى الْأَرْضِ، فَلَا يَجِدُونَ فِي الْأَرْضِ مَوْضِعَ شِبْرٍ إِلَّا مَلَأَهُ زَهَمُهُمْ وَنَتْنُهُمْ، فَيَرْغَبُ نَبِيُّ اللّٰهِ عِيسٰى وَأَصْحَابُهُ إِلَى اللّٰهِ، فَيُرْسِلُ اللّٰهُ طَيْرًا كَأَعْنَاقِ الْبُخْتِ فَتَحْمِلُهُمْ فَتَطْرَحُهُمْ حَيْثُ شَاءَ اللّٰهُ، ثُمَّ يُرْسِلُ اللّٰهُ مَطَرًا لَا يَكُنُّ مِنْهُ بَيْتُ مَدَرٍ وَلَا وَبَرٍ، فَيَغْسِلُ الْأَرْضَ حَتّٰى يَتْرُكَهَا كَالزَّلَفَةِ، ثُمَّ يُقَالُ لِلْأَرْضِ : أَنْبِتِي ثَمَرَتَكِ، وَرُدِّي بَرَكَتَكِ، فَيَوْمَئِذٍ تَأْكُلُ الْعِصَابَةُ مِنَ الرُّمَّانَةِ، وَيَسْتَظِلُّونَ بِقِحْفِهَا، وَيُبَارَكُ فِي الرِّسْلِ، حَتّٰى أَنَّ اللِّقْحَةَ مِنَ الْإِبِلِ لَتَكْفِي الْفِئَامَ مِنَ النَّاسِ، وَاللِّقْحَةَ مِنَ الْبَقَرِ لَتَكْفِي الْقَبِيلَةَ مِنَ النَّاسِ وَاللِّقْحَةَ مِنَ الْغَنَمِ لَتَكْفِي الْفَخِذَ مِنَ النَّاسِ، فَبَيْنَمَا هُمْ كَذٰلِكَ إِذْ بَعَثَ اللّٰهُ رِيحًا طَيِّبَةً، فَتَأْخُذُهُمْ تَحْتَ آبَاطِهِمْ، فَتَقْبِضُ رُوحَ كُلِّ مُؤْمِنٍ وَكُلِّ مُسْلِمٍ، وَيَبْقٰى شِرَارُ النَّاسِ، يَتَهَارَجُونَ فِيهَا تَهَارُجَ الْحُمُرِ، فَعَلَيْهِمْ تَقُومُ السَّاعَةُ .

"......اللہ کے نبی عیسیٰ علیہ السلام اور آپ کے ساتھی (کوہِ طور پر) محصور ہو کر رہ جائیں گے، یہاں تک کہ جو آپ کے ہاں اِس وقت سو دینار کی حیثیت ہے، ان میں سے ہر ایک کے نزدیک بیل کا سر اس سے کہیں زیادہ قیمتی اور بہتر ہوگا، تو اللہ کے نبی عیسیٰ علیہ السلام اور آپ کے ساتھی گڑگڑا کر دعا کریں گے، اللہ تعالیٰ یاجوج و ماجوج کی گردنوں میں کیڑوں کا عذاب نازل کرے گا، جس سے وہ

سب (اکٹھے) مرجائیں گے کہ گویا ایک ہی انسان کی موت ہوئی ہو۔ پھر اللہ کے نبی عیسیٰ علیہ السلام اور آپ کے ساتھی (کوہِ طور سے) زمین پر اُتریں گے، تو انہیں ایک بالشت بھی زمین خالی نہیں ملے گی، بلکہ ہر جگہ یاجوج وماجوج کی گندگی اور بدبو پھیلی ہوگی، تو اللہ کے نبی عیسیٰ علیہ السلام اور آپ کے ساتھی گڑگڑا کر دعائیں کریں گے، اللہ تعالیٰ بختی اُونٹوں کی طرح لمبی گردنوں والے پرندے بھیجے گا، جو یاجوج وماجوج (کی نعشوں) کو اٹھا کر وہاں پھینک دیں گے، جہاں اللہ چاہے گا، پھر اللہ تعالیٰ ایسی بارش نازل کرے گا کہ کوئی پکا یا کچا گھر اُوٹ نہیں بن سکے گا، اس سے زمین دھل جائے گی اور شیشے کی طرح صاف ہو جائے، پھر زمین سے کہا جائے گا: اپنے پھل اُگاؤ اور اپنی برکت لوٹاؤ، تو اس وقت ایک انار کو پوری جماعت کھائے گی اور اس کے چھلکے سے سایہ حاصل کرے گی۔ دودھ میں ایسی برکت ہوگی کہ اونٹنی کے ایک دفعہ کا دودھ لوگوں کی ایک بڑی جماعت کے لیے کافی ہو جائے گا، گائے کے ایک دفعہ کا دودھ ایک قبیلے کو کافی ہو جائے گا اور بکری کے ایک دفعہ کا دودھ قبیلے کی ایک شاخ کے لیے کافی رہے گا۔ لوگ اسی طرح زندگی گزار رہے ہوں گے کہ اچانک اللہ تعالیٰ خوشگوار ہوا چلائے گا، وہ لوگوں کو بغلوں کے نیچے سے پکڑے گی اور ہر مومن اور مسلمان کی روح قبض کرلے گی۔ پھر بدترین لوگ باقی رہ جائیں گے، وہ گدھوں کی طرح (برسرعام) جماع کریں گے۔ ایسے (بدترین) لوگوں پر ہی قیامت قائم ہوگی۔“

(صحیح مسلم: 2937)

اللہ تعالیٰ قیامت قائم کرنے سے پہلے مؤمنوں اور نیکو کاروں پر موت طاری کر دے گا، یہاں تک کہ کوئی مؤحد اور اللہ کو ماننے والا باقی نہیں رہے گا، تو اللہ تعالیٰ باقی ماندہ برے لوگوں پر قیامت واقع کر دے گا۔ لہٰذا احادیث میں تعارض نہیں رہا۔

سوال: سیدنا عبداللہ بن عباس ﷠ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلٰى مُوسٰى صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ...... وَاضِعًا إِصْبَعَيْهِ فِي أُذُنَيْهِ، لَهٗ جُؤَارٌ إِلَى اللّٰهِ بِالتَّلْبِيَةِ، مَارًّا بِهٰذَا الْوَادِي .

”گویا میں موسیٰ ﷺ کو دیکھ رہا ہوں کہ...... انہوں نے کانوں میں انگلیاں ڈالی ہوئی ہیں اور اللہ کے نام کا تلبیہ پکارتے ہوئے اس وادی (وادیٔ ازرق) سے گزر رہے ہیں۔“

(صحيح مسلم : 166)

موسیٰ علیہ السلام نے کیسے حج کے لیے حاضری دی اور تلبیہ پکارا، جبکہ وہ وفات پا چکے ہیں؟

جواب: نبی کریم ﷺ نے خواب میں موسیٰ علیہ السلام کو تلبیہ پکارتے سنا۔ بے شک انبیائے کرام علیہم السلام کے خواب وحی ہیں، اللہ تعالیٰ جو چاہے خواب میں دکھا دے۔

✿ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

بَيْنَمَا أَنَا نَائِمٌ أَطُوفُ بِالْكَعْبَةِ، فَإِذَا رَجُلٌ آدَمُ، سَبْطُ الشَّعَرِ، يُهَادٰى بَيْنَ رَجُلَيْنِ، يَنْطِفُ رَأْسُهٗ مَاءً، أَوْ يُهَرَاقُ رَأْسُهٗ مَاءً، فَقُلْتُ : مَنْ هٰذَا؟ قَالُوا : ابْنُ مَرْيَمَ .

”میں سویا ہوا تھا، دیکھا کہ میں کعبہ کا طواف کر رہا ہوں، وہاں ایک آدمی دیکھا، جس کا رنگ گندمی اور بال سیدھے تھے، اسے دو بندوں کے درمیان

چلایا جا رہا تھا، ان کے سر سے پانی کی قطرے ٹپک رہے تھے، میں نے پوچھا:
یہ کون ہیں؟ تو فرشتوں نے کہا: یہ عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام ہیں۔''

(صحيح البخاري: 3441، صحيح مسلم: 171)

سوال: سیدنا مالک بن صعصعہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

بَيْنَمَا أَنَا فِي الْحَطِيمِ -وَرُبَّمَا قَالَ: فِي الْحِجْرِ- مُضْطَجِعًا إِذْ أَتَانِي آتٍ.

''میں حطیم یا حجر میں لیٹا ہوا تھا کہ ایک آنے والا (جبریل علیہ السلام) آیا۔''

(صحيح البخاري: 3887، صحيح مسلم: 164)

اس حدیث میں ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کے لیے لے جایا گیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ کے پاس تھے، جبکہ دوسری حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں اپنے گھر تھے کہ جبریل علیہ السلام چھت کو چیر کر آئے۔

❀ سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

فُرِجَ عَنْ سَقْفِ بَيْتِي وَأَنَا بِمَكَّةَ، فَنَزَلَ جِبْرِيلُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

''میں مکہ میں تھا کہ میرے گھر کی چھت پھاڑی گئی، جس سے جبریل صلی اللہ علیہ وسلم نازل ہوئے۔''

(صحيح البخاري: 349، صحيح مسلم: 163)

جواب: پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر میں سو رہے تھے، وہاں سے مسجد حرام لایا گیا، وہاں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم حطیم میں یا حجر میں سو گئے، پھر آپ کو جگایا گیا۔

فتاویٰ امن پوری (قسط ۳۷۹)

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

سوال: درج ذیل روایت کی سند کیسی ہے؟

❀ سیدنا عبداللہ بن قرط رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ أَعْظَمَ الْأَيَّامِ عِنْدَ اللّٰهِ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى يَوْمُ النَّحْرِ، ثُمَّ يَوْمُ الْقَرِّ.

''اللہ تبارک وتعالیٰ کے ہاں سب سے عظمت والا دن قربانی کا پہلا دن (۱۰ ذو الحجہ) ہے، پھر قربانی کا دوسرا دن (۱۱ ذوالحجہ) ہے۔''

(مسند الإمام أحمد : 350/4، سنن أبي داود : 1765)

جواب: سند ضعیف ہے۔ عبد اللہ بن لحی کا سیدنا عبد اللہ بن قرط رضی اللہ عنہ سے سماع ثابت نہیں ہو سکا۔

سوال: سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، دَخَلَ عَامَ الْفَتْحِ، وَعَلٰى رَأْسِهِ الْمِغْفَرُ، فَلَمَّا نَزَعَهُ جَاءَ رَجُلٌ فَقَالَ : إِنَّ ابْنَ خَطَلٍ مُتَعَلِّقٌ بِأَسْتَارِ الْكَعْبَةِ فَقَالَ : اقْتُلُوهُ.

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے موقع پر (مکہ میں) داخل ہوئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر پر ''خود'' تھا، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ''خود'' اتارا، تو ایک شخص آیا، عرض کیا: ابن

خطل غلاف کعبہ کے ساتھ چمٹا ہوا ہے، (اسے قتل کریں یا نہ کریں؟) فرمایا:
اسے (اسی حالت میں) قتل کر دیں۔''

(صحيح البخاري : 1846، صحيح مسلم : 1357)

❀ جبکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ آمِنًا﴾ (آل عمران : ۹۷)

''جو حرم کعبہ میں داخل ہو گیا، وہ امن میں آ گیا۔''

جب حرم میں آنے والے کو ''امن'' مل گیا، تو پھر نبی کریم ﷺ نے ابن خطل کو قتل کرنے کا حکم کیوں دیا؟

جواب: حرم میں داخل ہونے والا ''امن'' حاصل کر لیتا ہے، اسے نہ قتل کیا جائے گا اور نہ اس سے لڑائی کی جائے گی، سوائے اس کے کہ وہ لڑائی میں پہل کرے، تو جوابی کاروائی میں لڑائی کی جا سکتی ہے۔

نبی کریم ﷺ نے جو ابن خطل کو قتل کرنے کا حکم دیا تھا، وہ مکہ پر چڑھائی کے دوران تھا، نبی کریم ﷺ کو مکہ پر چڑھائی کرنے اور اس میں قتال کرنے اجازت کچھ دیر کے لیے دی گئی تھی، پھر جب مکہ فتح ہوا، تو اس کی حرمت عود کر آئی۔ اب کسی کے لیے مکہ میں قتال کرنا جائز نہیں۔

❀ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

لَمَّا فُتِحَتْ مَكَّةُ قَتَلَتْ هُذَيْلٌ رَجُلًا مِّنْ بَنِي لَيْثٍ بِقَتِيلٍ لَّهُمْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَبَلَغَ ذٰلِكَ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَامَ فَقَالَ : إِنَّ اللّٰهَ حَبَسَ عَنْ مَّكَّةَ الْقَتْلَ وَسَلَّطَ عَلَيْهَا

رَسُولَهُ وَالْمُؤْمِنِينَ وَإِنَّهَا لَمْ تَحِلَّ لِأَحَدٍ قَبْلِي وَلَا تَحِلُّ لِأَحَدٍ بَعْدِي وَإِنَّمَا أُحِلَّتْ لِي سَاعَةً مِّنْ نَهَارٍ وَّإِنَّهَا سَاعَتِي هٰذِهٖ حَرَامٌ لَّا يُعْضَدُ شَجَرُهَا وَلَا يُخْتَلٰى شَوْكُهَا وَلَا يَلْتَقِطُ سَاقِطَتَهَا إِلَّا مُنْشِدٌ وَّمَنْ قُتِلَ لَهُ قَتِيلٌ فَهُوَ بِخَيْرِ النَّظَرَيْنِ، إِمَّا أَنْ يُّقَادَ وَإِمَّا أَنْ يُّفَادٰى فَقَامَ رَجُلٌ مِّنْ أَهْلِ الْيَمَنِ يُقَالُ لَهُ أَبُو شَاهٍ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ اكْتُبْ لِي فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اكْتُبُوا لِأَبِي شَاهٍ فَقَالَ الْعَبَّاسُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِلَّا الْإِذْخَرَ، فَإِنَّا نَجْعَلُهُ فِي مَسَاكِنِنَا وَقُبُورِنَا فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِلَّا الْإِذْخَرَ إِلَّا الْإِذْخَرَ.

”جب مکہ فتح ہوا، تو بنو ہذیل اپنے ایک مقتول کی وجہ سے بنو لیث کے ایک آدمی سے لڑ پڑے، رسول اللہ ﷺ کو یہ بات پہنچی، تو آپ ﷺ نے کھڑے ہو کر خطاب فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مکہ میں قتال منع فرما دیا ہے اور اپنے رسول اور مؤمنین کو اس پر قابض بنا دیا، مجھ سے پہلے کسی کے لیے (اس میں قتال) حلال نہیں کیا گیا اور نہ ہی میرے بعد کسی کے لیے (اس میں قتال) حلال ہے، میرے لیے بھی دن کے کچھ حصے میں (قتال) حلال کیا گیا ہے، اس وقت اس کی حرمت برقرار ہے، چنانچہ اس کا درخت کاٹا جائے، نہ ہی اس کے کانٹے توڑے جائیں، نہ ہی اس کی گمشدہ چیز اٹھائی جائے، صرف وہ اٹھا سکتا ہے جس نے اعلان کرنا ہو، جس کا کوئی (آدمی) قتل کر دیا جائے، تو اسے دیت یا

قصاص میں سے ایک بہتر چیز اختیار کرنے کی اجازت ہے۔یمن کا ایک ابوشاہ نامی شخص کھڑا ہو کر کہنے لگا: اللہ کے رسول! مجھے (یہ باتیں) لکھ دیں۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ابوشاہ کو لکھ کر دیں۔سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کہنے لگے: اللہ کے رسول! اذخر گھاس کو مستثنیٰ کر دیجیے، کیوں کہ ہم اسے اپنے گھروں اور قبروں پر ڈالتے ہیں۔فرمایا: اذخر (گھاس) مستثنیٰ ہے، اذخر (گھاس) مستثنیٰ ہے۔''

(صحيح البخاري : 2434، صحيح مسلم : 1355، المُنتقى لابن الجارود : 508)

❁ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ فتح مکہ کے دن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

إِنَّ هٰذَا الْبَلَدَ حَرَامٌ حَرَّمَهُ اللّٰهُ يَوْمَ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ فَهُوَ حَرَامٌ حَرَّمَهُ اللّٰهُ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ مَا أُحِلَّ لِأَحَدٍ فِيهِ الْقَتْلُ غَيْرِي وَلَا يَحِلُّ لِأَحَدٍ بَعْدِي حَتّٰى تَقُومَ السَّاعَةُ وَمَا أُحِلَّ لِي فِيهَا إِلَّا سَاعَةً مِّنْ نَهَارٍ وَّهُوَ حَرَامٌ حَرَّمَهُ اللّٰهُ إِلٰى أَنْ تَقُومَ السَّاعَةُ لَا يُعْضَدُ شَوْكُهُ وَلَا يُخْتَلٰى خَلَاهُ وَلَا يُنَفَّرُ صَيْدُهُ.

''یہ شہر (مکہ) حرمت والا ہے، جس دن اللہ تعالیٰ نے آسمان وزمین کو پیدا کیا تھا، اسی دن اس کو حرمت والا قرار دیا تھا، چنانچہ اس کو اللہ تعالیٰ نے روز قیامت تک حرمت والا قرار دیا ہے، میرے علاوہ اور میرے بعد کسی کے لیے اس کے اندر لڑائی کرنا قیامت تک جائز نہیں، میرے لیے بھی دن کے کچھ حصے میں حلال کیا گیا ہے، اس کو اللہ تعالیٰ نے قیامت آنے تک حرمت والا قرار دیا ہے، نہ اس کے کانٹے کاٹے جائیں، نہ اس کی گھاس کاٹی جائے اور نہ ہی اس کا

شکار بھگایا جائے۔''

(صحیح البخاري : 1834، صحیح مسلم : 1353، المُنتقی لابن الجارود : 509)

یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ابن خطل کو قتل کرنے کا حکم استثنائی ہو۔

❁ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

لَمَّا كَانَ يَوْمُ فَتْحِ مَكَّةَ أَمَّنَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ النَّاسَ، إِلَّا أَرْبَعَةَ نَفَرٍ وَامْرَأَتَيْنِ وَقَالَ : اقْتُلُوهُمْ، وَإِنْ وَجَدْتُمُوهُمْ مُتَعَلِّقِينَ بِأَسْتَارِ الْكَعْبَةِ، عِكْرِمَةُ بْنُ أَبِي جَهْلٍ وَعَبْدُ اللّٰهِ بْنُ خَطَلٍ وَمَقِيسُ بْنُ صُبَابَةَ وَعَبْدُ اللّٰهِ بْنُ سَعْدِ بْنِ أَبِي السَّرْحِ .

''جس دن مکہ فتح ہوا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب لوگوں کو 'امان' دے دی، سوائے چار مردوں اور دو عورتوں کے، نیز فرمایا: انہیں ہر صورت قتل کر دیں، خواہ یہ غلاف کعبہ کے ساتھ چمٹے ہوئے ملیں۔ (وہ چار مرد یہ تھے:) عکرمہ بن ابی جہل، عبداللہ بن خطل، مقیس بن صبابہ اور عبداللہ بن سعد بن ابی السرح۔''

(سنن أبي داود : 2683، سنن النّسائي : 4067، وسندهٗ حسنٌ)

سوال: سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

سَأَلَتْ أُمِّي أَبِي بَعْضَ الْمَوْهِبَةِ لِي مِنْ مَّالِهٖ، ثُمَّ بَدَا لَهٗ، فَوَهَبَهَا لِي، فَقَالَتْ : لَا أَرْضٰى حَتّٰى تُشْهِدَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَخَذَ بِيَدِي وَأَنَا غُلَامٌ، فَأَتٰى بِيَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ،

فَقَالَ : إِنَّ أُمَّهُ بِنْتَ رَوَاحَةَ سَأَلَتْنِي بَعْضَ الْمَوْهِبَةِ لِهٰذَا، قَالَ : أَلَكَ وَلَدٌ سِوَاهُ؟، قَالَ : نَعَمْ، قَالَ : فَأُرَاهُ قَالَ : لَا تُشْهِدْنِي عَلٰى جَوْرٍ .

''میری والدہ نے میرے والد سے مطالبہ کیا کہ مجھے اپنے مال سے کوئی چیز ہبہ کریں۔ (پہلے تو انہوں نے انکار کیا) بعد میں راضی ہو گئے اور مجھے وہ چیز ہبہ کردی۔ والدہ نے کہا: جب تک آپ نبی کریم ﷺ کو اس معاملہ میں گواہ نہیں بنا لیتے، میں راضی نہیں ہوں گی۔ چنانچہ میرے والد میرا ہاتھ پکڑے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، میں ابھی نوعمر تھا۔ میرے والد نے آپ ﷺ سے عرض کیا: اس لڑکے کی والدہ (عمرہ) بنتِ رواحہ کہتی ہیں کہ میں اس لڑکے کو ایک چیز ہبہ کروں۔ آپ ﷺ نے پوچھا: اس کے علاوہ بھی آپ کی کوئی اولاد ہے؟ عرض کیا: جی ہاں! نعمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میرا خیال ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس وقت یوں فرمایا: مجھے ظلم پر گواہ مت بنائیں۔''

(صحيح البخاري : 2585، صحيح مسلم : 1623)

❁ صحیح مسلم (17/1623) کے الفاظ ہیں:

أَشْهِدْ عَلٰى هٰذَا غَيْرِي، ثُمَّ قَالَ : أَيَسُرُّكَ أَنْ يَّكُونُوا إِلَيْكَ فِي الْبِرِّ سَوَاءً؟ قَالَ : بَلٰى، قَالَ : فَلَا إِذًا .

''(نبی کریم ﷺ نے فرمایا:) اس پر کسی اور کو گواہ بنالیں۔ پھر فرمایا: کیا آپ کو یہ بات پسند ہے کہ آپ کی ساری اولاد برابر کی فرماں بردار ہو؟ عرض کیا: جی ہاں! فرمایا: تو پھر ایسا مت کریں۔''

«أَشْهِدْ عَلٰى هٰذَا غَيْرِي» کے الفاظ سے بعض نے یہ استدلال کیا ہے کہ جائیداد

کی تقسیم کے وقت اولاد میں برابری کرنا واجب نہیں، کیونکہ اگر یہ حرام ہوتا، تو نبی کریم ﷺ کسی دوسرے کو گواہ بنانے کا نہ فرماتے۔ اس کا کیا جواب ہے؟

(جواب): حدیث میں مختلف الفاظ وارد ہوئے ہیں، جن کا تقاضا یہ ہے کہ زندگی میں جائیداد تقسیم کی جائے، تو اولاد میں برابری کرنا واجب ہے، برابری نہ کرنا حرام، ناجائز اور ظلم ہے۔ «أَشْهِدْ عَلٰى هٰذَا غَيْرِي» کے الفاظ میں نبی کریم ﷺ نے گواہ بنانے کی اجازت نہیں دی، بلکہ یہ تہدید اور مذمت کے لیے فرمایا ہے کہ اگر آپ نے اس ظلم وزیادتی پر گواہ بنانا ہی ہے، تو کسی اور کو بنالیں، میں ظلم پر گواہ نہیں بنتا۔

کتاب وسنت میں اس کی کئی مثالیں ہیں۔

❀ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ (۷۵۱ھ) فرماتے ہیں:

قَوْلُهٗ : أَشْهِدْ عَلٰى هٰذَا غَيْرِي، فَإِنَّ هٰذَا لَيْسَ بِإِذْنٍ قَطْعًا؛ فَإِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَأْذَنُ فِي الْجَوْرِ وَفِيْمَا لَا يَصْلُحُ وَفِي الْبَاطِلِ، فَإِنَّهٗ قَالَ : «إِنِّي لَا أَشْهَدُ إِلَّا عَلٰى حَقٍّ»، فَدَلَّ ذٰلِكَ عَلٰى أَنَّ الَّذِي فَعَلَهٗ أَبُو النُّعْمَانِ لَمْ يَكُنْ حَقًّا، فَهُوَ بَاطِلٌ قَطْعًا، فَقَوْلُهٗ : «إِذَنْ أَشْهِدْ عَلٰى هٰذَا غَيْرِي» حُجَّةٌ عَلَى التَّحْرِيمِ، كَقَوْلِهٖ تَعَالٰى : ﴿اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ﴾، وَقَوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : إِذَا لَمْ تَسْتَحْيِ فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ، أَيِ الشَّهَادَةُ عَلٰى هٰذَا لَيْسَتْ مِنْ شَأْنِي وَلَا تَنْبَغِي لِي، وَإِنَّمَا هِيَ مِنْ شَأْنِ مَنْ يَّشْهَدُ عَلَى الْجَوْرِ وَالْبَاطِلِ وَمَا لَا يَصْلُحُ، وَهٰذَا فِي غَايَةِ الْوُضُوْحِ.

''نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان کہ اس پر میرے علاوہ کسی اور کو گواہ بنا لیں، قطعاً اس کی اجازت نہیں ہے، کیونکہ آپ ﷺ ہرگز ظلم، ناجائز اور باطل اُمور کی اجازت نہیں دے سکتے۔ آپ ﷺ خود یہ فرما رہے ہیں کہ میں صرف حق پر گواہ بنتا ہوں، اس سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ سیدنا نعمان رضی اللہ عنہ کے والد کا اقدام حق نہیں تھا، بلکہ کلی طور پر باطل تھا۔ آپ ﷺ کا یہ فرمان کہ جائیں اور میرے علاوہ کسی اور کو گواہ بنا لیں، اس فعل کے حرام ہونے کی دلیل ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ﴾ (حٰمٓ السجدة : 40) (جو مرضی کرو) اور آپ ﷺ کا ارشاد ہے: جب حیا ختم ہو جائے، تو جو دل میں آئے کرو۔ آپ کی مراد یہ تھی کہ اس معاملہ پر گواہی دینا میری شان کے لائق اور مناسب نہیں، بلکہ یہ ان لوگوں کا کام ہے جو ظلم و جور اور ناجائز و باطل اُمور پر گواہی دیتے ہیں۔ یہ بات بالکل واضح ہے۔''

(تہذیب السّنن : 5/192-193)

❀ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (۸۵۲ھ) فرماتے ہیں:

اَمَّا قَوْلُهٗ : إِنَّ قَوْلَهٗ : أَشْهِدْ، صِيغَةُ إِذْنٍ فَلَيْسَ كَذٰلِكَ، بَلْ هُوَ لِلتَّوْبِيخِ لِمَا يَدُلُّ عَلَيْهِ بَقِيَّةُ أَلْفَاظِ الْحَدِيثِ، وَبِذٰلِكَ صَرَّحَ الْجُمْهُورُ فِي هٰذَا الْمَوْضِعِ، وَقَالَ ابْنُ حِبَّانَ : قَوْلُهٗ : أَشْهِدْ، صِيغَةُ أَمْرٍ، وَالْمُرَادُ بِهٖ نَفْيُ الْجَوَازِ .

''ان کا یہ کہنا کہ نبی کریم ﷺ کا فرمان کہ [اس پر کسی اور کو] گواہ بنا لیں، اجازت ہے، درست نہیں۔ بلکہ یہ الفاظ ڈانٹ کے لیے ہیں، کیونکہ حدیث

کے بقیہ الفاظ اسی پر دلالت کرتے ہیں۔اس مقام پر جمہور نے اسی کی تصریح کی ہے۔امام ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ امر کا صیغہ ہے،مگراس سے مراد عدم جواز ہے۔“

(فتح الباري : 215/5)

سوال: سیدنا ماعز بن مالک اسلمی رضی اللہ عنہ سے زنا ہو گیا،انہوں نے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر اعتراف جرم کر لیا،تو انہیں زنا کی سزا میں رجم کر دیا گیا،ان کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَقَدْ تَابَ تَوْبَةً لَوْ قُسِمَتْ بَيْنَ أُمَّةٍ لَوَسِعَتْهُمْ .

”ماعز نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر وہ توبہ ایک جماعت میں تقسیم کر دی جائے،تو انہیں (بخشش کے لیے) وہ توبہ کافی ہو جائے۔“

(صحيح مسلم : 1695)

اسی طرح ایک غامدیہ عورت سے زنا ہوا،تو انہوں نے بھی اعتراف جرم کیا اور انہیں رجم کر دیا گیا،ان کے متعلق بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهٖ لَقَدْ تَابَتْ تَوْبَةً لَوْ تَابَهَا صَاحِبُ مَكْسٍ لَغُفِرَ لَهٗ .

”اس ذات کی قسم،جس کے ہاتھ میں میری جان ہے،اس (غامدیہ) عورت نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر یہ توبہ کوئی ٹیکس خور بھی کرتا،تو اسے معاف کر دیا جاتا۔“

(صحيح مسلم : 1695)

جب سیدنا ماعز بن مالک رضی اللہ عنہ اور غامدیہ عورت کی توبہ قبول ہو گئی اور ان کا گناہ معاف

ہو گیا، تو انہوں نے زنا کا اعتراف کر کے خود پر حد نافذ کیوں کروائی، حالانکہ انہیں مقصود تو حاصل ہو گیا تھا؟

(جواب): سیدنا ماعز بن مالک اسلمی رضی اللہ عنہ اور غامدیہ عورت نے سچے دل سے توبہ کی، مگر انہیں اس بات کی کوئی گارنٹی نہیں تھی کہ اس توبہ سے ان کا گناہ معاف ہو چکا ہے اور روز قیامت انہیں اس بارے میں پوچھ گچھ ہوگی یا نہیں ہوگی۔

البتہ یہ یقینی بات ہے کہ جس پر دنیا میں حد نافذ ہو جائے، اسے اس جرم کے متعلق باز پرس نہیں ہوگی، کیونکہ وہ اپنے گناہ کی سزا دنیا میں ہی لے چکا ہے۔

❁ سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

كُنَّا عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي مَجْلِسٍ فَقَالَ : تُبَايِعُونِي عَلٰى أَنْ لَّا تُشْرِكُوا بِاللّٰهِ شَيْئًا وَّلَا تَسْرِقُوا وَلَا تَزْنُوا، قَرَأَ عَلَيْهِمُ الْآيَةَ، فَمَنْ وَفٰى مِنْكُمْ فَأَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ، وَمَنْ أَصَابَ مِنْ ذٰلِكَ شَيْئًا فَعُوقِبَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ، وَمَنْ أَصَابَ مِنْ ذٰلِكَ شَيْئًا فَسَتَرَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ فَهُوَ إِلَى اللّٰهِ إِنْ شَاءَ غَفَرَ لَهٗ وَإِنْ شَاءَ عَاقَبَهٗ .

”ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں موجود تھے کہ آپ نے فرمایا: آپ اس بات پر میری بیعت کریں کہ اللہ کے ساتھ شرک نہیں کریں گے، چوری نہیں کریں گے اور زنا نہیں کریں گے، آپ نے ان کے سامنے آیت بھی تلاوت کی، جو اس بیعت کو پورا کرے گا، اس کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے اور جو ان میں سے کسی

گناہ کا مرتکب ہوا اور اسے سزا بھی مل گئی، تو وہ (سزا) اس کا کفارہ بن جائے گی، جو ان میں سے کسی گناہ کا مرتکب ہوا اور اللہ تعالیٰ نے اس پر پردہ ڈال دیا، تو اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے، خواہ اسے سزا دے، خواہ معاف کر دے۔‘‘

(صحيح البخاري : 4894، صحيح مسلم : 1709، المُنتقى لابن الجارود : 803)

سیدنا ماعز بن مالک اسلمی رضی اللہ عنہ اور غامدیہ صحابیہ نے آخرت کو دنیا پر ترجیح دی، اپنی آخرت کو بچاتے ہوئے اعتراف جرم کیا اور خود پر حد نافذ کرائی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس جذبہ صادقہ اور پختہ توبہ کو قبول فرما لیا۔ یہ ایسی سچی توبہ تھی کہ ٹیکس خور جیسا مجرم بھی یہ توبہ کر لے، تو اللہ تعالیٰ اسے معاف کر دے اور یہ ایسی توبہ تھی کہ اگر گناہ گاروں کی ایک جماعت میں بھی تقسیم کر دی جائے، تو ان سب کو بھی معافی مل جائے۔

سوال: سیدنا ابو ہریرہ اور سیدنا زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ عَنِ الْأَمَةِ إِذَا زَنَتْ وَلَمْ تُحْصَنْ، فَقَالَ : إِنْ زَنَتْ فَاجْلِدُوْهَا، ثُمَّ إِنْ زَنَتْ فَاجْلِدُوهَا، ثُمَّ إِنْ زَنَتْ فَاجْلِدُوهَا، ثُمَّ إِنْ زَنَتْ فَبِيعُوهَا وَلَوْ بِضَفِيرٍ .

’’رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لونڈی کے متعلق پوچھا گیا، جو غیر شادی شدہ ہو اور زنا کر بیٹھے (تو اسے کیا سزا دی جائے۔) فرمایا: اگر وہ زنا کرے، تو اسے کوڑے ماریں، پھر زنا کرے، تو اسے کوڑے ماریں، پھر زنا کرے، تو کوڑے ماریں، پھر زنا کرے، تو بیچ دیں، خواہ رسی کے عوض ہی ہو۔‘‘

(صحيح البخاري : 6837، صحيح مسلم : 1703، المُنتقى لابن الجارود :821)

جس زانیہ لونڈی کو اپنے لیے پسند نہیں کرتا، تو اسے اپنے بھائی کے لیے کیونکر پسند کرتا

ہے، کیونکہ بھائی کے لیے بھی وہی پسند کرنا چاہیے،تو اپنے لیے پسند کرتا ہے؟

❀ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ، حَتّٰى يُحِبَّ لِأَخِيهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ .

”کوئی اس وقت تک (کامل الایمان) مؤمن نہیں ہوسکتا، جب تک اپنے (مسلمان) بھائی کے لیے وہی پسند نہ کرے، جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔“

(صحيح البخاري : 13، صحيح مسلم : 45)

(جواب): ایک لونڈی جو بار بار زنا کرے اور سزا دینے کے باوجود بھی زنا سے باز نہ آئے، تو اسے بیچنا سے بہتر کوئی حل نہیں، کیونکہ مالک نے اس کی اصلاح کی پوری کوشش کر لی ہے، وہ لونڈی عزت دار مالک کے لیے بھی عیب بن چکی ہے، اب یہی حل ہے کہ اسے کسی دوسرے شخص کو فروخت کر دیا جائے۔ وہ شخص اس کی اصلاح کرے، ممکن ہے کہ لونڈی اپنی فعل بد سے خود باز آ جائے، یا خریدنے والا اسے زبردستی روک لے، یا اس سے شادی کر لے اور وہ بدکاری سے بچ جائے۔ اگر دوسرے شخص کے پاس بھی وہ لونڈی زنا سے نہ رکے، تو وہ بھی تین چانس دے کر آگے فروخت کر دے، کسی نہ کسی کے پاس تو وہ اپنی اصلاح کر ہی لے گی۔ اصلاح کی اس سے بہتر کوئی صورت نہیں ہوسکتی۔ اگر زانیہ لونڈی ایک ہی شخص کے پاس رہے اور وہ اسے فروخت نہ کر سکے، تو لونڈی کے اصلاح کے مواقع نہ ہونے کے برابر ہیں، کیونکہ تین مرتبہ اصلاح کی کوشش کر چکا ہے، اب یہ فریضہ کوئی دوسرا مالک انجام دے، تو زیادہ بہتر اور کارآمد ہوگا۔

یہ حدیث محاسن اسلام میں سے ہے کہ اس میں لونڈی کے مالک کی عزت اور توقیر بھی قائم رکھی گئی ہے اور لونڈی کی اصلاح کی ہر ممکنہ کوشش بھی کی گئی ہے۔

سوال: سیدنا سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

إِنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَعَطَسَ رَجُلٌ عِنْدَهُ، فَقَالَ لَهُ: يَرْحَمُكَ اللّٰهُ ثُمَّ عَطَسَ أُخْرٰى، فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اَلرَّجُلُ مَزْكُومٌ.

"انہوں نے نبی کریم ﷺ کو سنا، آپ ﷺ کے پاس ایک شخص کو چھینک آئی، (اس نے الحمد للہ کہا، تو) آپ ﷺ نے اسے یرحمک اللہ کہا، اس نے پھر چھینک لی، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس شخص کو زکام ہوا ہے، (لہٰذا اسے دوبارہ یرحمک اللہ نہیں کہا)۔"

(صحیح مسلم: 2993)

جس شخص کو چھینک آئے، تو اس کے الحمد للہ کہنے کے جواب میں «يَرْحَمُكَ اللّٰهُ» "اللہ آپ پر رحم کرے۔" کہا جاتا ہے اور اگر اسے زکام ہو، تو اس کے جواب میں «يَرْحَمُكَ اللّٰهُ» "اللہ آپ پر رحم کرے۔" کیوں نہیں کہا جاتا، حالانکہ وہ بیمار ہے اور اسے دعا کی زیادہ ضرورت ہے؟

جواب: مریض اور زکام والے کے لیے چھینک کی دعا کے علاوہ دعائیں کرنی چاہیے، اسے عافیت اور سلامتی کی دعائیں دینی چاہیے، نیز زکام والا آدمی بار بار چھینک لیتا ہے، تو اسے بار بار جواب دینا مشکل ہے۔ اس لیے ایک یا دو مرتبہ جواب دے دیا جائے، تو کافی ہو جائے گا۔ باقی مجموعی طور پر اس کی صحت یابی کی دعا ضرور کرنی چاہیے۔

سوال: سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لَا يَقُولَنَّ اَحَدُكُمْ خَبُثَتْ نَفْسِي، وَلٰكِنْ لِيَقُلْ لَقِسَتْ نَفْسِي.

”خود کو خبیث النفس نہ کہیں، بلکہ یہ کہیں کہ میرا دل سخت ہو گیا ہے۔“

(صحيح البخاري : 6179، صحيح مسلم : 2250)

اس حدیث میں ”خبیث“ کہنے کی ممانعت آئی ہے، جبکہ نبی کریم ﷺ نے بعض لوگوں کے لیے ”خبیث“ کا لفظ استعمال کیا ہے۔

❀ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اَغْيَظُ رَجُلٍ عَلَى اللّٰهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَاَخْبَثُهٗ وَاَغْيَظُهٗ عَلَيْهِ، رَجُلٍ كَانَ يُسَمّٰى مَلِكَ الْاَمْلَاكِ، لَا مَلِكَ إِلَّا اللّٰهُ.

”روز قیامت اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے مبغوض اور خبیث شخص وہ ہوگا، جو ملک الاملاک نام رکھتا ہے، بادشاہوں کا بادشاہ صرف اللہ ہے۔“

(صحيح البخاري : 6205، صحيح مسلم : 2143، واللّفظ لهٗ)

❀ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

يَعْقِدُ الشَّيْطَانُ عَلٰى قَافِيَةِ رَأْسِ أَحَدِكُمْ إِذَا هُوَ نَامَ ثَلَاثَ عُقَدٍ، يَضْرِبُ كُلَّ عُقْدَةٍ، عَلَيْكَ لَيْلٌ طَوِيلٌ، فَارْقُدْ، فَإِنِ اسْتَيْقَظَ فَذَكَرَ اللّٰهَ، انْحَلَّتْ عُقْدَةٌ، فَإِنْ تَوَضَّأَ، انْحَلَّتْ عُقْدَةٌ، فَإِنْ صَلّٰى، انْحَلَّتْ عُقْدَةٌ، فَأَصْبَحَ نَشِيطًا طَيِّبَ النَّفْسِ، وَإِلَّا أَصْبَحَ خَبِيثَ النَّفْسِ كَسْلَانَ.

”انسان جب سو جاتا ہے، تو شیطان اس کے سر کی پچھلی جانب تین گرہیں لگا دیتا ہے، ہر گرہ پر یہ پھونکتا ہے کہ سو جا! لمبی رات ہے۔ اگر وہ جاگ کر ذکر کرنے لگے، تو ایک گرہ کھل جاتی ہے۔ وضو کرے، تو دوسری اور نماز پڑھ لے،

تو تیسری بھی کھل جاتی ہے۔ پھر وہ صبح کو ہشاش بشاش ہوتا ہے، ورنہ سستی و کاہلی اس پر چھائی رہتی ہے۔“

(صحيح البخاري : 1142، صحيح مسلم : 776)

جواب: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود کو ”خبیث النفس“ کہنے سے منع فرمایا ہے اور جن لوگوں کے لیے ”خبیث“ کا لفظ بولا ہے، وہ ان کی بری خصلت کو بیان کرنے کے لیے ہے، پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو متعین کر کے ”خبیث“ نہیں کہا، بلکہ عمومی طور پر ہر اس شخص کو کہا ہے، جس میں یہ بری خصلت پائی جاتی ہے۔

اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے متعین کر کے لعنت کرنے سے منع فرمایا ہے۔

❀ سیدنا ثابت بن ضحاک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ لَعَنَ مُوْمِنًا فَهُوَ كَقَتْلِهِ، وَمَنْ قَذَفَ مُوْمِنًا بِكُفْرٍ فَهُوَ كَقَتْلِهِ .

”مومن پر لعن طعن کرنا اور اس پر کفر کی تہمت لگانا اسے قتل کرنے کے مترادف ہے۔“

(صحيح البخاري : 6047)

جبکہ متعین کیے بغیر کئی حرام کاموں کے مرتکب پر لعنت کی بھی ہے، مثلاً:

سود کھانے، کھلانے، لکھنے اور گواہ بننے والے پر لعنت کی ہے، اسی طرح حلالہ کرنے والے اور جس کے لیے حلالہ کیا جا رہا ہے، دونوں پر لعنت فرمائی ہے، نیز مردوں کی مشابہت اختیار کرنے والی عورتوں اور عورتوں کی مشابہت اختیار کرنے والے مردوں پر لعنت فرمائی ہے، وغیرہ وغیرہ۔ اس بارے میں کئی احادیث صحیحہ وارد ہیں۔

سوال: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَلدُّنْيَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ، وَجَنَّةُ الْكَافِرِ .

''دنیا مؤمن کا قید خانہ اور کافر کی جنت ہے۔''

(صحیح مسلم: 2956)

ہم کئی مؤمنوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ عیش وعشرت اور خوشحالی کی زندگی بسر کر رہے ہیں اور کئی کافر ایسے ہیں، جو غربت اور افلاس کی زندگی بسر کر رہے ہیں، پھر اس حدیث کا کیا مفہوم ہے؟

جواب: حدیث کے دو مفہوم بیان کیے گئے ہیں:

① مؤمن کے لیے دنیا قید خانہ اس اعتبار سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آخرت میں مؤمن کے لیے بڑے بڑے انعامات تیار کیے ہیں، تو مؤمن ان عظیم اور کبھی نہ ختم ہونے والی نعمتوں کے انتظار میں رہتا ہے اور دنیا کو قید خانہ سمجھتا ہے، جس طرح ایک قیدی آزادی اور خلاصی کی خواہش رکھتا ہے، اسی طرح مؤمن دنیا کی عارضی نعمتوں کے بجائے آخرت کی لازوال نعمتوں کا شوق رکھتا ہے، گویا یہ دنیا خواہ کتنی ہی عیش وعشرت میں گزر رہی ہو، اس کے لیے اُخروی نعمتوں کے مقابلہ میں قید خانہ ہی ہے۔

کافر کا معاملہ اس کے برعکس ہے، وہ دنیا میں عیش کر رہا ہو یا غربت اور افلاس سے گزر رہا ہو، اس کے لیے آخرت میں عذاب ہی عذاب ہے، گویا وہ اپنی دنیا کو ہی جنت سمجھ رہا ہے، کیونکہ اگر دنیا میں اسے غربت سے بھی گزرنا پڑے، کم سے کم اسے آخرت کے سخت اور نہ ختم ہونے والے عذاب سے تو خلاصی ملی ہوئی ہے۔

② دوسرا معنی یہ ہے کہ دنیا میں مؤمن کئی حرام اور ناجائز خواہشات سے رکتا ہے، جو آخرت میں اس کے لیے حلال ہونے والی ہیں، تو جس طرح قیدی پر کئی نعمتیں اور آرائشیں بند کی گئی ہوتی ہے، آزادی کے بعد وہ ان نعمتوں سے لطف اندوز ہوتا ہے، تو

مؤمن بھی دنیا کی عارضی زندگی میں کئی حرام اور مکروہ نفسانی اور مالی خواہشات پر کنٹرول کرتا ہے بالکل جیل کے قیدی کی طرح، جیسے ہی مؤمن دنیا سے رخصت ہوتا ہے، اس پر لگائی گئی شرعی پابندیاں ختم ہو جاتی ہیں اور وہ دارالتکلیف سے دارالجزاء کی طرف چلا جاتا ہے، اب وہ شرعی پابندیوں سے بالکل آزاد ہو جاتا ہے اور آخرت کی ہمیشہ رہنے والی نعمتوں سے لطف اندوز ہوتا ہے۔

جبکہ کافر دنیا میں کسی جائز و ناجائز کی پرواہ نہیں کرتا، وہ خود کو آزاد سمجھتا ہے اور اسی طرح دنیا سے فائدہ اٹھاتا ہے، جس طرح مؤمن جنت میں بغیر کسی روک ٹوک کے اٹھائیں گے، لیکن آخرت میں وہ ہر طرح کی نعمتوں سے محروم ہوگا، اس کے لیے صرف سزائیں اور ابتلائیں ہی ہوں گی، وہ بھی کبھی نہ ختم ہونے والی۔

سوال: سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

أَمَّا أَوَّلُ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ فَنَارٌ تَحْشُرُهُمْ مِنَ الْمَشْرِقِ إِلَى الْمَغْرِبِ .

”قیامت کی پہلی نشانی آگ ہوگی، جو لوگوں کو مشرق سے مغرب کی طرف (دھکیل کر) اکھٹا کرے گی۔“

(صحيح البخاري : 3938)

جبکہ اس کے معارض حدیث میں آگ کو آخری نشانی قرار دیا گیا ہے؟

❀ سیدنا حذیفہ بن اسید غفاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ہاں تشریف لائے، ہم آپس میں مذاکرہ کر رہے تھے، آپ نے پوچھا: کیا مذاکرہ چل رہا ہے؟ حاضرین نے عرض کیا: قیامت کے متعلق گفتگو کر رہے ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّهَا لَنْ تَقُومَ حَتّٰى تَرَوْنَ قَبْلَهَا عَشْرَ آيَاتٍ، فَذَكَرَ الدُّخَانَ،

وَالدَّجَّالَ، وَالدَّابَّةَ، وَطُلُوعَ الشَّمْسِ مِنْ مَغْرِبِهَا، وَنُزُولَ عِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَيَأْجُوجَ وَمَأْجُوجَ، وَثَلَاثَةَ خُسُوفٍ ؛ خَسْفٌ بِالْمَشْرِقِ، وَخَسْفٌ بِالْمَغْرِبِ، وَخَسْفٌ بِجَزِيرَةِ الْعَرَبِ، وَآخِرُ ذٰلِكَ نَارٌ تَخْرُجُ مِنَ الْيَمَنِ، تَطْرُدُ النَّاسَ إِلٰى مَحْشَرِهِمْ .

”قیامت تب تک قائم نہیں ہوگی، جب تک دس نشانیاں ظاہر نہ ہو جائیں، پھر آپ ﷺ نے دھواں، دجال، دابۃ الارض، سورج کا مغرب سے طلوع ہونا، نزول عیسیٰ، یاجوج ماجوج کا خروج، تین مقامات سے خسف (زمین کا نیچے دھنس جانا)، مشرق کا خسف، مغرب کا خسف، جزیرہ عرب کا خسف اور ان سب سے آخری نشانی یہ ہے کہ یمن سے آگ نکلے گی، جو لوگوں کو ان کے محشر کی طرف ہانک لائے گی۔“

(صحیح مسلم :2901)

جواب: جو نشانی قیامت کے عین وقوع کے وقت رونما ہوں گی، ان میں سب سے پہلی نشانی آگ کا نکلنا ہے۔

جبکہ قیامت سے پہلے دیگر کئی نشانیاں رونما ہوں گی، مگر وہ وقوع قیامت سے متصل نہیں ہوں گی، بلکہ قیامت کے وقوع اور ان نشانیوں کے ظہور میں فاصلہ ہوگا، کتنا فاصلہ ہوگا، یہ تو اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے، جبکہ آگ کا نکلنا ان نشانیوں میں سے ہے، جو وقوع قیامت سے متصل ہوں گی۔

یوں تمام احادیث میں جمع و تطبیق ہو جائے گی۔

سوال: سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

أَوَّلُ مَنْ يُكْسٰى يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِبْرَاهِيمُ .

''روز قیامت سب سے پہلے ابراہیم علیہ السلام کو لباس پہنایا جائے گا۔''

(صحيح البخاري : 3349، صحيح مسلم : 2860)

اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ مخلوق میں سب سے پہلے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو لباس پہنایا جائے گا، جبکہ اس دن اولاد آدم کے سردار تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہوں گے؟

❁ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

أَنَا سَيِّدُ وَلَدِ آدَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَأَوَّلُ مَنْ يَنْشَقُّ عَنْهُ الْقَبْرُ، وَأَوَّلُ شَافِعٍ وَأَوَّلُ مُشَفَّعٍ .

''روز قیامت اولاد آدم کا سردار میں ہوں گا، سب سے پہلے میری قبر کھولی جائے گی، سب سے پہلے میں شفاعت کروں گا اور سب سے پہلے میری شفاعت ہی قبول ہوگی۔''

(صحيح البخاري : 4712، صحيح مسلم : 2278، واللّفظ لهٗ)

نیز محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو تمام انبیا سے افضل ہیں، پھر سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو یہ امتیاز کیسے حاصل ہو گیا؟ اس اشکال کا کیا جواب ہے؟

جواب: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی افضلیت مطلق طور پر ہے، جزوی طور پر کسی نبی کو محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر فضیلت ہو سکتی ہے، مگر علی الاطلاق افضل نبی محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، اسی طرح روز قیامت سرداری اور فوقیت بھی محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے، مگر جزوی طور پر کسی نبی کو امتیاز حاصل ہو جانا مانع نہیں۔

سوال: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

قَدْ رَأَيْتُنِي فِي جَمَاعَةٍ مِّنَ الْأَنْبِيَاءِ، فَإِذَا مُوسٰى قَائِمٌ يُصَلِّي، فَإِذَا رَجُلٌ ضَرْبٌ جَعْدٌ كَأَنَّهٗ مِنْ رِجَالِ شَنُوءَةَ، وَإِذَا عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَائِمٌ يُصَلِّي، أَقْرَبُ النَّاسِ بِهٖ شَبَهًا عُرْوَةُ بْنُ مَسْعُودٍ الثَّقَفِيُّ، وَإِذَا إِبْرَاهِيمُ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَائِمٌ يُصَلِّي، أَشْبَهُ النَّاسِ بِهٖ صَاحِبُكُمْ -يَعْنِي نَفْسَهٗ- فَحَانَتِ الصَّلَاةُ فَأَمَمْتُهُمْ.

”میں انبیاء کی جماعت کے پاس گیا۔ موسیٰ علیہ السلام نماز ادا فرما رہے تھی، وہ متناسب جسم تھے، جیسے قبیلہ (ازدِ) شنوءہ میں سے ہوں۔ عیسیٰ بن مریم علیہما السلام بھی کھڑے نماز پڑھ رہے تھے، آپ سب سے زیادہ عروہ بن مسعود ثقفی کے مشابہ تھے۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام بھی نماز ادا کر رہے تھے، ان کی شکل وصورت مجھ سے ملتی تھی، اتنے میں نماز کا وقت ہوا، تو میں نے تمام انبیا کو امامت کرائی۔“

(صحیح مسلم : 172)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا موسیٰ، سیدنا عیسیٰ اور سیدنا ابراہیم علیہم السلام کو نماز پڑھتے دیکھا، پھر تمام انبیا کو امامت بھی کرائی، پھر ان سے آسمانوں پر ملاقات بھی کی، ایک ہی سفر میں مختلف جگہ ملاقات کیسی ہوئی؟

جواب: معراج نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حقیقی معجزہ ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی نشانی ہے، ایک ہی شخص سے مختلف جگہ پر ملاقات کرانا اللہ تعالیٰ کی قدرت سے باہر نہیں، اس پر ایمان بالغیب ضروری ہے، اس کی صحیح کیفیت اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے۔

فتاویٰ امن پوری (قسط ۳۸۰)

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

سوال: سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ، وَهُوَ فِي قُبَّةٍ يَوْمَ بَدْرٍ : اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَنْشُدُكَ عَهْدَكَ وَوَعْدَكَ ....

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بدر کے دن خیمہ میں دعا کر رہے تھے: اللہ! میں تجھے تیرے عہد اور وعدے کا واسطہ دیتا ہوں ......۔“

(صحيح البخاري : 4875)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی مدد کا وعدہ کیا ہوا ہے، تو پھر اسے دعا میں ذکر کرنے کا مطلب؟

جواب: بلا شبہ اللہ تعالیٰ نے مؤمنوں سے نصرت اور تائید کا وعدہ کیا تھا اور یہ بات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی بخوبی جانتے تھے، مگر اپنی عاجزی اور کمزوری کا اعتراف کرنا اور اللہ تعالیٰ سے مدد کی دعا کرتے رہنا بھی عبادت ہے۔ یہ بندگی کا تقاضا تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور دعا میں اس کے وعدہ کا وسیلہ اور واسطہ دیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے نصرت اور تائید کا وعدہ ایسے پورا کیا کہ ناممکن کو ممکن بنا دیا، مسلمانوں کو فتح مبین سے ہمکنار کیا اور کافروں کو شکست فاش سے دوچار کیا۔

سوال: سیّدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں :

لَمَّا حُضِرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ، وَفِي الْبَيْتِ رِجَالٌ فِيهِمْ عُمَرُ بْنُ الخَطَّابِ، قَالَ: هَلُمَّ أَكْتُبْ لَكُمْ كِتَابًا لَّنْ تَضِلُّوا بَعْدَهٗ، قَالَ عُمَرُ: إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَلَبَهُ الْوَجَعُ وَعِنْدَكُمُ القُرْآنُ فَحَسْبُنَا كِتَابُ اللّٰهِ، وَاخْتَلَفَ أَهْلُ الْبَيْتِ وَاخْتَصَمُوا، فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُولُ: قَرِّبُوا يَكْتُبْ لَكُمْ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كِتَابًا لَّنْ تَضِلُّوا بَعْدَهٗ، وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُولُ مَا قَالَ عُمَرُ، فَلَمَّا أَكْثَرُوا اللَّغَطَ وَالِاخْتِلَافَ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: قُومُوا عَنِّي.

”نبی کریم ﷺ کی وفات کا وقت قریب ہوا، تو اس وقت گھر میں سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سمیت کچھ لوگ موجود تھے، آپ ﷺ نے فرمایا: قلم کاغذ لائیں، میں تحریر کردوں، جس کے بعد آپ کبھی نہیں بھولیں گے۔ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کہنے لگے: رسول اللہ ﷺ پر تکلیف کا غلبہ ہے اور قرآن موجود ہے، سو، ہمیں قرآن وحدیث ہی کافی ہے۔ گھر میں موجود لوگوں نے اختلاف کیا اور بحث مباحثہ ہونے لگا، کچھ کہہ رہے تھے کہ (قلم کاغذ) دیں، تاکہ آپ ﷺ تحریر فرمادیں، جس کے بعد آپ بھولیں گے نہیں، کچھ کہہ رہے تھے، رہنے دیجئے آپ ﷺ تکلیف میں ہیں۔ جب اختلاف نے شدت اختیار کرلی، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرے پاس سے اُٹھ جائیں۔“

(صحيح البخاري: 7366، صحيح مسلم: 1637)

❁ ایک روایت کے الفاظ ہیں:

قُومُوا عَنِّي، وَلَا يَنْبَغِي عِنْدِي التَّنَازُعُ .

”یہاں سے چلے جائیں، میری موجودگی میں اختلاف مناسب نہیں۔“

(صحيح البخاري : 114)

جب نبی کریم ﷺ نے لکھنے کا حکم دیا، تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس میں اختلاف کیوں کیا؟

جواب: قرائن اور دیگر دلائل سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کا یہ حکم استحبابی تھا، جس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اختلاف کیا، اختلاف اس معاملہ میں ہوا کہ کیا نبی کریم ﷺ کو قلم وقرطاس دینی چاہیے یا نہیں؟

بعض صحابہ کہتے تھے کہ نبی کریم ﷺ پر تکلیف کا غلبہ ہے، ہمارے پاس کتاب وسنت کی تعلیمات موجود ہیں، جب آپ ﷺ وحی کے ابلاغ کا فریضہ بہ طریق احسن نبھا چکے ہیں، دین مکمل ہو چکا ہے، موت کے صبر آزما لمحوں نے جانثاروں کے دیدے نمناک کر رکھے ہوں گے، کبھی بہہ جاتے ہوں گے، پھر صبر سے تھم جاتے ہوں گے۔

وقت کی اسی نزاکت کو مدنظر رکھتے ہوئے سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

«حَسْبُنَا كِتَابُ اللّٰهِ» ”ہمیں قرآن وسنت ہی کافی ہے۔“

چاہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو لکھنے کی زحمت کیوں دیں، جبکہ وحی تو آپ پہنچا چکے، بعض صحابہ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی اس بات کی موافقت کی، دوسرے بعض اختلاف کرنے لگے۔ اختلاف کرنے والوں کا کہنا تھا ”أَهَجَرَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ“ کاغذ قلم دینا چاہئے، یہ مریض کی بے ربط گفتگو نہیں ہے، بلکہ رسول اللہ ﷺ واقعی کچھ لکھنا چاہتے ہیں۔

دوسرے صحابہ دینے کے حق میں نہیں تھے، ان کا کہنا تھا کہ رسول اللہ ﷺ تکلیف

میں ہیں۔ اتنے میں نبی کریم ﷺ کی آواز آتی ہے، کاغذ قلم رہنے دیجئے اور فی الحال یہاں سے چلے جائیے، میری موجودگی میں اختلاف مناسب نہیں۔

مرض الموت کی شدت کا بیان سیدنا عباس اور سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما ہر دو نے کیا ہے، اسی بنا پر سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اجتہاداً کہہ دیا کہ ہمارے لئے قرآن وحدیث کافی ہے اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا یہ اجتہاد درست تھا، کیوں کہ وحی پہنچانا رسول اللہ ﷺ کے فرائض میں شامل ہے، اب اگر یہ سوچا جائے کہ آپ ﷺ نے کوئی ایسی بات لکھنی تھی، جو پہلے نہیں بتائی تھی، تو رسول اللہ ﷺ پر اعتراض ہوگا کہ آپ رضی اللہ عنہما نے وحی پہنچائی ہی نہیں، لہٰذا یہ ماننا ضروری ہے کہ آپ ﷺ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی رائے کو قبول کیا اور لکھنے کا ارادہ ترک کر دیا۔

لہٰذا اس حدیث میں سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی تنقیص کا کوئی پہلو نہیں بلکہ یہ حدیث ان کی عظمت کا استعارہ ہے، کیوں کہ نبی کریم ﷺ نے ان کی موافقت فرمائی اور لکھنے کا ارادہ ترک کر دیا۔

روافض کا یہ کہنا کہ نبی کریم ﷺ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خلافت رکھنا چاہتے تھے، باطل اور بے دلیل دعویٰ ہے۔

سوال: سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

كَانَتِ الْمُتْعَةُ فِي الْحَجِّ لِأَصْحَابِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَاصَّةً .

”حج میں تمتع کی رخصت خاص اصحاب محمد ﷺ کے لیے تھی۔“

(صحیح مسلم : 1224)

کیا حج تمتع کرنا جائز نہیں؟

(جواب): حج تمتع کا مطلب یہ ہے کہ حج سے پہلے عمرہ کا احرام باندھنا، عمرہ مکمل کرنے کے بعد احرام کھول دینا، پھر حج کے آغاز کے وقت دوبارہ احرام باندھنا۔

حج تمتع جائز اور مشروع ہے۔ قرآن کریم، احادیث متواترہ اور اجماع اُمت اس پر دلالت کناں ہیں۔

سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ کی مراد یہ ہوگی کہ حج کی نیت کو عمرہ کی نیت میں بدلنا ہم صحابہ کے لیے جائز تھا، کسی اور کے لیے جائز نہیں۔ یہ سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ کا ذاتی اجتہاد تھا، جو دیگر صحابہ کرام اور تابعین عظام کے متفقہ فہم کے خلاف ہے، یہ اجتہاد مرجوح ہے، اسے چھوڑ دیا جائے گا۔

آج بھی اگر کوئی حج کی نیت کو عمرہ کی نیت سے بدل دے اور حج تمتع کرے، تو اس کے لیے جائز ہے، قرآن کریم نے حج تمتع کو کسی کے لیے خاص نہیں کیا، بلکہ یہ اجازت ہر ایک کے لیے عام ہے۔

❀ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ......﴾ (البقرة : ١٩٦)

”جو عمرہ سے حج تک فائدہ اٹھائے......۔“

❀ حافظ ابن ملقن رحمہ اللہ (٨٠٤ھ) فرماتے ہیں:

هٰذَا عَامٌّ، وَأَجْمَعَ الْمُسْلِمُونَ عَلٰى إِبَاحَةِ التَّمَتُّعِ فِي جَمِيعِ الْأَعْصَارِ .

”یہ آیت عام ہے اور مسلمانوں کا اجماع ہے کہ حج تمتع سارے کے سارے زمانوں میں جائز ہے۔“

(التّوضیح: 232/11)

سوال: سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

مَا كَانَ لِإِحْدَانَا إِلَّا ثَوْبٌ وَّاحِدٌ تَحِيضُ فِيهِ، فَإِنْ أَصَابَهُ شَيْءٌ مِنْ دَمٍ بَلَّتْهُ بِرِيقِهَا، ثُمَّ قَصَعَتْهُ بِرِيقِهَا .

”ہمارے پاس فقط ایک کپڑا ہوا کرتا تھا، اسی میں ماہواری آتی، اسے خون لگ جاتا، تو تھوک کے ساتھ گیلا کر کے (ناخن سے) کھرچ دیتی تھیں۔“

(صحيح البخاري : 312، سنن أبي داوٗد : 358، واللّفظ لهٗ، وسندهٗ صحيحٌ)

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ ازواج مطہرات کے پاس ایک ایک ہی کپڑا ہوتا تھا، جس میں حیض کے ایام بھی گزارتی تھیں، جبکہ اس کے معارض حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ حیض کا لباس الگ ہوتا تھا؟

❀ ام المومنین، سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

بَيْنَا أَنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، مُضْطَجِعَةٌ فِي خَمِيصَةٍ، إِذْ حِضْتُ، فَانْسَلَلْتُ، فَأَخَذْتُ ثِيَابَ حَيضَتِي، قَالَ : أَنُفِسْتِ؟ قُلْتُ : نَعَمْ، فَدَعَانِي، فَاضْطَجَعْتُ مَعَهٗ فِي الْخَمِيلَةِ .

”میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چادر میں لیٹی تھی کہ مجھے حیض آ گیا۔ میں چپکے سے کھسکی اور اپنے حیض والے کپڑے پکڑے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا آپ کو حیض آ گیا ہے؟ عرض کیا: جی ہاں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بلایا اور میں آپ کے ساتھ چادر میں لیٹ گئی۔“

(صحيح البخاري : 296، صحيح مسلم : 296)

جواب: سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کا تعلق مدینہ کے ابتدائی ایام سے ہے، جب

ابھی فتوحات زیادہ نہیں ہوئی تھیں اور مسلمانوں کے حالات سخت تھے۔انہیں بمشکل ایک ایک کپڑا میسر تھا۔

جب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتوحات سے نوازا، تو حالات میں قدرے آسودگی آئی، ازواج مطہرات نے بھی ایک سے زائد کپڑے بنا لیے، سیدہ اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کا تعلق آسودہ حالی کے بعد والے ایام سے ہے۔

یوں احادیث میں تعارض ختم ہوا، وباللہ التوفیق!

سوال: فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِنْ كُنَّ أُولَاتِ حَمْلٍ فَأَنْفِقُوا عَلَيْهِنَّ حَتّٰى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ﴾

(الطّلاق : ٦)

''اگر عورتیں حاملہ ہوں، تو وضع حمل تک ان پر خرچ کرتے رہو۔''

یہاں حاملہ عورتوں کی تخصیص کرنے کا کیا مطلب؟ جبکہ دیگر عورتوں کا نفقہ بھی شوہر کے ذمہ ہی ہوتا ہے؟

جواب: یہاں ان حاملہ عورتوں کا نفقہ بیان کیا جا رہا ہے، جنہیں طلاق دے دی گئی ہے۔ ہر حاملہ کا نفقہ بیان نہیں کیا جا رہا۔

جس غیر حاملہ کو طلاق بتہ دے دی جائے، اس کا نفقہ شوہر کے ذمہ نہیں ہوتا، طلاق بتہ کی صورت میں صرف حاملہ کا نفقہ بذمہ شوہر ہے۔

❀ سیدہ فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کو تین طلاقیں ہوئیں، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا نَفَقَةَ لَكِ إِلَّا أَنْ تَكُونِي حَامِلًا .

''آپ کے لیے کوئی نفقہ نہیں ہے، الا کہ آپ حاملہ ہوتیں۔''

(سنن أبي داود : 2290، وسندہٗ صحيحٌ)

❁ زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں

الْمَبْتُوتَةُ لَا تَخْرُجُ مِنْ بَيْتِهَا، حَتّٰى تَحِلَّ، وَلَيْسَتْ لَهَا نَفَقَةٌ، إِلَّا أَنْ تَكُونَ حَامِلًا، فَيُنْفَقُ عَلَيْهَا حَتّٰى تَضَعَ حَمْلَهَا .

”طلاقِ بتہ والی عورت عدت ختم ہونے تک گھر سے باہر نہیں نکلے گی۔ اس کے لیے نفقہ بھی نہیں ہوگا، ہاں حاملہ ہو، تو وضعِ حمل تک خرچہ شوہر کے ذمہ ہے۔“

(مؤطأ الإمام مالك : 837/4)

البتہ رجعی طلاق میں بھی دورانِ عدت تمام اخراجات اور رہائش بذمہ شوہر ہوتے ہیں۔

❁ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّمَا النَّفَقَةُ وَالسُّكْنٰى لِلْمَرْأَةِ إِذَا كَانَ لِزَوْجِهَا عَلَيْهَا الرَّجْعَةُ .

”رجعی طلاق میں ہی عورت کے لیے نفقہ وسکنی ہے۔“

(سنن النّسائي : 3403، وسندہٗ صحيحٌ)

اس پر مسلمانوں کا اجماع واتفاق ہے۔

❁ حافظ بغوی رحمہ اللہ (۵۱۶ھ) فرماتے ہیں:

لَا خِلَافَ بَيْنَ أَهْلِ الْعِلْمِ فِي الْمُعْتَدَّةِ الرَّجْعِيَّةِ أَنَّهَا تَسْتَحِقُّ النَّفَقَةَ، وَالسُّكْنٰى عَلٰى زَوْجِهَا .

”اہل علم کا اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ طلاقِ رجعی کی عدت گزارنے والی عورت کا نفقہ وسکنی خاوند کے ذمہ ہے۔“

(شرح السُّنّة : 302/9)

مذکورہ آیت میں حاملہ کا ذکر کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ طلاق رجعی میں نفقہ شوہر کے

ذمہ نہیں ہوگا، دراصل حاملہ کا ذکر اس لیے کیا گیا کہ حمل کی مدت کبھی کم ہوتی ہے اور کبھی زیادہ، لہٰذا لمبی مدت ہونے کی صورت میں کہیں شوہر نفقہ میں کوتاہی نہ کریں یا بالکل ہی ترک نہ کر دیں، اس لیے تنبیہ کے لیے صرف حاملہ کا ذکر کر دیا گیا۔

سوال: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

أُرْسِلَ مَلَكُ الْمَوْتِ إِلٰى مُوسٰى عَلَيْهِمَا السَّلَامُ، فَلَمَّا جَاءَهُ صَكَّهُ، فَرَجَعَ إِلٰى رَبِّهٖ، فَقَالَ : أَرْسَلْتَنِي إِلٰى عَبْدٍ لَا يُرِيدُ الْمَوْتَ، قَالَ : ارْجِعْ إِلَيْهِ فَقُلْ لَهٗ : يَضَعُ يَدَهٗ عَلٰى مَتْنِ ثَوْرٍ، فَلَهٗ بِمَا غَطَّتْ يَدُهٗ بِكُلِّ شَعَرَةٍ سَنَةٌ، قَالَ : أَيْ رَبِّ، ثُمَّ مَاذَا؟ قَالَ : ثُمَّ الْمَوْتُ، قَالَ : فَالْآنَ .

”ملک الموت کو سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی طرف بھیجا گیا، وہ آئے، تو سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے اس کو تھپڑ مارا، ملک الموت واپس جا کر کہنے لگے: اللہ! تو نے مجھے ایسے بندے کی طرف بھیجا ہے، جو مرنا نہیں چاہتا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ان کی طرف دوبارہ جاؤ اور ان سے کہو کہ اپنا ہاتھ بیل کی جلد پر رکھے، تو جتنے بال ان کے ہاتھ میں آئیں گے، ہر بال کے بدلے ایک سال عمر بڑھا دی جائے گی۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: میرے رب! پھر اس کے بعد کیا ہوگا؟ فرمایا: موت، تو موسیٰ علیہ السلام نے کہا: پھر تو ابھی موت دے دیجئے۔“

(مسند الإمام أحمد : 315/2، صحيح البخاري : 3407، صحيح مسلم : 2372)

بعض منکرین حدیث کہتے ہیں کہ یہ حدیث ضعیف ہے، کیونکہ اس میں سیدنا موسیٰ علیہ السلام اور ملک الموت کی توہین ہے، بھلا ایک پیغمبر فرشتے کو تھپڑ کیسے مار سکتا ہے اور وہ کیسے فرشتے

کی آنکھ پھوڑ سکتا ہے؟

(جواب): بعض اہل بدعت نے اس کے ظاہر سے دھوکہ کھایا اور اسے شرع اصولوں کے منافی خیال رکھا، جبکہ یہ حدیث بالاتفاق صحیح ثابت ہے۔ اس میں کسی الحاظ سے سیدنا موسیٰ علیہ السلام اور ملک الموت کی توہین و استخفاف کا کوئی پہلو نہیں، ذیل میں اس حدیث پر وارد تمام اعتراضات کا مدلل جواب دیا گیا ہے، ملاحظہ ہو؛

❀ امام اسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

هٰذَا صَحِيحٌ، وَلَا يَدْفَعُهٗ إِلَّا مُبْتَدِعٌ أَوْ ضَعِيفُ الرَّأْيِ .

''یہ حدیث صحیح ہے، اسے وہی رد کرتا ہے، جو بدعتی ہو یا کمزور رائے والا ہو۔''

(الشّريعة للآجري : 1127/3، مسائل الكَوسج : 3290)

❀ حافظ بغوی رحمہ اللہ (۵۱۶ھ) فرماتے ہیں:

هٰذَا حَدِيثٌ مُتَّفَقٌ عَلٰى صِحَّتِهٖ ...... هٰذَا الْحَدِيثُ يَجِبُّ عَلَى الْمَرْءِ الْمُسْلِمِ الْإِيمَانُ بِهٖ عَلَى مَا جَاءَ بِهٖ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَعْتَبِرَهٗ بِمَا جَرٰى عَلَيْهِ عُرْفَ الْبَشَرِ، فَيَقَعُ فِي الْارْتِيَابِ، لِأَنَّهٗ أَمْرٌ مَصْدَرُهٗ عَنْ قُدْرَةِ اللّٰهِ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى وَحُكْمِهٖ، وَهُوَ مُجَادَلَةٌ بَيْنَ مَلَكٍ كَرِيمٍ، وَنَبِيٍّ كَلِيمٍ، كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مَخْصُوصٌ بِصِفَةٍ خَرَجَ بِهَا عَنْ حُكْمِ عَوَامِّ الْبَشَرِ، وَمَجَارِي عَادَاتِهِمْ فِي الْمَعْنَى الَّذِي خُصَّ بِهٖ، فَلا يُعْتَبَرُ حَالُهُمَا بِحَالِ غَيْرِهِمَا، وَقَدِ اصْطَفَى اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى مُوسٰى بِرِسَالَاتِهٖ وَبِكَلَامِهٖ،

وَأَيَّدَهٗ بِالْآيَاتِ الظَّاهِرَةِ، وَالْمُعْجِزَاتِ الْبَاهِرَةِ، كَالْيَدِ الْبَيْضَاءِ، وَالْعَصَا، وَانْفِلَاقِ الْبَحْرِ، وَغَيْرِهَا مِمَّا نَطَقَ بِهِ الْقُرْآنُ، وَدَلَّتْ عَلَيْهِ الْآثَارُ، وَكُلُّ ذٰلِكَ إِكْرَامٌ مِنَ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ أَكْرَمَهٗ بِهَا، فَلَمَّا دَنَتْ وَفَاتُهٗ وَهُوَ بَشَرٌ يَكْرَهُ الْمَوْتَ طَبْعًا، وَيَجِدُ أَلَمَهٗ حِسًّا، لَطُفَ لَهٗ بِأَنْ لَمْ يُفَاجِئْهُ بِهٖ بَغْتَةً، وَلَمْ يَأْمُرِ الْمَلَكَ الْمُوَكَّلَ بِهٖ أَنْ يَأْخُذَهٗ بِهٖ قَهْرًا، لَكِنْ أَرْسَلَهٗ إِلَيْهِ مُنْذِرًا بِالْمَوْتِ، وَأَمَرَهٗ بِالتَّعَرُّضِ لَهٗ عَلٰى سَبِيلِ الْاِمْتِحَانِ فِي صُورَةِ بَشَرٍ، فَلَمَّا رَآهُ مُوسَى اسْتَنْكَرَ شَأْنَهٗ، وَاسْتَوْعَرَ مَكَانَهٗ، فَاحْتَجَزَ مِنْهُ دَفْعًا عَنْ نَفْسِهٖ، بِمَا كَانَ مِنْ صَكِّهٖ إِيَّاهُ، فَأَتٰى ذٰلِكَ عَلٰى عَيْنِهِ الَّتِي رُكِّبَتْ فِي الصُّورَةِ الْبَشَرِيَّةِ الَّتِي جَاءَهٗ فِيهَا، دُونَ صُورَةِ الْمَلَكِيَّةِ الَّتِي هُوَ مَجْبُولٌ عَلَيْهَا، وَقَدْ كَانَ فِي طَبْعِ مُوسٰى صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَمِيَّةٌ، وَحِدَّةٌ، عَلٰى مَا قَصَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا مِنْ أَمْرِهٖ فِي كِتَابِهٖ مِنْ وَكْزِهِ الْقِبْطِيَّ، وَإِلْقَائِهِ الْأَلْوَاحَ، وَأَخْذِهٖ بِرَأْسِ أَخِيهِ يَجُرُّهٗ إِلَيْهِ.

''اس حدیث کے صحیح ہونے پر اتفاق ہے۔...... مسلمان آدمی پر واجب ہے کہ وہ اس پر من وعن ایمان لائے، اس حدیث کو عام انسانوں کے احوال پر مت پرکھے، ورنہ وہ شک میں پڑ جائے گا، کیونکہ یہ ایسا واقعہ ہے، جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ

کی قدرت اور حکم سے رونما ہوا ہے، یہ معزز فرشتے اور کلیم نبی کے درمیان مجادلہ ہے، یہ دونوں ہی ایسی خصوصیات کے مالک ہیں، جو انہیں اس خاص حکم میں عام انسانوں اور ان کی عام عادات سے جدا کرتی ہیں، لہٰذا موسیٰ علیہ السلام اور ملک الموت کی حالت کو دوسروں کی حالت پر قیاس نہیں کیا جائے گا، اللہ تعالیٰ نے موسیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی رسالت اور کلام کے ساتھ منتخب کیا ہے اور ظاہری نشانیوں اور واضح معجزات کے ساتھ ان کی تائید کی ہے، مثلاً ید بیضاء، عصا، سمندر کا پھٹ جانا اور دیگر معجزات، جن کا ذکر قرآن اور احادیث میں موجود ہیں۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے موسیٰ علیہ السلام کا اکرام ہے، جب سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی وفات کا وقت قریب آیا، تو بشر ہونے کے ناطے آپ علیہ السلام نے طبعی طور پر موت کو ناپسند کیا اور حسی طور پر موت کی تکلیف محسوس کی، موسیٰ علیہ السلام نے یہ چاہا تھا کہ ان کی موت اچانک نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ملک الموت کو یہ حکم نہیں دیا تھا کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کی سختی سے روح قبض کریں، بلکہ اسے اس لیے بھیجا تھا کہ وہ انسانی شکل میں جا کر موسیٰ علیہ السلام کو موت سے ڈرائے اور صرف آزمائش کے لیے ان کے سامنے پیش ہو۔ جب موسیٰ علیہ السلام نے ملک الموت کو (انسانی شکل میں) دیکھا، تو ناپسند کیا اور گھٹن محسوس کی، تو مکے کے ساتھ انہیں خود سے دور کیا، مکا فرشتے کی اس آنکھ میں لگا، جو اس کی انسانی شکل میں تھی، نہ کہ فرشتے کی اپنے جبلی شکل میں۔ موسیٰ علیہ السلام کی طبیعت میں حمیت اور شدت تھی، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے کئی معاملات کو قرآن کریم میں بیان کیا ہے، مثلاً قبطی شخص کو مکا مارنا، تختیاں گرا دینا اور اپنے بھائی (ہارون علیہ السلام) کو سر سے پکڑ کر گھسیٹنا۔“

(شرح السّنة: 5/266-267)

❁ قوام السنہ اصبہانی رحمہ اللہ (۵۳۵ھ) فرماتے ہیں:

هٰذَا الْحَدِيثُ حَكَمَ أَهْلُ الْحِفْظِ بِصِحَّتِهٖ، وَحَمَلَهٗ أَهْلُ السُّنَّةِ عَلٰى ظَاهِرِهٖ، وَأَنَّ ذٰلِكَ الْفِعْلَ كَانَ مِنْ مُوسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ عَلَى الْحَقِيقَةِ وَقَالُوا: فَعَلَ ذٰلِكَ بِالْإِذْنِ وَلِلّٰهِ تَعَالٰى أَنْ يَأْذَنَ فِيمَا يَشَاءُ، وَقَالَ قَوْمٌ مِنْ أَهْلِ الْبِدْعَةِ: إِنْ جَازَ عَلٰى مَلَكِ الْمَوْتِ جَازَ عَلَيْهِ الْعَمٰى، قَالَ بَعْضُ الْعُلَمَاءِ: إِنَّ اللّٰهَ جَعَلَ الْمَلَائِكَةَ أَنْ تَتَصَوَّرَ بِمَا شَاءَ تْ مِنَ الصُّوَرِ الْمُخْتَلِفَةِ أَلَا تَرٰى أَنَّ جِبْرِيلَ أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي صُورَةِ دِحْيَةَ الْكَلْبِيِّ، وَمَرَّةً فِي صُورَةِ أَعْرَابِيٍّ، وَمَرَّةً أُخْرٰى وَقَدْ سَدَّ بِجَنَاحَيْهِ مَا بَيْنَ الْأُفُقِ، وَقَالَ تَعَالٰى: ﴿فَأَرْسَلْنَا إِلَيْهَا رُوحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا﴾، قِيلَ: إِنَّ جِبْرِيلَ تَصَوَّرَ بِصُورَةِ رَجُلٍ، وَهٰذِهِ الصُّوَرُ الَّتِي تَنْتَقِلُ تَمْثِيلَاتٍ فَاللَّطْمَةُ أَذْهَبَتِ الْعَيْنَ الَّذِي هِيَ تَمْثِيلٌ.

وَقَوْلُ مَنْ قَالَ: مَعْنَى اللَّطْمَةِ إِلْزَامُ الْحُجَّةِ، غَلَطٌ، لِأَنَّ فِي الْخَبَرِ أَنَّهٗ عَرَجَ إِلٰى رَبِّهٖ فَرَدَّ عَلَيْهِ عَيْنَهٗ، وَلَا يَكُونُ هٰذَا إِلَّا فِي عَيْنٍ هِيَ حَقِيقَةً لِأَنَّ الْعَيْنَ الَّتِي لَيْسَتْ بِحَقِيقَةٍ لَا

تَحْتَاجُ إِلٰى رَدِّهَا، وَقَوْلُهٗ : اَللَّطْمَةُ إِلْزَامُ الْحُجَّةِ لَوْ كَانَتِ اللَّطْمَةُ إِلْزَامَ الْحُجَّةِ لَمْ يَعُدْ إِلٰى قَبْضِ رُوحِهٖ لِأَنَّ الْحُجَّةَ قَدْ لَزِمَتْهُ فِي تَرْكِ قَبْضِ رُوحِهٖ كُلَّمَا عَادَ لِيَقْبِضَ رُوحَهٗ.

''اس حدیث پر محدثین نے صحیح ہونے کا حکم لگایا ہے۔اہل سنت اسے ظاہر پر محمول کرتے ہیں، موسیٰ علیہ السلام نے یہ عمل حقیقت میں کیا۔اہل سنت کہتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام نے ایسا اللہ تعالیٰ کی اجازت سے کیا، اللہ تعالیٰ کا اختیار ہے، وہ جس چیز کی اجازت دینا چاہے، دے سکتا ہے۔اہل بدعت کی ایک جماعت نے کہا: اگر ملک الموت کی آنکھ نکل سکتی ہے، تو فرشتہ اندھا بھی ہوسکتا ہے۔بعض علما کہتے ہیں: بے شک اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو اس طرح خلق کیا ہے کہ وہ مختلف صورتوں میں سے جو صورت اختیار کرنا چاہیں، کر سکتے ہیں۔آپ جانتے ہیں کہ جبریل علیہ السلام دحیہ کلبی کی شکل میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پاس تشریف لائے، کبھی اعرابی کی صورت میں اور کبھی ایسی صورت میں، کہ زمین و آسمان کو اپنے پروں سے بھر دیا۔اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿فَأَرْسَلْنَا إِلَيْهَا رُوحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا﴾ ''ہم نے اس (مریم) کی طرف اپنے روح القدس (جبریل) کو بھیجا، تو وہ اس کے سامنے انسان شکل میں متشکل ہو کر آیا۔'' یہ بھی کہا گیا ہے کہ جبریل مرد کی شکل اختیار کرتے تھے اور یہ بدلتی صورتیں تمثیلات ہیں، لہٰذا تھپڑ سے جو آنکھ ضائع ہوئی تھی، وہ تمثیلی آنکھ تھی۔

بعض کا یہ کہنا کہ تھپڑ مارنے کا مطلب حجت میں غالب آنا ہے، بالکل غلط ہے، کیونکہ حدیث میں ہے کہ فرشتہ رب تعالیٰ کے پاس گیا، تو اللہ تعالیٰ نے اس کی

آنکھ واپس لوٹا دی، ایسا تو صرف حقیقی آنکھ میں ہو سکتا ہے، کیونکہ جو آنکھ حقیقت میں ہو ہی نہ، اسے دوبارہ لوٹانے کی ضرورت نہیں۔ اگر تھپڑ سے مراد حجت میں غالب آنا ہوتا، تو فرشتے دوبارہ موسیٰ علیہ السلام کی روح قبض کرنے کے لیے نہ لوٹتا، کیونکہ جب وہ دوبارہ روح قبض کرنے آیا، تو اس وقت بھی اسے روح قبض نہ کرنے کی حجت لازم آچکی تھی۔''

(الحُجّة في بَيان المَحَجّة : 2/436-437)

علامہ عبدالغنی مقدسی رحمہ اللہ (۶۰۰ھ) فرماتے ہیں:

نُؤْمِنُ بِأَنَّ مَلَكَ الْمَوْتِ أُرْسِلَ إِلٰى مُوْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ فَصَكَّهٗ فَفَقَأَ عَيْنَهٗ، كَمَا صَحَّ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُنْكِرُهُ إِلَّا ضَالٌّ مُبْتَدِعٌ رَادٌّ عَلَى اللّٰهِ وَرَسُولِهٖ .

''ہم ایمان لاتے ہیں کہ ملک الموت کو موسیٰ علیہ السلام کی طرف بھیجا گیا، تو انہوں نے مکا مار کر فرشتے کی آنکھ پھوڑ دی، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح حدیث ہے۔ اس کا انکار کوئی گمراہ، بدعتی اور اللہ و رسول کا رد کرنے والا ہی کر سکتا ہے۔''

(الاقتصاد في الاعتقاد، ص 193)

حافظ ابن الجوزی رحمہ اللہ (597ھ) لکھتے ہیں:

''بعض ملحدین نے اس حدیث پر چار اعتراض کئے ہیں:

۱۔ ایک آدمی ایک فرشتے کی آنکھ کیسے پھوڑ سکتا ہے؟ جبکہ وہ ایک بہت بڑا جسم ہوتا ہے؟

۲۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے لئے کیوں کر جائز تھا کہ اللہ کے بھیجے ہوئے فرشتے کے

ساتھ ایسا کریں، یہ تو اللہ کے مرسل کے توہین ہے؟

۳۔کیا سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو اللہ کی لقا کا شوق نہ تھا؟

۴۔فرشتے کو جب جان قبض کرنے کے لئے بھیجا تھا، تو اس نے اللہ کے حکم کی مخالفت کیسے کر دی؟

ان اعتراضات کے جوابات ملاحظہ ہوں:

۱۔اللہ تعالیٰ کو سیدنا موسیٰ علیہ السلام سے محبت تھی، سو فرشتے کو آدمی کی صورت میں بھیجا تا کہ نرمی اور لطافت سے جان قبض کر لیں، ان کے سامنے ایک آدمی تھا، وہ نہیں جانتے تھے کہ یہ ایک فرشتہ ہے، تو انہوں نے انسانی فطرت کے مطابق فرشتے کو خود سے دور کیا، جب فرشتے انسانی شکل میں آئیں، تو بسا اوقات نبی کو بھی معلوم نہیں ہوتا۔ جیسا کہ سیدنا ابراہیم اور سیدنا لوط علیہما السلام پر فرشتے مخفی رہ گئے، اسی طرح جب جبریل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور ایمان اور اسلام پوچھا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر مخفی رہے۔ امام دارقطنی رحمہ اللہ نے مختلف اسانید سے بیان کیا ہے، ایک روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جتنا آج جبریل علیہ السلام مجھ پر پوشیدہ رہے، اتنا پہلے کبھی نہیں رہے۔ بعض روایات میں ہے کہ میں نے اسے تب تک نہیں پہچانا، جب تک کہ واپس نہیں چلے گئے۔ ایک روایت کے الفاظ ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس سے پہلے ایسا کبھی نہیں ہوا کہ وہ میرے پاس (انسانی شکل میں) ہیں اور میں انہیں نہ پہچان سکوں۔ ایک روایت میں ہے کہ جس بھی صورت میں میرے پاس آئے، میں نے پہچان لیا، مگر اس صورت میں نہیں پہچان پایا۔ سو اس بنیاد پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ

سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے بغیر پہچانے تھپڑ مار کر اس کی انسانی صورت والی آنکھ پھوڑ دی، فرشتے والی آنکھ نہیں پھوڑی، تو جب ملک الموت واپس آیا، آنکھ درست ہو چکی تھی، سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے پہچان لیا اور اللہ کا فیصلہ قبول کر لیا۔“

(كشف المُشكل من حديث الصّحيحَين : 444/3)

✿ حافظ نووی رحمہ اللہ (٦٧٦ھ) فرماتے ہیں:

قَالَ الْمَازِرِيُّ : وَقَدْ أَنْكَرَ بَعْضُ الْمَلَاحِدَةِ هٰذَا الْحَدِيثَ وَأَنْكَرَ تَصَوُّرَهُ قَالُوا : كَيْفَ يَجُوزُ عَلٰى مُوسٰى فَقْءُ عَيْنِ مَلَكِ الْمَوْتِ قَالَ : وَأَجَابَ الْعُلَمَاءُ عَنْ هٰذَا بِأَجْوِبَةٍ؛ أَحَدُهَا : أَنَّهُ لَا يَمْتَنِعُ أَنْ يَكُونَ مُوسٰى صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ أَذِنَ اللّٰهُ تَعَالٰى لَهُ فِي هٰذِهِ اللَّطْمَةِ وَيَكُونَ ذٰلِكَ امْتِحَانًا لِّلْمَلْطُومِ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ وَتَعَالٰى يَفْعَلُ فِي خَلْقِهٖ مَاشَاءَ وَيَمْتَحِنُهُمْ بِمَا أَرَادَ، وَالثَّانِي : أَنَّ هٰذَا عَلَى الْمَجَازِ وَالْمُرَادُ أَنَّ مُوسٰى نَاظَرَهُ وَحَاجَّهُ فَغَلَبَهُ بِالْحُجَّةِ وَيُقَالُ : فَقَأَ فُلَانٌ عَيْنَ فُلَانٍ إِذَا غَالَبَهُ بِالْحُجَّةِ وَيُقَالُ : عَوَّرْتُ الشَّيْءَ إِذَا أَدْخَلْتُ فِيهِ نَقْصًا قَالَ : وَفِي هٰذَا ضَعْفٌ لِقَوْلِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَدَّ اللّٰهُ عَيْنَهُ، فَإِنْ قِيلَ : أَرَادَ رَدَّ حُجَّتَهُ كَانَ بَعِيدًا، وَالثَّالِثُ : أَنَّ مُوسٰى صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَعْلَمْ أَنَّهُ مَلَكٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَظَنَّ أَنَّهُ رَجُلٌ قَصَدَهُ يُرِيدُ نَفْسَهُ فَدَافَعَهُ عَنْهَا فَأَدَّتِ الْمُدَافَعَةُ إِلٰى

فَقْءِ عَيْنِهِ لَا أَنَّهُ قَصَدَهَا بِالْفَقْءِ وَتُؤَيِّدُهُ رِوَايَةُ «صَكَّهُ»، وَهٰذَا جَوَابُ الْإِمَامِ أَبِي بَكْرِ بْنِ خُزَيْمَةَ وَغَيْرِهِ مِنَ الْمُتَقَدِّمِينَ وَاخْتَارَهُ الْمَازِرِيُّ وَالْقَاضِي عِيَاضٌ .

''علامہ مازری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ بعض ملاحدہ نے اس حدیث کا انکار کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ موسیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے یہ کیونکر جائز ہوا کہ وہ ایک فرشتے کی آنکھ پھوڑ دیں، علمانے اس اعتراض کے متعدد جواب دیئے ہیں؛

۱۔ ممکن ہے کہ سیدنا موسیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس چیز کی اجازت دی گئی ہو اور یہ ملک الموت کا امتحان ہو۔ اللہ اپنی مخلوق کے ساتھ جو ارادہ کرے، اسے کرتا ہے اور جو جسے جس امتحان میں ڈالنا چاہتا ہے، ڈال دیتا ہے۔

۲۔ اس میں مجازی معنی مراد ہے، مطلب کہ سیدنا موسیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرشتے سے بحث مباحثہ کیا ہو اور اسے ہرا دیا ہو، جیسا کہ عرب میں مستعمل ہے کہ جیت جانے والا کہتا ہے: میں نے اس کی آنکھ پھوڑ دی، اسی طرح جب کسی چیز میں نقص ڈال دیا جائے، تو کہا جاتا ہے کہ میں نے اس کو کانا کر دیا۔ لیکن اس کا یہ معنی درست نہیں، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے فرشتے کی آنکھ دوبارہ درست کر دی۔'' اگر کوئی اس سے مراد لے حجت میں غالب کر دیا دوبارہ سے۔ تو یہ معنی بعید ہے۔

۳۔ سیدنا موسیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم نہ تھا کہ یہ اللہ کی طرف سے بھیجا گیا فرشتہ ہے، انہوں نے سمجھا کہ یہ کوئی شخص ہے، جو انہیں مارنا چاہتا ہے، تو موسیٰ علیہ السلام نے اسے بچنا چاہا، اسی بچاؤ میں اس کی آنکھ پھوٹ گئی، قصداً ایسا نہیں کیا۔ اس کی

تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جس میں صَکَّہٗ ''موسیٰ علیہ السلام نے اسے مارا۔'' کا لفظ ہے۔ یہ امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ اور دیگر متقدمین کا جواب ہے اور اسے ہی قاضی عیاض اور علامہ مارزی رحمہما اللہ نے اختیار کیا ہے۔''

(شرح صحیح مسلم :15/ 116)

تیسرا قول ہی درست ہے کہ موسیٰ علیہ السلام ملک الموت کو نہیں پہچان سکے، جیسا کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور سیدنا لوط علیہ السلام کے پاس فرشتے آئے اور وہ ان کو نہیں پہچان سکے۔

(هود : 69-70، 80-81)

❀ علامہ ابوعبداللہ قرطبی رحمہ اللہ (٦٧١ھ) فرماتے ہیں:

اِخْتَلَفَ الْعُلَمَاءُ فِي تَأْوِيلِ لَطْمِ مُوسٰی عَيْنَ مَلَكِ الْمَوْتِ وَفَقْئِهَا عَلٰی أَقْوَالٍ، مِنْهَا؛ أَنَّهَا كَانَتْ عَيْنًا مُتَخَيَّلَةً لَا حَقِيقَةً، وَهٰذَا بَاطِلٌ، لِأَنَّهُ يُؤَدِّي إِلٰی أَنَّ مَا يَرَاهُ الْأَنْبِيَاءُ مِنْ صُوَرِ الْمَلَائِكَةِ لَا حَقِيقَةَ لَهُ، وَمِنْهَا؛ أَنَّهَا كَانَتْ عَيْنًا مَعْنَوِيَّةً وَإِنَّمَا فَقَأَهَا بِالْحُجَّةِ، وَهٰذَا مَجَازٌ لَا حَقِيقَةٌ، وَمِنْهَا؛ أَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَمْ يَعْرِفْ مَلَكَ الْمَوْتِ، وَأَنَّهُ رَأَی رَجُلًا دَخَلَ مَنْزِلَهُ بِغَيْرِ إِذْنِهٖ يُرِيدُ نَفْسَهُ فَدَافَعَ عَنْ نَفْسِهٖ فَلَطَمَ عَيْنَهُ فَفَقَأَهَا، وَتَجِبُ الْمُدَافَعَةُ فِي هٰذَا بِكُلِّ مُمْكِنٍ، وَهٰذَا وَجْهٌ حَسَنٌ.

''موسیٰ علیہ السلام کے ملک الموت کی آنکھ پر تھپڑ مارنے اور آنکھ پھوڑنے کے بارے میں اہل علم کے مختلف اقوال ہیں؛ ایک قول یہ ہے کہ یہ خیالی آنکھ تھی، حقیقی

نہیں، یہ بات باطل ہے، کیونکہ اس سے تو یہ بات لازم آئے گی کہ انبیائے کرام علیہم السلام نے فرشتوں کو جن شکلوں میں دیکھا تھا، ان کی کوئی حقیقت نہیں تھی۔ایک قول یہ بھی ہے کہ اس سے مراد معنوی آنکھ ہے اور موسیٰ علیہ السلام کا اسے پھوڑنے سے مراد یہ ہے کہ وہ حجت میں غالب آ گئے،یعنی یہ مجاز ہے، حقیقت نہیں۔ایک قول کے مطابق موسیٰ علیہ السلام ملک الموت کو پہنچان نہیں پائے اور اسے عام آدمی سمجھ لیا کہ جو ان کی اجازت کے بغیر گھر میں داخل ہو گیا،اس آدمی نے موسیٰ علیہ السلام کی جان لینی چاہی،تو انہوں نے اپنا بچاؤ کرتے ہوئے اس کی آنکھ پر تھپڑ مارا اور آنکھ پھوڑ دی، ایسی صورت میں ہر ممکنہ حد تک بچاؤ کرنا واجب ہے۔یہ اچھی توجیہ ہے۔“

(تفسير القرطبي : 132/6، المُفهِم لأبي العباس القرطبي : 221/6)

تنبیہ:

❀ علامہ ابن وزیر رحمہ اللہ (۸۴۰ھ) فرماتے ہیں:

قَدْ صَحَّ تَصَوُّرُ الْمَلَائِكَةِ عَلٰى صُورَةِ الْبَشَرِ، وَتَوَاتَرَ ذٰلِكَ فِي الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ .

”فرشتوں کا انسانی شکل اختیار کرنا ثابت ہے، کتاب وسنت میں یہ بات متواتر ہے۔“

(العَواصم والقواصم : 369/8)

فتاویٰ امن پوری (قسط ۳۸۱)

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

سوال: سیدہ ربیع بنت معوذ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

كُنَّا نَغْزُو مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَسْقِي الْقَوْمَ وَنَخْدُمُهُمْ، وَنَرُدُّ الْقَتْلٰى وَالْجَرْحٰى إِلَى الْمَدِينَةِ.

''ہم رسول اللہ ﷺ کی معیت میں غزوہ کرتی تھیں (ہمارا کام یہ ہوتا تھا کہ) ہم لوگوں کو پانی پلاتیں، ان کی خدمت کرتیں، نیز شہدا اور زخمیوں کو مدینہ طیبہ پہنچاتی تھیں۔''

(صحيح البخاري: 5679)

❁ حفصہ بنت سیرین رحمہا اللہ بیان کرتی ہیں:

جَاءَ تِ امْرَأَةٌ، فَنَزَلَتْ قَصْرَ بَنِي خَلَفٍ، فَأَتَيْتُهَا، فَحَدَّثَتْ أَنَّ زَوْجَ أُخْتِهَا غَزَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثِنْتَيْ عَشْرَةَ غَزْوَةً، فَكَانَتْ أُخْتُهَا مَعَهُ فِي سِتِّ غَزَوَاتٍ، فَقَالَتْ: فَكُنَّا نَقُومُ عَلَى الْمَرْضٰى، وَنُدَاوِي الْكَلْمٰى.

''ایک عورت آئی اور بنو خلف کے یہاں قیام پذیر ہوئی، اس نے بیان کیا کہ ان کے بہنوئی نے نبی کریم ﷺ کے معیت میں بارہ غزوات کیے، چھ غزوات

میں ان کی بہن (بہنوئی کی بیوی) بھی ساتھ تھیں، کہتی ہیں: ہم مریضوں کی دیکھ بھال کرتی تھیں اور زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں۔"

(صحیح البخاري: 980)

ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابیات جنگوں اور غزوات میں شرکت کرتی تھیں، جبکہ ان کے معارض احادیث میں ہے کہ عورتوں کا جہاد حج اور عمرہ ہے۔

❁ سیدہ عائشہ ﷺ بیان کرتی ہیں:

اسْتَأْذَنْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْجِهَادِ، فَقَالَ: جِهَادُكُنَّ الْحَجُّ.

"میں نے نبی کریم ﷺ سے جہاد کرنے کی اجازت مانگی، تو فرمایا: آپ عورتوں کا جہاد حج بیت اللہ ہے۔"

(صحیح البخاري: 2875)

❁ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

جِهَادُ الْكَبِيرِ، وَالصَّغِيرِ، وَالضَّعِيفِ، وَالْمَرْأَةِ الْحَجُّ، وَالْعُمْرَةُ.

"بوڑھے، بچے، کمزور اور عورت کا جہاد حج اور عمرہ ہے۔"

(سنن النّسائي: 2626، وسندهٗ حسنٌ)

ان احادیث میں کیا تطبیق ہے؟

(جواب): عورتوں اور بچوں کے لیے بھی جہاد مشروع ہے، ضرورت کے تحت انہیں جنگوں میں لے جایا جا سکتا ہے، ان کا کام مجاہدین کی خدمت، ان کے کھانے پینے اور علاج معالجہ وغیرہ کا بندوبست کرنا ہے۔

اگر عورت اور بچہ کافروں سے قتال کر سکتا ہوں، تو میدان مقتل میں بھی جا سکتا ہے۔
دراصل جو نبی کریم ﷺ نے عورتوں، بوڑھوں اور بچوں کا جہاد حج وعمرہ کو قرار دیا ہے، اس سے مراد افضلیت ہے کہ عورت کے لیے افضل جہاد حج اور عمرہ ہے۔ اسی لیے نبی کریم ﷺ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو افضل عمل کی طرف راہنمائی فرمائی، ایسا نہیں کہ عورت جہاد پر جا ہی نہیں سکتی۔ دوسری حدیث سے اس کی وضاحت بخوبی ہو جاتی ہے۔

❀ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لٰكِنَّ أَفْضَلَ الْجِهَادِ حَجٌّ مَبْرُورٌ.

”لیکن (عورتوں کے لیے) افضل جہاد حج مبرور ہے۔“

(صحيح البخاري : 2784)

سوال: ابو عبید ابن الازہر رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

صَلَّيْتُ مَعَ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ، قَالَ : فَصَلَّى لَنَا قَبْلَ الْخُطْبَةِ، ثُمَّ خَطَبَ النَّاسَ، فَقَالَ : إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ نَهَاكُمْ أَنْ تَأْكُلُوا لُحُومَ نُسُكِكُمْ فَوْقَ ثَلَاثِ لَيَالٍ، فَلَا تَأْكُلُوا .

”میں نے سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی اقتدا میں نماز (عید) ادا کی۔ آپ رضی اللہ عنہ ہمیں خطبہ سے پہلے نماز پڑھائی، پھر خطبہ دیا اور فرمایا: بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے آپ کو قربانی کا گوشت تین دن سے زائد کھانے سے منع فرمایا ہے۔ لہٰذا (تین دن سے زائد) مت کھائیں۔“

(صحيح مسلم : 1969)

❁ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى أَنْ تُؤْكَلَ لُحُومُ الْأَضَاحِيِّ بَعْدَ ثَلَاثٍ.

”رسول اللہ ﷺ نے تین دن سے زائد قربانیوں کا گوشت کھانے سے منع فرمایا ہے۔“

(صحيح البخاري : 5574، صحيح مسلم : 1970، واللّفظ لهٗ)

ان احادیث سے قربانی کا گوشت ذخیرہ کرنے کی ممانعت معلوم ہوتی ہے، جبکہ اس کے معارض حدیث میں اجازت ہے:

❁ سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

كُنَّا لَا نَأْكُلُ مِنْ لُحُومِ بُدْنِنَا فَوْقَ ثَلَاثِ مِنًى، فَرَخَّصَ لَنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: كُلُوا وَتَزَوَّدُوا، فَأَكَلْنَا وَتَزَوَّدْنَا.

”ہم قربانی کا گوشت منیٰ کے تین دن سے زیادہ نہیں کھاتے تھے، پھر نبی کریم ﷺ نے ہمیں رخصت دے دی اور فرمایا: اسے کھائیں اور زادِراہ بھی بنا لیں۔ تو ہم نے (تین دن سے زائد) کھایا اور زادِراہ بھی بنایا۔“

(صحيح البخاري : 1719، صحيح مسلم : 1972)

❁ صحیح مسلم کے الفاظ ہیں:

كُلُوا، وَتَزَوَّدُوا، وَادَّخِرُوا.

”(قربانی کا گوشت) کھائیں، زادِراہ بنالیں اور ذخیرہ بھی کر سکتے ہیں۔“

اس تعارض کا کیا حل ہے؟

جواب: جن احادیث میں تین دن سے زائد قربانی کا گوشت ذخیرہ کرنے کی ممانعت ہے، وہ منسوخ ہیں، ان کا منسوخ ہونا دیگر احادیث میں واضح ہے۔

دراصل آغاز میں نبی کریم ﷺ نے پہلے تین دن تک قربانی کا گوشت کھانے کی اجازت دی تھی، اس سے زائد دن تک گوشت کھانے اور اسے ذخیرہ کرنے سے منع فرمایا تھا، کیونکہ آس پاس کے لوگ حاجت مند تھے، جنہیں گوشت اور کھانے کی ضرورت تھی، تو نبی کریم ﷺ نے ان کی محتاجی اور افلاس کو دیکھتے ہوئے صحابہ کو قربانی کا گوشت صدقہ کرنے کا حکم فرمایا، تاکہ محتاجوں کی مدد ہو جائے۔

پھر جب یہ ضرورت ختم ہو گئی اور لوگوں کے پاس بقدر کفایت رزق آ گیا، تو یہ حکم منسوخ ہو گیا اور تین دن سے زائد قربانی کا گوشت کھانے اور ذخیرہ کرنے کی اجازت دے دی گئی۔

❀ سیدنا سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَنْ ضَحّٰى مِنْكُمْ فَلَا يُصْبِحَنَّ بَعْدَ ثَالِثَةٍ وَبَقِيَ فِي بَيْتِهِ مِنْهُ شَيْءٌ، فَلَمَّا كَانَ الْعَامُ الْمُقْبِلُ، قَالُوا : يَا رَسُولَ اللّٰهِ، نَفْعَلُ كَمَا فَعَلْنَا عَامَ الْمَاضِي؟ قَالَ : كُلُوا وَأَطْعِمُوا وَادَّخِرُوا، فَإِنَّ ذٰلِكَ الْعَامَ كَانَ بِالنَّاسِ جَهْدٌ، فَأَرَدْتُ أَنْ تُعِينُوا فِيهَا .

”جو بھی قربانی کرے، تو تیسرے دن کے بعد اس کے گھر میں قربانی کا کوئی گوشت موجود نہیں ہونا چاہیے (بلکہ مساکین میں تقسیم کر دے)۔ پھر جب اگلا سال آیا، تو صحابہ نے عرض کیا: اللہ کے رسول! ہم اس سال بھی پچھلے سال کی طرح کریں؟ فرمایا: (نہیں،) آپ کھائیں، کھلائیں اور ذخیرہ کر لیں، کیونکہ

پچھلے سال لوگ تنگ دست تھے، تو میں نے چاہا کہ ان کی مدد ہو جائے۔''

(صحيح البخاري : 5569، صحيح مسلم : 1974)

اس بارے میں کئی صحابہ سے روایات مروی ہیں۔

بعض اہل علم کہتے ہیں کہ اگر چہ تین دن سے زیادہ ذخیرہ کرنے کی ممانعت منسوخ ہے اور اس ممانعت کی علت یہ تھی کہ علاقہ کے لوگ فاقہ اور بھوک کا شکار تھے، لہٰذا اگر وہی علت آج بھی پائی جائے، تو تین دن سے زائد گوشت ذخیرہ کرنے پر پابندی لگائی جاسکتی ہے۔

ممکن ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو ممانعت کے منسوخ ہونے کا علم نہ ہو، یا وہ ممانعت کو منسوخ تو سمجھتے ہوں، مگر انہوں نے اسی علت کی بنا پر منع کیا ہو، جس بنا پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا تھا۔

سوال: درج ذیل روایت کی سند کیسی ہے؟

❀ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے منسوب ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ ضَحّٰی، فَلْيَأْكُلْ مِنْ أُضْحِيَّتِهٖ .

''جو قربانی کرے، وہ اپنی قربانی کے گوشت میں سے (ضرور) کھائے۔''

(عِلَل الحديث لابن أبي حاتم : 1595، معجم ابن الأعرابي : 1756)

جواب: سند سخت ضعیف اور مرسل ہے۔

① یہ عطاء بن یسار (یا ابی رباح) کی مرسل روایت ہے، اس میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا واسطہ ذکر کرنا خطا اور وہم ہے۔

✿ امام ابو حاتم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

هٰذَا خَطَأٌ .

”اس روایت کو موصول بیان کرنا خطا ہے۔“

(علل الحدیث : 494/4)

❁ نیز فرماتے ہیں:

...... مُرْسَلًا ...... هٰذَا الصَّحِيحُ .

”یہ (عطاء سے) مرسل ہے۔...... یہی درست اور صحیح ہے۔“

(علل الحدیث : 512/4)

② محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ سیء الحفظ ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔

❁ حافظ بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

تَفَرَّدُ ابْنِ أَبِي لَيْلٰى بِرِوَايَتِهٖ، وَقَدِ اتَّفَقَ أَئِمَّةُ الْحَدِيثِ عَلٰى تَرْكِ الْاِحْتِجَاجِ بِرِوَايَتِهٖ .

”اسے روایت کرنے میں ابن ابی لیلیٰ منفرد ہے، ائمہ حدیث کا اتفاق ہے کہ اس کی روایت سے حجت نہیں پکڑی جائے گی۔“

(الخِلافیّات، تحت الحدیث : 1732)

❁ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي لَيْلٰى سَيِّءُ الْحِفْظِ، لَا يُحْتَجُّ بِهٖ عِنْدَ أَكْثَرِهِمْ .

”ابن ابی لیلیٰ خراب حافظہ والا ہے، اکثر محدثین کے نزدیک قابل حجت نہیں۔“

(تُحفة الطّالب : 345)

سوال: کیا کوئی ایسی شے ہے، جسے نبی کریم ﷺ نے اُمت کے لیے جائز قرار دیا

ہو، مگر اس پر خود عمل نہ کیا ہو؟

جواب: ایسی بہت سی اشیا ہیں، جنہیں نبی کریم ﷺ نے اُمت کے لیے حلال اور جائز قرار دیا ہے، مگر خود انہیں استعمال نہیں کیا۔

دراصل جس طرح کسی شے کی حلت واباحت نبی کریم ﷺ کے فعل سے ثابت ہوتی ہے، اسی طرح آپ ﷺ کے فرمان اور تقریر سے بھی ہوتی ہے، تقریر سے مراد یہ ہے کہ آپ ﷺ کے سامنے یا آپ کے عہد مبارک میں کوئی عمل کیا جائے اور آپ کو اس عمل کا علم ہو، تو آپ ﷺ اس سے منع نہ کریں۔ اس سے بھی اس عمل کا جواز ثابت ہوتا ہے۔

مثلاً: نبی کریم ﷺ کو سانڈے کا گوشت پیش کیا گیا، تو نبی کریم ﷺ نے اسے خود تناول نہیں فرمایا، البتہ اُمت کے لیے اسے حلال قرار دیا، اسی لیے بعض صحابہ نے آپ ﷺ کے سامنے ہی اسے تناول کیا۔

❀ سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

أُتِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِضَبٍّ مَشْوِيٍّ، فَأَهْوٰى إِلَيْهِ لِيَأْكُلَ، فَقِيلَ لَهٗ: إِنَّهٗ ضَبٌّ، فَأَمْسَكَ يَدَهٗ، فَقَالَ خَالِدٌ: أَحَرَامٌ هُوَ؟ قَالَ: لَا، وَلٰكِنَّهٗ لَا يَكُونُ بِأَرْضِ قَوْمِي، فَأَجِدُنِي أَعَافُهٗ فَأَكَلَ خَالِدٌ وَرَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْظُرُ.

”نبی کریم ﷺ کے پاس بھنا ہوا سانڈے کا گوشت لایا گیا، نبی کریم ﷺ کھانے کے لیے بڑھے، تو آپ ﷺ کو بتایا گیا کہ یہ سانڈے کا گوشت ہے، تو رسول اللہ ﷺ نے اپنا ہاتھ روک لیا، خالد رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کیا یہ حرام ہے؟ فرمایا: نہیں، مگر یہ میرے علاقے میں نہیں ہوتا، اس لیے میں اس سے

پرہیز کرتا ہوں۔تو سیدنا خالد رضی اللہ عنہ (وہ سانڈا) کھانے لگے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دیکھ رہے تھے۔''

(صحيح البخاري : 5400، صحيح مسلم : 1946)

سوال: سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

انْظُرِ السَّجْعَ مِنَ الدُّعَاءِ فَاجْتَنِبْهُ، فَإِنِّي عَهِدْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَصْحَابَهٗ لَا يَفْعَلُونَ إِلَّا ذٰلِكَ يَعْنِي لَا يَفْعَلُونَ إِلَّا ذٰلِكَ الْاِجْتِنَابَ .

''دعا میں مسجع کلامی (ہم قافیہ الفاظ) سے اجتناب کریں، کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دیکھا ہے، وہ دعا میں مسجع کلامی سے اجتناب کرتے تھے۔''

(صحيح البخاري : 6337)

اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دعا میں قافیہ بندی سے اجتناب کرتے تھے، جبکہ دیگر احادیث میں کئی دعائیہ کلمات ہیں، جن میں مسجع کلامی موجود ہے۔

❀ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ احزاب کے موقع پر یہ دعا فرمائی:

اَللّٰهُمَّ مُنْزِلَ الْكِتَابِ، سَرِيعَ الْحِسَابِ، اهْزِمِ الْاَحْزَابَ، اهْزِمْهُمْ وَزَلْزِلْهُمْ .

''اللہ! اے کتاب نازل کرنے والے! اے جلد حساب لینے والے! لشکروں کو شکست دے، انہیں ایسی شکست دے کہ لرز اٹھیں۔''

(صحيح البخاري : 6392؛ صحيح مسلم : 1742)

جواب: سجع کلامی سے مراد ایسا منظوم کلام ہے، جس کے آخری لفظ کی آواز ایک جیسی ہو، اسے ہم قافیہ الفاظ بھی کہتے ہیں۔

حدیث میں جس مسجع کلامی سے منع کیا گیا، وہ کاہنوں جیسی مسجع کلامی ہے کہ وہ کلام کو مسجع اور ملمع کرنے کے لیے باطل اور جھوٹے الفاظ کا تکلف کرتے ہیں۔

البتہ اگر حق اور سچ پر مبنی کلام میں غیر ارادی طور پر قافیہ بندی ہو جائے، تو کوئی حرج نہیں، مذکورہ دعا میں بھی ایسا ہی ہے۔

سوال: سیدنا بریدہ اسلمی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

سَمِعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا يَقُولُ : اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ بِأَنَّكَ أَنْتَ اللّٰهُ الْأَحَدُ الصَّمَدُ، الَّذِي لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ، وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا أَحَدٌ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهٖ، أَوْ قَالَ : وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهٖ، لَقَدْ سَأَلَ اللّٰهَ بِاسْمِهِ الْأَعْظَمِ، الَّذِي إِذَا سُئِلَ بِهٖ أَعْطَى، وَإِذَا دُعِيَ بِهٖ أَجَابَ .

”نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو سنا کہ وہ دعا میں یہ کہہ رہا تھا، اے اللہ! میں تجھ سے اس وسیلہ سے سوال کرتا ہوں کہ تو ہی اللہ ہے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو اکیلا ہے، بے نیاز ہے، جس نے نہ کسی کو جنا ہے اور نہ جنا گیا ہے، نہ اس کا کوئی ہم سر ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس ذات کی قسم، جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اس نے اللہ کے اسم اعظم کی وساطت سے سوال کیا ہے، جس کے

ساتھ جب اسے پکارا جائے، تو وہ قبول کرتا ہے اور جب اس کے ذریعے سوال کیا جائے، تو وہ عطا کر دیتا ہے۔''

(مسند الإمام أحمد : 350/5، سنن أبي داود : 1493، سنن ابن ماجه : 3857، وسندهٗ صحيحٌ)

اس حدیث کو امام ابن حبان رحمہ اللہ (۸۹۱) نے ''صحیح'' کہا ہے، امام حاکم رحمہ اللہ (۵۰۴/۱) نے شیخین کی شرط پر ''صحیح'' کہا ہے اور حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے موافقت کی ہے۔

❀ سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں :

إِنَّهٗ كَانَ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَالِسًا، وَرَجُلٌ يُصَلِّي، ثُمَّ دَعَا : اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ بِأَنَّ لَكَ الْحَمْدُ، لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ الْمَنَّانُ، بَدِيعُ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ، يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ، يَا حَيُّ يَا قَيُّومُ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : لَقَدْ دَعَا اللّٰهَ بِاسْمِهِ الْعَظِيمِ، الَّذِي إِذَا دُعِيَ بِهٖ أَجَابَ، وَإِذَا سُئِلَ بِهٖ أَعْطٰى .

''وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے تھے، ایک آدمی نماز پڑھ رہا تھا، پھر اس نے یوں دعا کی : اللہ! میں تجھ سے اس لیے سوال کرتا ہوں کہ ساری تعریف تیرے ہی لیے خاص ہے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو منان (احسان کرنے والا) ہے، آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے والا ہے، اے عزت وجلال والے! اے زندہ وقیوم! نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : اس نے اللہ کے اسم اعظم کے وسیلہ سے سوال کیا ہے، کہ اس کے وسیلہ سے جب سوال کیا جائے، تو اللہ عطا کر دیتا ہے اور جب اس کے ذریعہ دعا کی جائے، تو اللہ قبول کر لیتا ہے۔''

(مسند أحمد: 153/3، سنن أبي داود: 1495، سنن النّسائي: 813، وسندهٗ صحيحٌ)

اس حدیث کو امام ابن حبان رحمہ اللہ (۸۹۳) نے ''صحیح'' کہا ہے اور امام حاکم رحمہ اللہ (۵۰۳/۱) نے مسلم کی شرط پر ''صحیح'' قرار دیا ہے، حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے موافقت کی ہے۔

❀ ابو عبدالرحمٰن قاسم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

إِنَّ اسْمَ اللّٰهِ الْأَعْظَمَ فِي ثَلَاثِ سُوَرٍ مِنَ الْقُرْآنِ، فِي سُورَةِ الْبَقَرَةِ، وَآلِ عِمْرَانَ، وَطٰهٰ.

''اللہ کا اسم اعظم قرآن کی تین سورتوں میں موجود ہے: ① سورت بقرہ ② سورت آل عمران ③ سورت طٰہٰ۔''

(فضائل القرآن للفِريابي: 48، وسندهٗ صحيحٌ)

اللہ تعالیٰ کا ہر نام ہی عظیم ہے، اس سے بڑی کوئی مخلوق نہیں، جس کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کسی بھی نام کے ساتھ دعا کی جائے، وہ قبول ہو، صرف ''اسمِ اعظم'' سے ہی دعا کی قبولیت کیوں؟

جواب: اسم اعظم سے مراد اللہ تعالیٰ کا وہ نام جو اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سب سے عظیم ہے، یہ مخلوق کے مقابلہ میں نہیں، مخلوق کے مقابلہ میں تو اللہ تعالیٰ کا ہر نام ہی عظیم اور اعظم ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو خبر دی ہے کہ اگر اسم اعظم سے دعا کی جائے، تو دعا کی قبولیت کے مواقع زیادہ ہوتے ہیں، کیونکہ اس میں عاجزی اور انکساری زیادہ ہے۔

مزید یہ کہ اللہ تعالیٰ نے دعا کی قبولیت کی مختلف صورتیں رکھی ہیں، جو بندوں کے احوال اور اس کے رب سے تعلق کے لحاظ سے مختلف ہے، کبھی دعا فوراً قبول ہو جاتی ہے،

کبھی تاخیر سے قبول ہوتی ہے، کبھی آخرت کے لیے ذخیرہ ہو جاتی ہے اور کبھی اس دعا کے بدلے گناہوں کی معافی ہو جاتی ہے اور وہ دعا مشکلات و مصائب کا کفارہ بن جاتی ہے۔

❀ سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَدْعُو بِدَعْوَةٍ لَيْسَ فِيهَا إِثْمٌ، وَلَا قَطِيعَةُ رَحِمٍ، إِلَّا أَعْطَاهُ اللّٰهُ بِهَا إِحْدٰى ثَلَاثٍ؛ إِمَّا أَنْ تُعَجَّلَ لَهٗ دَعْوَتُهٗ، وَإِمَّا أَنْ يَدَّخِرَهَا لَهٗ فِي الْآخِرَةِ، وَإِمَّا أَنْ يَصْرِفَ عَنْهُ مِنَ السُّوءِ مِثْلَهَا، قَالُوا : إِذًا نُكْثِرُ، قَالَ : اللّٰهُ أَكْثَرُ .

”جب بھی کوئی مسلمان دعا کرے، جس میں گناہ اور قطع رحمی کی بات نہ ہو، تو اللہ تعالیٰ اسے تینوں میں ایک چیز لازمی عطا فرما دیتا ہے؛ ① اس کی دعا کو فوراً قبول فرما لیتا ہے۔ ② ذخیرہ آخرت بنا دیتا ہے۔ ③ اس سے دعا کی مثل تکلیف دور کر دیتا ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم عرض گزار ہوئے: تب تو ہم بہت زیادہ دعا کریں گے۔ فرمایا: اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی بہت زیادہ ہے۔“

(مسند الإمام أحمد : 18/3، وسندهٗ حسنٌ، والحديث صحيحٌ)

اس حدیث کو امام حاکم رحمہ اللہ (۴۹۳/۱) نے ”صحیح الاسناد“ کہا ہے۔

❀ حافظ ابن عساکر رحمہ اللہ نے اسے ”حسن محفوظ“ کہا ہے۔

(مُعجم ابن عساكر : 196)

سوال: سیّدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دورانِ سفر سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو باپ کی قسم کھاتے سنا، تو فرمایا:

اَلَا إِنَّ اللّٰهَ يَنْهَاكُمْ اَنْ تَحْلِفُوا بِآبَائِكُمْ، مَنْ كَانَ حَالِفًا

فَلْيَحْلِفْ بِاللّٰهِ اَوْ لِيَصْمُتْ .

”اللہ نے آباو اجداد کی قسم کھانے سے منع کیا ہے، چنانچہ جس نے قسم کھانی ہو، وہ اللہ کے نام کی قسم کھائے، ورنہ خاموش ہو رہے۔“

(صحيح البخاري : 6646، صحيح مسلم : 1646)

❁ سیدنا عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا تَحْلِفُوا بِآبَائِكُمْ وَلَا بِالطَّوَاغِيتِ .

”نہ اپنے آبا کی قسمیں کھاؤ اور نہ ہی بتوں کی۔“

(صحيح مسلم : 1648)

❁ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

إِنَّ اللّٰهَ يَنْهَاكُمْ أَنْ تَحْلِفُوا بِآبَائِكُمْ قَالَ عُمَرُ : فَوَاللّٰهِ مَا حَلَفْتُ بِهَا مُنْذُ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ذَاكِرًا وَلَا آثِرًا .

”بلاشبہ اللہ نے آباء و اجداد کی قسم اٹھانے سے منع کیا ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان سنا ہے، تب سے میں نے ماں باپ کی قسم نہیں اٹھائی، جان بوجھ کر، نہ نقل کرتے ہوئے۔“

(صحيح البخاري : 6647، صحيح مسلم : 1646)

ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ باپ دادا کی قسم کھانا ناجائز اور ممنوع ہے، جبکہ دوسری حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے والد کی قسم اٹھائی ہے۔

❁ ایک دیہاتی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، امور اسلام سے متعلق سوال کیے،

آپ ﷺ نے رہنمائی فرمائی، تو کہنے لگا: میں اس سے زیادہ کروں گا نہ کم، تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

أَفْلَحَ، وَأَبِيهِ إِنْ صَدَقَ .

''اگر سچا ہے، تو اس کے باپ کی قسم! یہ کامیاب ہو گیا۔''

(صحیح مسلم: 11)

❁ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے عرض کیا: اللہ کے رسول! کون سا صدقہ اجر کے لحاظ سے افضل ہے؟ فرمایا:

أَمَا وَأَبِيكَ لَتُنَبَّأَنَّهُ أَنْ تَصَدَّقَ ....

''آپ کے باپ کی قسم! آپ کو اس بات سے آگاہ کیا جاتا ہے کہ آپ صدقہ کریں......۔''

(صحیح مسلم: 1032)

ان معارض احادیث کا کیا جواب ہے؟

جواب: بلا شبہ غیر اللہ اور آباء واجداد کی قسم اٹھانا ناجائز اور ممنوع ہے۔ قصداً غیر اللہ کی قسم اٹھانا اسلام کے کسی دور میں جائز نہیں رہا، البتہ ابتدائے اسلام میں اگر کوئی بلا قصد وارادہ مخلوق کی قسم اٹھا لیتا، تو مواخذہ نہیں تھا، بعد میں بغیر ارادے کے قسم اٹھانا بھی ممنوع ہو گیا۔ اب اگر کوئی بلا ارادہ بھی غیر اللہ کی قسم کھائے گا، تو گناہ گار ہے اور توبہ لازم ہے۔

رہا رسول اللہ ﷺ کا مخلوق کی قسم اٹھانا، تو یہ ابتدائے اسلام کی بلا قصد قسموں میں سے ہے، جن سے بعد میں منع کر دیا گیا۔

❁ حافظ خطابی رحمہ اللہ (۳۸۸ھ) فرماتے ہیں:

يَحْتَمِلُ أَنْ يَكُونَ جَرٰى ذٰلِكَ مِنْهُ عَلٰى عَادَةِ الْكَلَامِ الْجَارِي عَلَى الْأَلْسِنِ وَهُوَ لَا يَقْصِدُ بِهِ الْقَسَمَ كَلَغْوِ الْيَمِينِ الْمَعْفُوِّ عَنْهُ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى : ﴿لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوبُكُمْ﴾(البقرة : ٢٢٥)

''ممکن ہے کہ نبی کریم ﷺ کی زبان سے یہ کلمہ اسی طرح جاری ہو گیا ہو، جس طرح اہل عرب کی زبانوں پر جاری ہو جاتا تھا، اس سے نبی کریم ﷺ کا ارادہ قسم اٹھانا نہیں تھا، یہ لغو قسم کی طرح ہے، جو معاف ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوبُكُمْ﴾(البقرة : ٢٢٥) ''اللہ تعالیٰ لغو قسموں پر تمہارا مؤاخذہ نہیں کرتا، البتہ ان قسموں پر مؤاخذہ کرتا ہے، جو تم نے قصد اور ارادہ کے ساتھ اٹھائی ہوں۔''

(مَعالم السّنن: 121/1)

❀ علامہ مازری مالکی رحمہ اللہ (٥٣٦ھ) فرماتے ہیں:

لَا يُرَادُ بِهٰذَا الْقَسَمُ وَإِنَّمَا هٰذَا قَوْلٌ جَارٍ عَلٰى أَلْسِنَتِهِمْ .

''اس سے قسم مراد نہیں، بلکہ یہ ایسا کلمہ ہے، جو اہل عرب کی زبانوں پر (قسم کے ارادہ کے بغیر) جاری ہو جاتا تھا۔''

(المُعلِم بفوائد مسلم: 365/2)

❀ حافظ نووی رحمہ اللہ (٦٧٦ھ) فرماتے ہیں:

لَيْسَ هُوَ حَلِفًا إِنَّمَا هُوَ كَلِمَةٌ جَرَتْ عَادَةُ الْعَرَبِ أَنْ تُدْخِلَهَا فِي كَلَامِهَا غَيْرَ قَاصِدَةٍ بِهَا حَقِيقَةَ الْحَلِفِ وَالنَّهْيُ إِنَّمَا وَرَدَ فِيمَنْ قَصَدَ حَقِيقَةَ الْحَلِفِ لِمَا فِيهِ مِنْ إِعْظَامِ الْمَحْلُوفِ بِهِ وَمُضَاهَاتِهِ بِهِ اللّٰهَ سُبْحَانَهُ وَتَعَالٰى فَهٰذَا هُوَ الْجَوَابُ الْمُرْضِيُّ .

''یہ قسم نہیں تھی، بلکہ یہ ایسا کلمہ تھا کہ اہل عرب اسے اپنے کلام میں استعمال کرتے تھے، جس سے مقصود حقیقت میں قسم اٹھانا نہیں ہوتا تھا، جبکہ ممانعت اس صورت میں تھی، جب اس سے حقیقی طور پر قسم کا ارادہ کیا جائے، کیونکہ اس سے اس ذات کی عظمت واضح ہوتی ہے، جس کی قسم اٹھائی جا رہی ہے اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ساتھ برابری ہوتی ہے۔یہی بہترین جواب ہے۔''

(شرح النّووي :1/168، 11/105)

سوال: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿إِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾(الأحزاب : 56)

''اللہ اور اس کے فرشتے پیغمبر پر درود بھیجتے ہیں، مومنو! تم بھی ان پر درود وسلام بھیجا کرو۔''

اللہ تعالیٰ نے درود اور سلام دونوں کا حکم دیا ہے، جبکہ ہم نماز میں درود ابراہیمی پڑھتے ہیں، اس میں سلام کا ذکر نہیں۔

عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ سیدنا کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ سے میری ملاقات ہوئی، کہنے لگے: میں آپ کو عظیم الشان تحفہ نہ دوں، جسے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

سے سن رکھا ہے، عرض کیا: جی ضرور! کہنے لگے: ہم نے رسول اللہ سے سوال کیا: اللہ کے رسول! سلام کی تعلیم تو اللہ نے ہمیں دی ہے، لیکن آپ پر درود کیسے بھیجیں؟ تو فرمایا:

اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ، كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيمَ، وَعَلٰى آلِ إِبْرَاهِيمَ، إِنَّكَ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ، اللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ، كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيمَ، وَعَلٰى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ.

''اللہ! محمد اور محمد کی آل پر رحمت فرما، جیسا کہ تُو نے ابراہیم اور ان کی آل پر رحمت فرمائی، یقیناً تو قابل تعریف، بڑی شان والا ہے۔ اللہ! محمد اور ان کی آل پر برکت فرما، جیسا کہ تُو نے ابراہیم اور ان کی آل پر برکت فرمائی، یقیناً تو قابلِ ستائش اور بزرگی والا ہے۔''

(صحيح البخاري: 3370؛ صحيح مسلم: 406)

درود ابراہیمی کے بارے میں جتنے الفاظ ثابت ہیں، کسی میں سلام کا ذکر نہیں، اس کا کیا جواب ہے؟

جواب: نماز کے آخر میں جو درود ابراہیمی پڑھا جاتا ہے، اگرچہ اس میں سلام کا ذکر نہیں، مگر اس سے متصل پہلے جو ہم تشہد کے الفاظ پڑھتے ہیں، اس میں نبی کریم ﷺ پر سلام پڑھنے ذکر موجود ہے۔

نیز یہ ضروری نہیں کہ درود اور سلام اکھٹا پڑھا جائے۔ صرف درود بھی پڑھا جا سکتا ہے اور صرف سلام بھی پڑھا جا سکتا ہے۔ لہٰذا اگر کوئی نماز کے علاوہ درود ابراہیمی پڑھ لے، تو یہ جائز اور صحیح ہے۔

نبی کریم ﷺ نے اذان کے بعد درود پڑھنے کا حکم دیا ہے، سلام کا حکم نہیں دیا۔

❀ سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

إِذَا سَمِعْتُمُ الْمُؤَذِّنَ، فَقُولُوا مِثْلَ مَا يَقُولُ، ثُمَّ صَلُّوا عَلَيَّ، فَإِنَّهُ مَنْ صَلَّى عَلَيَّ صَلَاةً؛ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ بِهَا عَشْرًا، ثُمَّ سَلُوا اللّٰهَ لِيَ الْوَسِيلَةَ، فَإِنَّهَا مَنْزِلَةٌ فِي الْجَنَّةِ، لَا تَنْبَغِي إِلَّا لِعَبْدٍ مِّنْ عِبَادِ اللّٰهِ، وَأَرْجُو أَنْ أَكُونَ أَنَا هُوَ، فَمَنْ سَأَلَ لِيَ الْوَسِيلَةَ حَلَّتْ لَهُ الشَّفَاعَةُ.

”موذن کو (اذان دیتے) سنیں، تو جواب میں وہی کلمات دہرائیں، جو وہ کہہ رہا ہے، پھر مجھ پر درود بھیجیں، جو مجھ پہ درود پڑھتا ہے اللہ اس پر دس رحمتیں نازل فرماتے ہیں، درود کے بعد میرے لئے وسیلہ طلب کریں، الوسیلہ جنت کا ایک مخصوص مقام ہے جو اللہ کے کسی خاص بندے کو ہی نصیب ہوگا، امید ہے کہ وہ بندہ میں ہوں گا، سو اس کو میری شفاعت ضرور ملے گی جو میرے لئے وسیلہ طلب کرتا ہے۔“

(صحیح مسلم : 384)

یہ حدیث بھی دلیل ہے کہ نماز کے علاوہ درود ابراہیمی پڑھ سکتے ہیں، کیونکہ نبی کریم ﷺ پر درود بھیجنے پر اکتفا کرنا بھی جائز ہے۔

سوال: سیدنا ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

إِذَا مَرِضَ الْعَبْدُ، أَوْ سَافَرَ، كُتِبَ لَهُ مِثْلُ مَا كَانَ يَعْمَلُ مُقِيمًا صَحِيحًا.

”اگر کوئی حالت اقامت یا صحت یابی میں نیک عمل کرتا ہے، اسے بیماری یا سفر

میں بھی ویسے ہی اجر ملتا ہے۔“

(صحيح البخاري : 2996)

مسافر اور بیمار کو ہر اس عمل کا اجر ملتا ہے، جو وہ حالت اقامت اور حالت صحت میں کیا کرتا تھا، مگر سفر اور بیماری کی وجہ سے نہیں کر سکتا۔ کیا حائضہ کو بھی ایام حیض میں چھوڑی گئی نمازوں کا اجر ملتا ہے، کیونکہ مسافر اور بیمار کی طرح اس کا بھی عذر ہے؟

جواب: حائضہ کو ایام حیض میں چھوڑی گئی نمازوں کا اجر نہیں ملتا، مگر مسافر اور مریض کو ان اعمال کا اجر ملتا ہے، جنہیں وہ اقامت اور صحت کی حالت میں انجام دیتا تھا، مگر سفر اور مرض کی وجہ سے اب انجام نہیں دے رہا۔

اس فرق کی وجہ یہ ہے کہ مسافر اور مریض جب اقامت اور صحت میں تھے، تو انہوں نے اس عمل کو دوام کے ساتھ انجام دینے کا ارادہ کیا ہوا تھا، اب عذر کی وجہ سے وہ اپنے عمل پر دوام نہیں کر پا رہے، لہٰذا انہیں اپنے پختہ ارادے کی بنا پر نہ کرتے ہوئے بھی کرنے کا اجر ملتا ہے، یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے، جسے وہ چاہے عطا کر دے۔

البتہ جو شخص دوام کے ساتھ عمل نہیں کرتا اور نہ ہی دوام کا قصد اور ارادہ رکھتا ہے، تو اسے سفر اور مرض کی وجہ سے چھوڑے ہوئے عمل کا اجر نہیں ملتا۔

عورت دوام کے ساتھ نماز پڑھنے کا ارادہ نہیں کرتی، نہ اس کے لیے یہ ارادہ کرنا مشروع ہے، کیونکہ جو حائضہ ایام حیض میں نماز کا ارادہ کرتی ہے، وہ گناہ گار ہے۔

حیض اللہ تعالیٰ کی طرف سے عورتوں کے لیے آزمائش ہے، جس پر وہ صبر کریں، تو اللہ تعالیٰ انہیں ضرور اجر عطا فرماتا ہے، مگر نماز چھوڑنے پر انہیں اجر نہیں ملتا۔

فتاویٰ امن پوری (قسط ۳۸۲)

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

سوال: سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

أَقْبَلْتُ أَنَا وَعَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يَسَارٍ مَوْلٰى مَيْمُونَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى دَخَلْنَا عَلٰى أَبِي الْجَهْمِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ الصِّمَّةِ الْأَنْصَارِيِّ فَقَالَ أَبُو الْجَهْمِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ : أَقْبَلَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ نَحْوِ بِئْرِ جَمَلٍ فَلَقِيَهٗ رَجُلٌ فَسَلَّمَ عَلَيْهِ فَلَمْ يَرُدَّ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى أَقْبَلَ عَلَى الْجِدَارِ فَمَسَحَ بِوَجْهِهٖ وَيَدَيْهِ .

”میں اور ام المومنین سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کے غلام عبداللہ بن یسار رضی اللہ عنہ ابوجہیم بن حارث بن صمّہ انصاری رضی اللہ عنہ کے پاس آئے، ابوجہیم رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بئر جمل کی طرف سے تشریف لا رہے تھے، ایک آدمی نے آپ کو سلام کہا، آپ نے جواب نہ دیا، حتی کہ دیوار کے پاس آ کر چہرے اور دونوں ہاتھوں پر مسح کیا۔ (یعنی تیمّم کر کے جواب دیا)“

(صحیح البخاري : 337، صحیح مسلم : 369، المُنتقٰی لابن الجارود : 127)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس شخص کی دیوار سے تیمّم کیا، اس سے اجازت کیوں نہ لی؟

جواب: چونکہ نبی کریم ﷺ جانتے تھے کہ دیوار سے معمولی مَس کرنے سے دیوار کے مالک کو کوئی اعتراض نہ ہوگا، لہٰذا آپ ﷺ نے اجازت نہ لی، نیز کسی کی ملکیت میں اتنا معمولی سا تصرف سے کوئی بھی نہیں روکتا اور نبی کریم ﷺ کے متعلق تو کسی کو اعتراض نہ ہو گا، یہ عام سی بات ہے۔

سوال: سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب تحویل قبلہ کا حکم آیا تو صحابہ کی ایک جماعت بیت المقدس کی طرف منہ کرکے نماز ادا کر رہی تھی:

مَرَّ رَجُلٌ مِنْ بَنِي سَلَمَةَ وَهُمْ رُكُوعٌ فِي صَلَاةِ الْفَجْرِ، وَقَدْ صَلَّوْا رَكْعَةً، فَنَادٰى: أَلَا إِنَّ الْقِبْلَةَ قَدْ حُوِّلَتْ، فَمَالُوا كَمَا هُمْ نَحْوَ الْقِبْلَةِ.

”بنوسلمہ کا ایک شخص لوگوں کے پاس سے گزرا، جو نماز فجر پڑھتے ہوئے رکوع کر رہے تھے، پہلی رکعت پڑھ چکے تھے، اس شخص نے آواز دی: خبردار! بلاشبہ قبلہ تبدیل ہو گیا ہے، تو ان لوگوں نے اسی حالت میں اپنا منہ قبلہ (بیت اللہ) کی جانب پھیر لیا۔“

(صحيح مسلم: 527)

❁ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

بَيْنَا النَّاسُ بِقُبَاءٍ فِي صَلَاةِ الصُّبْحِ، إِذْ جَاءَهُمْ آتٍ، فَقَالَ: إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ أُنْزِلَ عَلَيْهِ اللَّيْلَةَ قُرْآنٌ، وَقَدْ أُمِرَ أَنْ يَسْتَقْبِلَ الْكَعْبَةَ، فَاسْتَقْبِلُوهَا، وَكَانَتْ

وُجُوهُهُمْ إِلَى الشَّأْمِ، فَاسْتَدَارُوا إِلَى الكَعْبَةِ .

”کچھ لوگ قبا بستی میں نماز فجر ادا کر رہے تھے کہ ایک آنے والا آیا اور کہنے لگا: بلا شبہ رسول اللہ ﷺ پر رات قرآن نازل ہوا ہے، جس میں تحویل قبلہ کا حکم دیا گیا ہے، لہٰذا آپ بھی قبلہ رو ہو جائیں۔ اس وقت ان کے منہ شام کی جانب تھے، (یہ سن کر) وہ کعبہ کی طرف پھر گئے۔“

(صحيح البخاري : 403، صحيح مسلم : 526)

بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم قطعی تھا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسے خبر واحد سے منسوخ کیوں کیا؟

جواب: خبر واحد کی سند صحیح ثابت ہو، تو وہ ہر لحاظ سے حجت ہے، اس سے قطعی حکم کا نسخ بھی ثابت ہوتا ہے۔ یہ کہنا کہ قطعی الثبوت کا نسخ خبر واحد کے ذریعہ نہیں ہو سکتا، باطل اور خود ساختہ قانون ہے۔

مندرجہ بالا احادیث دلیل ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نزدیک خبر واحد سے نسخ ثابت ہوتا ہے اور وہ اسے تسلیم کرنے میں لمحہ بھر کی تاخیر بھی نہیں کرتے تھے، نیز خبر واحد کی حجیت پر اُمت مسلمہ کا اجماع ہے۔

❀ امام ابو عوانہ رحمہ اللہ (۳۱۶ھ) فرماتے ہیں:

هٰذَا الْحَدِيثُ مِمَّا يُحْتَجُّ بِهِ فِي إِثْبَاتِ الْخَبَرِ الْوَاحِدِ .

”یہ حدیث خبر واحد کی حجیت کی دلیل ہے۔“

(مستخرج أبي عوانة، تحت الحديث : 1168)

❀ علامہ ابن العربی رحمہ اللہ (۵۴۳ھ) فرماتے ہیں:

فِيهِ قُبُولُ خَبَرِ الْوَاحِدِ فِي مَسَائِلِ الدِّينِ، وَذٰلِكَ إِجْمَاعُ الْمُسْلِمِينَ .

”اس حدیث میں دلیل ہے کہ دینی مسائل میں خبر واحد قبول ہے، اس پر مسلمانوں کا اجماع ہے۔“

(المَسالك شرح موطأ مالك : 3/346)

سوال: سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

إِنَّ خَلِيلِي أَوْصَانِي أَنْ أَسْمَعَ وَأُطِيعَ، وَإِنْ كَانَ عَبْدًا مُجَدَّعَ الْأَطْرَافِ .

”میرے خلیل ﷺ نے مجھے وصیت کی ہے کہ میں (امام وقت کی) سمع واطاعت کروں، اگر چہ وہ بے وقعت غلام ہی ہو۔“

(صحیح مسلم : 648)

اس حدیث کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ غلام کو بھی حکمران وقت بنایا جا سکتا ہے؟

جواب: غلام کو مسلمانوں کا خلیفہ اور حاکم نہیں بنایا جا سکتا ہے، دراصل حدیث میں حاکم وقت کی اطاعت کی اہمیت کو بیان کیا جا رہا ہے کہ بالفرض اگر بے وقعت اور بے حیثیت غلام، جو کسی کام کا نہیں ہوتا، بھی تم پر خلیفہ مسلط کر دیا جائے، تب بھی اس کی سمع واطاعت کرنا ضروری ہے، اس سے بغاوت نہیں کرنی، تا آنکہ واضح کفر کا ارتکاب کرے۔

سوال: سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے نبی کریم ﷺ کو عصر کے بعد دو رکعت پڑھتے دیکھا، تو ان کے بارے میں پوچھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

يَا بِنْتَ أَبِي أُمَيَّةَ، سَأَلْتِ عَنِ الرَّكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعَصْرِ، وَإِنَّهُ أَتَانِي نَاسٌ مِّنْ عَبْدِ الْقَيْسِ، فَشَغَلُونِي عَنِ الرَّكْعَتَيْنِ اللَّتَيْنِ

بَعْدَ الظُّهْرِ، فَهُمَا هَاتَانِ .

''ابو امیہ کی دختر! آپ نے عصر کے بعد دو رکعت کے بارے میں پوچھا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ میرے پاس قبیلہ عبد قیس کے کچھ لوگ آئے تھے، انہوں نے مجھے نماز ظہر کے بعد والی دو رکعت سے مصروف کر دیا، میں وہی دو رکعتیں پڑھ رہا ہوں۔''

(صحيح البخاري : 1233، صحيح مسلم : 833)

بعض کہتے ہیں کہ نماز عصر کے فوراً بعد دو رکعت پڑھنا نبی کریم ﷺ کا خاصہ تھا، جس کی وجہ آپ ﷺ نے بیان کر دی، لہٰذا کسی دوسرے کے لیے جائز نہیں کہ وہ نماز عصر کے فوراً بعد نماز پڑھے، اس کا کیا جواب ہے؟

جواب: نبی کریم ﷺ نے عصر کے بعد جو دو رکعت ادا کیں، وہ نماز ظہر کے بعد والی دو سنت تھیں۔ اس میں کوئی شک نہیں، لیکن نبی کریم ﷺ نے بھی ظہر کی دو رکعت کی قضا عصر کا بعد اسی لیے دی، کیونکہ عصر کے بعد نوافل پڑھے جا سکتے تھے۔

پھر اس پر کوئی دلیل نہیں کہ عصر کے بعد دو رکعت پڑھنا نبی کریم ﷺ کا خاصہ ہے، نہ آپ ﷺ نے اسے اپنا خاصہ قرار دیا ہے، نہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام نے اسے نبی کریم ﷺ کا خاصہ بتایا ہے۔

اصل یہی ہے کہ نبی کریم ﷺ کے ہر عمل کی اقتدا کی جائے گی، سوائے اس کے کہ خاصہ پر کوئی دلیل قائم ہو جائے۔ پھر اس میں نبی کریم ﷺ کے خاصہ نہ ہونے پر بے شمار دلائل قائم ہیں۔ کئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم قولاً وفعلاً نماز عصر کے بعد دو رکعت پڑھنا جائز سمجھتے تھے۔ کسی صحابی سے نماز عصر کے فوراً بعد دو رکعت یا نوافل کی ممانعت ثابت نہیں۔

ممانعت والی تمام احادیث غروب آفتاب کے وقت پر محمول ہیں۔

❀ عبدالعزیز بن رُفَیع رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

رَأَيْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ الزُّبَيْرِ يُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعَصْرِ، وَيُخْبِرُ أَنَّ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا حَدَّثَتْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَدْخُلْ بَيْتَهَا، إِلَّا صَلَّاهُمَا .

''میں نے سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو عصر کے بعد دو رکعت پڑھتے دیکھا۔ انہوں نے بتایا کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی ان کے گھر تشریف لائے تو آپ نے دو رکعت ضرور ادا کیں۔''

(صحيح البخاري :1631)

❀ عاصم بن ضمرہ رحمہ اللہ کہتے ہیں:

كُنَّا مَعَ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فِي سَفَرٍ، فَصَلّٰى بِنَا الْعَصْرَ رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ دَخَلَ فُسْطَاطَهٗ، وَأَنَا أَنْظُرُ، فَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ .

''ہم علی رضی اللہ عنہ کے ہمراہ سفر میں تھے۔انہوں نے ہمیں عصر کی دو رکعت پڑھائیں، پھر خیمے میں داخل ہوئے اور دو رکعت ادا کیں۔ میں یہ منظر دیکھ رہا تھا۔''

(السنن الكبرٰى للبيهقي : 459/2، وسندهٗ حسنٌ)

معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فہم میں عصر کے بعد دو رکعت ادا کرنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خاصہ نہیں، بلکہ ساری کی ساری اُمت کے لیے جائز ہے۔

سوال: سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک جنازے پر جب لوگ تعریف کر رہے تھے،تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

وَجَبَتْ، وَجَبَتْ، وَجَبَتْ، وَمُرَّ بِجَنَازَةٍ فَأُثْنِيَ عَلَيْهَا شَرًّا، فَقَالَ نَبِيُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : وَجَبَتْ، وَجَبَتْ، وَجَبَتْ، قَالَ عُمَرُ : فِدًى لَكَ أَبِي وَأُمِّي، مُرَّ بِجَنَازَةٍ، فَأُثْنِيَ عَلَيْهَا خَيْرٌ، فَقُلْتَ : وَجَبَتْ، وَجَبَتْ، وَجَبَتْ، وَمُرَّ بِجَنَازَةٍ، فَأُثْنِيَ عَلَيْهَا شَرٌّ، فَقُلْتَ : وَجَبَتْ، وَجَبَتْ، وَجَبَتْ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : مَنْ أَثْنَيْتُمْ عَلَيْهِ خَيْرًا وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ، وَمَنْ أَثْنَيْتُمْ عَلَيْهِ شَرًّا وَجَبَتْ لَهُ النَّارُ، أَنْتُمْ شُهَدَاءُ اللّٰهِ فِي الْأَرْضِ، أَنْتُمْ شُهَدَاءُ اللّٰهِ فِي الْأَرْضِ، أَنْتُمْ شُهَدَاءُ اللّٰهِ فِي الْأَرْضِ .

”واجب ہوگئی، واجب ہوگئی، واجب ہوگئی، پھر ایک اور جنازہ گزرا، اس کی مذمت کی گئی، تو فرمایا: واجب ہوگئی، واجب ہوگئی، واجب ہوگئی، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: میرے ماں باپ آپ پر قربان، پہلے ایک جنازہ گزرا، اس کی تعریف کی گئی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: واجب ہوگئی، واجب ہوگئی، واجب ہوگئی، پھر ایک جنازہ گزرا، اس کی مذمت کی گئی، تو آپ نے فرمایا: واجب ہوگئی، واجب ہوگئی، واجب ہوگئی، فرمایا: آپ لوگوں نے جس کی تعریف کی تھی، اس کے لیے جنت واجب ہوگئی اور جس کی مذمت کی تھی، اس کے لیے جہنم واجب ہوگئی، آپ زمین میں اللہ تعالیٰ کے گواہ ہیں، آپ زمین میں اللہ تعالیٰ کے گواہ ہیں۔“

(صحيح البخاري : 1367؛ صحيح مسلم : 949؛ واللّفظ لهٗ)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صحابہ نے ایک میت کی برائی کی، مگر رسول اللہ ﷺ نے منع نہیں کیا، جبکہ اس کے معارض حدیث میں مردوں کو برا بھلا کہنے سے منع کیا گیا ہے۔

❀ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لَا تَسُبُّوا الْأَمْوَاتَ، فَإِنَّهُمْ قَدْ أَفْضَوْا إِلٰى مَا قَدَّمُوا.

''فوت شدگان کو برا بھلا مت کہیں، وہ اپنے کیے کا بدلہ پا چکے ہیں۔''

(صحيح البخاري : 1393)

اس تعارض کا کیا جواب ہے؟

(جواب): جو شخص اعلانیہ گناہ نہیں کرتا اور اُمت کے لیے وہ باعث فتنہ نہیں، تو وہ زندہ ہو یا فوت ہو جائے، اسے برا بھلا کہنا جائز نہیں ہے۔ ممانعت والی حدیث کا تعلق اسی طرح کے آدمی کے ساتھ ہے۔

اگر کوئی شخص اعلانیہ گناہ کا مرتکب ہے، تو سلف کی رائے اس بارے میں مختلف ہے، خلاصہ یہ ہے کہ فوت شدگان کو برا بھلا کہنے پر ممانعت وارد ہوئی ہیں، البتہ فتنہ پروروں کو برا بھلا کہنا اور ان کی بدبختی کا تذکرہ کرنا صریح نصوص سے ثابت ہے، مثلاً قرآن میں فاسقوں کا تذکرہ کرنا، مومنین کو اس کی اشاعت کا حکم دینا، اسی طرح صحیح احادیث میں بھی اس طرح کے تذکرے موجود ہیں، مثلاً نبی کریم ﷺ نے عمرو بن لحی کا تذکرہ کیا، وغیرہ۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جس کی برائی بیان کی تھی، وہ منافق اور کافر تھا، اس لیے نبی کریم ﷺ نے منع نہیں فرمایا۔

یوں دونوں احادیث کا معنی متعین ہو جاتا ہے۔

(سوال): سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا يَحِلُّ لِلْمَرْأَةِ أَنْ تَصُومَ وَزَوْجُهَا شَاهِدٌ إِلَّا بِإِذْنِهِ .

''جس عورت کا خاوند موجود ہو، تو اس کے جائز نہیں کہ وہ خاوند کی اجازت کے بغیر (نفلی) روزہ رکھے۔''

(صحيح البخاري : 5195، صحيح مسلم : 1026)

اعتراض کیا جاتا ہے کہ اگر عورت کے لیے خاوند کی اجازت کے بغیر نفل روزہ رکھنا جائز ہوتا ہے، تو زیادہ بہتر تھا، کیونکہ اگر خاوند وظیفہ زوجیت ادا کرنا چاہتا، تو عورت روزہ توڑ دیتی، ورنہ عورت روزہ پورا کر لیتی اور نیکی حاصل کر لیتی۔ اس کا کیا جواب ہے؟

(جواب): دراصل یہ حدیث خاوند کے حقوق بیان کرتی ہے۔ عورت نفل روزہ بھی خاوند کی اجازت سے نہ رکھے، کیونکہ اگر وہ بغیر اجازت روزہ رکھ لے، تو خاوند کا دل نہیں چاہے گا کہ بیوی کا روزہ فاسد کر دے اور خاوند روزہ فاسد کرنے میں ہچکچاہٹ اور گھبراہٹ سی محسوس کرے گا۔ اس لیے بیوی کے لیے ضروری قرار دے دیا کہ وہ خاوند کے حقوق کی رعایت رکھے، یقیناً خاوند کا حق ادا کرنے میں بھی اللہ تعالیٰ نے نیکی رکھی ہے۔

البتہ اگر خاوند وظیفہ ازدواج قائم نہیں کرنا چاہتا، تو بیوی خاوند سے اجازت لے کر روزہ رکھ لے، یہ حدیث عائلی زندگی کو خوشگوار بنانے کی ضامن ہے۔

(سوال): سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

لَمَّا قَدِمَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِينَةَ، وُعِكَ أَبُو بَكْرٍ، وَبِلَالٌ ...... قَالَ : اَللّٰهُمَّ الْعَنْ شَيْبَةَ بْنَ رَبِيعَةَ، وَعُتْبَةَ بْنَ رَبِيعَةَ، وَأُمَيَّةَ بْنَ خَلَفٍ كَمَا أَخْرَجُونَا مِنْ أَرْضِنَا إِلٰى أَرْضِ

الْوَبَاءِ، ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اَللّٰهُمَّ حَبِّبْ إِلَيْنَا الْمَدِينَةَ كَحُبِّنَا مَكَّةَ أَوْ أَشَدَّ، اللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِي صَاعِنَا وَفِي مُدِّنَا، وَصَحِّحْهَا لَنَا، وَانْقُلْ حُمَّاهَا إِلَى الْجُحْفَةِ، قَالَتْ: وَقَدِمْنَا الْمَدِينَةَ وَهِيَ أَوْبَأُ أَرْضِ اللّٰهِ.

''جب رسول اللہ ﷺ (ہجرت کر کے) مدینہ تشریف لائے، تو سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو سخت بخار ہو گیا۔...... بلال رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: اللہ! تو شیبہ بن ربیعہ، عتبہ بن ربیعہ اور اُمیہ بن خلف پر لعنت فرما، انہوں نے ہمیں ہمارے وطن (مکہ) سے وبائی علاقہ (مدینہ) کی طرف نکلنے پر مجبور کر دیا ہے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ! جس طرح ہمیں مکہ محبوب تھا، اسی طرح یا اس سے بھی زیادہ ہمارے لیے مدینہ محبوب بنا دے، اللہ! ہمارے صاع اور مُد میں برکت فرما، مدینہ کو ہمارے موافق کر دے، اس کے بخار کو جحفہ کی طرف منتقل فرما دے۔ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: ہم مدینہ آئے، تو اس وقت مدینہ سب سے زیادہ وبائی علاقہ تھا۔''

(صحيح البخاري: 1889، صحيح مسلم: 1376)

نبی کریم ﷺ نے وبائی علاقہ کی طرف ہجرت کیوں کی، جبکہ وباء والے علاقہ کی طرف جانے سے منع کیا گیا ہے۔

❁ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

إِذَا سَمِعْتُمْ بِهِ بِأَرْضٍ فَلَا تَقْدَمُوا عَلَيْهِ، وَإِذَا وَقَعَ بِأَرْضٍ وَّأَنْتُمْ بِهَا فَلَا تَخْرُجُوا فِرَارًا مِّنْهُ.

”اگر آپ کو کسی جگہ کوڑھ کے مرض کا علم ہو، تو وہاں مت جائیں اور اگر آپ کے علاقہ میں کوڑھ کا مرض نازل ہو، تو وہاں سے بھاگ کر مت جائیں۔“

(صحيح البخاري : 5729، صحيح مسلم : 2219)

تعارض کا کیا حل ہے؟

جواب: یقیناً وبائی علاقہ میں جانا اور وہاں سے نکلنا منع ہے۔ مدینہ وبائی علاقہ تھا، نبی کریم ﷺ مدینہ کیوں گئے؟ اس کے دو جواب ہیں؛

① ہجرت مدینہ اس وقت ہوئی، جب ابھی وبائی علاقہ میں جانے اور وہاں سے نکلنے کی ممانعت نہیں تھی، کیونکہ یہ ممانعت ہجرت مدینہ کے بعد ہوئی۔

② ممانعت ان وباؤں کی وجہ سے ہے، جو عموماً موت کا سبب بنیں، یعنی مہلک اور متعدی امراض والے علاقوں کی طرف جانے اور وہاں سے نکلنے کی ممانعت ہے، جیسے کوڑھ اور طاعون وغیرہ۔

جبکہ مدینہ میں بخار اور پیٹ خراب ہونے کی وبا تھی، جو اکثر ان لوگوں کو ہوتی تھی، جو مدینہ میں نئے نئے وارد ہوں۔ اس لیے بعض صحابہ کو بھی بخار ہو گیا۔ بعد میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کی دعا کی برکت سے مدینہ کو اس وبا سے بھی پاک کر دیا اور اس کی آب و ہوا کو ساز گار بنا دیا۔

سوال: کیا حالت حیض میں بیوی کو طلاق دینا حرام ہے؟

جواب: حالت حیض میں بیوی کو طلاق دینا حرام اور ناجائز ہے، البتہ یہ طلاق واقع ہو جائے گا اور خاوند کو رجوع کا حکم دیا جائے گا۔

❁ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دے دی، تو

ان کے والد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مسئلہ دریافت کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مُرْهُ فَلْيُرَاجِعْهَا، ثُمَّ لِيُمْسِكْهَا حَتّٰى تَطْهُرَ، ثُمَّ تَحِيضَ ثُمَّ تَطْهُرَ، ثُمَّ إِنْ شَاءَ أَمْسَكَ بَعْدُ، وَإِنْ شَاءَ طَلَّقَ قَبْلَ أَنْ يَمَسَّ، فَتِلْكَ الْعِدَّةُ الَّتِي أَمَرَ اللّٰهُ أَنْ تُطَلَّقَ لَهَا النِّسَاءُ.

”انہیں کہیں کہ رجوع کر لیں، پھر طہر تک روکے رکھیں، تا آنکہ بیوی حیض کے بعد دوبارہ طہر میں آ جائے۔ پھر رکھنا چاہیں، تو رکھیں، طلاق دینا چاہیں، تو طلاق دے دیں۔ اللہ کا مقرر کردہ اندازِ طلاق یہی ہے۔“

(صحیح البخاري: 2551، صحیح مسلم: 1471)

❁ حافظ نووی رحمہ اللہ (٦٧٦ھ) فرماتے ہیں:

أَجْمَعَتِ الْأُمَّةُ عَلٰى تَحْرِيمِ طَلَاقِ الْحَائِضِ الْحَائِلِ بِغَيْرِ رِضَاهَا فَلَوْ طَلَّقَهَا أَثِمَ وَوَقَعَ طَلَاقُهُ وَيُؤْمَرُ بِالرَّجْعَةِ.

”اُمت کا اجماع ہے کہ حائضہ کو اس کی رضامندی کے بغیر (حالت حیض میں) طلاق دینا حرام ہے، اگر وہ اسے طلاق دے گا، تو گناہ گار ہوگا، البتہ طلاق واقع ہو جائے گی اور رجوع کا حکم دیا جائے گا۔“

(شرح مسلم: 60/10)

سوال: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا تُصَرُّوا الْإِبِلَ وَالْغَنَمَ، فَمَنِ ابْتَاعَهَا بَعْدُ فَإِنَّهُ بِخَيْرِ النَّظَرَيْنِ بَعْدَ أَنْ يَحْتَلِبَهَا، إِنْ شَاءَ أَمْسَكَ، وَإِنْ شَاءَ رَدَّهَا وَصَاعَ تَمْرٍ.

”(خریدار کو دھوکا دینے کے لیے) اونٹنیوں اور بکریوں کا دودھ نہ روکیں، جو

ایسا جانور خرید لے، وہ دو باتوں میں سے ایک کا اختیار رکھتا ہے، چاہے تو اسے اپنے پاس رکھ لے اور چاہے تو مالک کو واپس کر دے، ساتھ کھجوروں کا ایک صاع بھی دے۔''

(صحيح البخاري : 2148، صحيح مسلم : 1524)

❀ صحیح مسلم کے الفاظ ہیں:

مَنِ ابْتَاعَ شَاةً مُّصَرَّاةً فَهُوَ فِيهَا بِالْخِيَارِ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ، إِنْ شَاءَ أَمْسَكَهَا، وَإِنْ شَاءَ رَدَّهَا، وَرَدَّ مَعَهَا صَاعًا مِّنْ تَمْرٍ، لَا سَمْرَاءَ .

''جو دودھ روکی ہوئی بکری خرید لے، وہ تین دن تک (واپس کرنے کا) اختیار رکھتا ہے اور اگر اس نے بکری واپس کرنی ہو، تو اس کے ساتھ ایک کھجور کا صاع بھی دے، نہ کہ گندم کا۔''

خریدار نے جب جانور میں عیب پایا، تو وہ دودھ کے بدلے ایک صاع کھجور کیوں دے، جبکہ دھوکہ تو بیچنے والے نے کیا ہے، چٹی بھی اسے ہی پڑنی چاہیے؟

❀ علامہ سرفراز خان صفدر دیوبندی صاحب کہتے ہیں:

''یہ حدیث ''الخراج بالضمان'' کی حدیث کے خلاف ہے (أبو داود : ۱۳۹/۲ [۳۵۰۸، وسندہٗ حسنٌ]) یعنی جو شخص کسی چیز کے نقصان کو برداشت کرتا ہے تو چیز کا نفع بھی اس کا ہو گا، چونکہ مشتری (خریدار) دودھ دینے والے جانور کا خرچہ اٹھاتا ہے، اس لیے اس کے دودھ کا حقدار بھی وہی ہے، جو عادتاً چارہ کی قیمت سے زیادہ ہوتا ہے، اس کے بدلے میں اسے بائع (بیچنے والے) کو کچھ بھی نہیں دینا پڑتا، جبکہ حدیث المصراۃ میں ''صاع من التمر'' (ایک صاع

کھجوروں کا) دینا پڑتا ہے۔'' (الکلام المفید، ص ۲۷۳)

جواب: یہ تمام باتیں نبی کریم ﷺ کے مدنظر تھیں، اس کے باوجود آپ نے ایک صاع کھجوریں بھی دینے کا حکم فرمایا۔ یہ خوامخواہ احادیث میں تعارض پیدا کر کے آسان مسائل کو الجھانے والی بات ہے۔

حدیث ''الخراج بالضمان'' عام ہے اور حدیث مصراۃ خاص ہے، عام اور خاص میں تعارض ہو، تو خاص کو مقدم کرتے ہیں، لہٰذا تعارض ختم ہوا۔

❁ امام طحاوی رحمہ اللہ نے حدیث مصراۃ کو حدیث ''الخراج بالضمان'' کے معارض قرار دیا، تو اس کے جواب میں علامہ انور شاہ کشمیری دیوبندی صاحب کہتے ہیں:

أَقُولُ : إِنَّ هٰذَا الْجَوَابَ لَيْسَ بِذَاكَ الْقَوِيِّ .

''یہ کوئی ٹھوس (تسلی بخش) جواب نہیں۔''

(العَرف الشّذي :368/1)

سوال: سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

قَدِمَ أُنَاسٌ مِنْ عُكْلٍ أَوْ عُرَيْنَةَ، فَاجْتَوَوُا الْمَدِينَةَ فَأَمَرَهُمُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، بِلِقَاحٍ، وَأَنْ يَشْرَبُوا مِنْ أَبْوَالِهَا وَأَلْبَانِهَا فَانْطَلَقُوا، فَلَمَّا صَحُّوا، قَتَلُوا رَاعِيَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَاسْتَاقُوا النَّعَمَ، فَجَاءَ الْخَبَرُ فِي أَوَّلِ النَّهَارِ، فَبَعَثَ فِي آثَارِهِمْ، فَلَمَّا ارْتَفَعَ النَّهَارُ جِيءَ بِهِمْ، فَأَمَرَ فَقَطَعَ أَيْدِيَهُمْ وَأَرْجُلَهُمْ، وَسُمِرَتْ أَعْيُنُهُمْ، وَأُلْقُوا فِي الْحَرَّةِ،

يَسْتَسْقُونَ فَلَا يُسْقَوْنَ . قَالَ أَبُو قِلَابَةَ : فَهٰؤُلَاءِ سَرَقُوا وَقَتَلُوا، وَكَفَرُوا بَعْدَ إِيمَانِهِمْ، وَحَارَبُوا اللّٰهَ وَرَسُولَهٗ .

”قبیلہ عکل یا عرینہ کے کچھ لوگ آئے، ان کو مدینہ کی آب و ہوا موافق نہ آئی۔ نبی اکرم ﷺ نے ان کو بیت المال کی اونٹنیوں کے پاس جانے اور ان کا پیشاب اور دودھ پینے کا حکم دیا۔ چنانچہ وہ چلے گئے، جب وہ تندرست ہو گئے تو انہوں نے نبی اکرم ﷺ کے چرواہے کو قتل کر دیا اور اونٹ ہانک کر لے گئے۔ یہ خبر صبح ہی پہنچ گئی، آپ نے ان کے پیچھے صحابہ کو بھیجا، جب دن چڑھ آیا تو ان کو پکڑ لایا گیا۔ آپ نے حکم دیا اور ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے گئے، ان کی آنکھیں نکال دی گئیں اور ان کو پتھریلی زمین میں پھینک دیا گیا۔ وہ پانی مانگتے تھے لیکن ان کو پانی دیا نہ گیا۔ ابو قلابہ تابعی فرماتے ہیں کہ ان لوگوں کا یہ انجام اس لئے ہوا کہ انہوں نے قتل کیا، چوری کی، ایمان لانے کے بعد مرتد ہوئے اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے خلاف اعلان جنگ کیا۔“

(صحيح البخاري : 233، صحيح مسلم : 1671)

❁ صحیح مسلم کے الفاظ ہیں:

إِنْ شِئْتُمْ أَنْ تَخْرُجُوا إِلٰى إِبِلِ الصَّدَقَةِ، فَتَشْرَبُوا مِنْ أَلْبَانِهَا وَأَبْوَالِهَا .

”اگر آپ چاہیں، تو صدقہ کی اونٹنیوں کی طرف جائیں اور ان کا پیشاب اور دودھ (ملا کر) پئیں۔“

نبی کریم ﷺ نے انہیں صدقہ کی اونٹنیوں کا دودھ پینے کی اجازت کیوں دی؟

(جواب): صدقہ والی اونٹنیوں کا دودھ محتاج مسلمانوں کے لیے ہوتا تھا، اس وقت عرینہ اور عکل قبیلہ کے لوگ بھی محتاج مسلمان تھے، تو نبی کریم ﷺ نے انہیں صدقہ والی اونٹنیوں کا دودھ پینے کی اجازت دی۔

(سوال): سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

غَزَوْنَا جَيْشَ الْخَبَطِ، وَأُمِّرَ أَبُو عُبَيْدَةَ، فَجُعْنَا جُوعًا شَدِيدًا، فَأَلْقَى الْبَحْرُ حُوتًا مَّيِّتًا لَمْ يُرَ مِثْلُهُ، يُقَالُ لَهُ الْعَنْبَرُ، فَأَكَلْنَا مِنْهُ نِصْفَ شَهْرٍ، فَأَخَذَ أَبُو عُبَيْدَةَ عَظْمًا مِّنْ عِظَامِهِ، فَمَرَّ الرَّاكِبُ تَحْتَهُ.

''ہم نے غزوہ خبط میں شرکت کی، ہمارے امیر سیدنا ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ تھے، ہم بھوک سے دوچار تھے کہ سمندر نے مردار مچھلی باہر پھینک دی، جس کا نام عنبر تھا۔ وہ مچھلی ہم نے تقریبا نصف ماہ کھائی۔ سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے اس کی ایک ہڈی سیدھی کی، (وہ اتنی بڑی تھی کہ) ایک سوار اس کے نیچے سے گزر گیا۔''

(صحيح البخاري: 5493، صحيح مسلم: 1935)

بعض کہتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سمندر سے باہر پڑی مردار عنبر مچھلی اس لیے کھائی، کیونکہ وہ مجبور اور بھوکے تھے، ان کے پاس کھانے کے لیے کچھ نہ تھا، لہٰذا زندہ رہنے کے لیے انہوں نے وہ مردار مچھلی کھالی۔ ایسا نہیں کہ وہ اس مچھلی حلال کو حلال سمجھتے تھے۔

اس اعتراض کا کیا جواب ہے؟

(جواب): یہ کہنا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عنبر مچھلی اضطراری حالت میں کھائی، بے دلیل ہے۔ یہ دعویٰ کئی اعتبار سے باطل ہے۔

① اضطراری حالت میں مردار کھانے کی اجازت بقدر کفایت ہے، جبکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کئی دن تک یہ مردار مچھلی کھائی۔

② رسول اللہ ﷺ کو اس واقعہ کی خبر ہوئی، تو رسول اللہ ﷺ نے بھی اس مچھلی کا گوشت طلب کیا۔

❀ نبی کریم ﷺ سے اس بارے میں پوچھا گیا، تو فرمایا:

كُلُوا، رِزْقًا أَخْرَجَهُ اللّٰهُ، أَطْعِمُونَا إِنْ كَانَ مَعَكُمْ فَأَتَاهُ بَعْضُهُمْ فَأَكَلَهُ.

”اسے کھالیں، یہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے رزق پیدا کیا ہے، اگر کچھ حصہ بچا ہو، تو ہمیں بھی کھلائیے گا، ایک صحابہ نے اس مچھلی کا گوشت پیش کیا، تو آپ ﷺ نے تناول فرمایا۔“

(صحيح البخاري : 4362، صحيح مسلم : 1935)

بالفرض صحابہ نے اضطراری حالت میں کھائی تھی، تو نبی کریم ﷺ نے اس مچھلی کا گوشت کھانے کی خواہش کیوں کی؟ یقیناً نبی کریم ﷺ نے بھی اس مچھلی کا گوشت حلال اور مباح جانا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عمل کی تائید کی۔

❀ علامہ ابن ابی العز حنفی رحمہ اللہ (۷۹۲ھ) فرماتے ہیں:

لَا يُقَالُ : إِنَّ الصَّحَابَةَ كَانُوا مُضْطَرِّينَ فَأَكَلُوهُ لِلضَّرُورَةِ، لِأَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَكَلَ مِنْهُ، وَلَا يُقَالُ : إِنَّهُ يَحْتَمِلُ أَنْ يَكُونَ قَدْ نَضَبَ عَنْهُ الْمَاءُ أَوْ لَفَظَهُ، لِأَنَّهُ قَالَ : فَأَلْقَى الْبَحْرُ حُوتًا مَيِّتًا، فَعُلِمَ أَنَّ الْمَوْجَ أَلْقَاهُ إِلَى السَّاحِلِ بَعْدَ أَنْ

مَّاتَ فِي الْمَاءِ .

”ایسا نہیں کہا جائے گا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم (بھوک کی وجہ سے) مجبور تھے، اس لیے انہوں نے ضرورت کے تحت وہ مردار مچھلی کھا لی۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس مچھلی کا گوشت کھایا ہے۔ یہ بھی نہیں کہا جا سکتا ہے کہ ممکن ہے کہ سمندر کا پانی خشک ہو گیا ہو یا سمندر نے اسے (زندہ حالت میں) باہر پھینکا ہو۔ کیونکہ صحابی کے الفاظ ہیں: ”سمندر نے ایک مردہ مچھلی باہر پھینکی۔“ اس سے معلوم ہوا کہ پانی کی لہر نے جو مچھلی ساحل پر پھینکی تھی، وہ پانی میں پہلے ہی مر چکی تھی۔“

(التّنبیه علی مُشکِلات الهِدایة : 754/5)

ثابت ہوا کہ مردار مچھلی کھانا حلال ہے، کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی کھائی ہے۔

سوال: سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کرب و پریشانی، رنج و غم اور مصائب و آلام کے وقت یہ دعا پڑھا کرتے تھے:

لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ الْعَلِيمُ الْحَلِيْمُ، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ رَبُّ السَّمٰوَاتِ وَرَبُّ الْاَرْضِ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيمِ .

”اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، وہ خوب علم والا اور بردبار ہے، اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ عرشِ عظیم کا مالک ہے، اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ آسمانوں، زمینوں اور عزت والے عرش کا رب ہے۔“

(صحیح البخاري : 6345؛ صحیح مسلم : 2730)

❁ صحیح مسلم کے الفاظ ہیں:

لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ الْعَظِيمُ الْحَلِيمُ، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ رَبُّ السَّمَاوَاتِ وَرَبُّ الْأَرْضِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيمِ .

''اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ عظمت والا اور بردبار ہے، اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں، وہ عرشِ عظیم کا مالک ہے، اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ آسمانوں، زمینوں اور عزت والے عرش کا رب ہے۔''

(صحیح مسلم : 2730)

اس دعا میں رنج والم سے بچاؤ کے کوئی دعائیہ الفاظ نہیں، یہ تو ذکر ہے، اس میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا ہے، تو اسے دعائے کرب کیوں کہتے ہیں؟

جواب: اگرچہ اس دعا کے الفاظ ذکر ہیں اور ان میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا ہے، مگر حقیقت میں یہ دعا ہی ہے، کیونکہ بسا اوقات انسان کو اپنے مانگنے سے وہ نہیں ملتا، جو اللہ تعالیٰ اپنے لطف وکرم اور رحمت سے عطا کر دیتا ہے۔

اس دعا میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا اور تعریفی کلمات بیان کیے جاتے ہیں، جن سے اللہ تعالیٰ راضی ہو جاتا ہے اور انسان کو کرب واَلم سے نجات عطا فرما دیتا ہے۔

کئی دفعہ انسان پر کرب و پریشانی اس کے گناہوں اور ذکر الٰہی سے دوری کی وجہ سے آتی ہے، جیسے ہی بندہ یہ ذکر کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہو جاتا ہے اور اسے پریشانی سے نجات عطا فرما دیتا ہے۔

سوال: سیدنا کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

لَمَّا جَاءَ نِي الَّذِي سَمِعْتُ صَوْتَهُ يُبَشِّرُنِي، فَنَزَعْتُ لَهُ ثَوْبَيَّ فَكَسَوْتُهُمَا إِيَّاهُ بِبِشَارَتِهِ، وَاللّٰهِ مَا أَمْلِكُ غَيْرَهُمَا يَوْمَئِذٍ،

وَاسْتَعَرْتُ ثَوْبَيْنِ فَلَبِسْتُهُمَا، فَانْطَلَقْتُ أَتَأَمَّمُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ...... فَلَمَّا جَلَسْتُ بَيْنَ يَدَيْهِ قُلْتُ : يَا رَسُولَ اللّٰهِ، إِنَّ مِنْ تَوْبَتِي أَنْ أَنْخَلِعَ مِنْ مَالِي صَدَقَةً إِلَى اللّٰهِ، وَإِلٰى رَسُولِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

''جس شخص کی میں نے آواز سنی تھی، جب وہ میرے پاس مجھے (توبہ قبول ہونے کی) خوش خبری دینے آیا، تو میں نے اس کے لیے اپنے دونوں کپڑے اتارے اور اسے پہنا دیے، کیونکہ اس نے مجھے خوش خبری سنائی تھی۔ اللہ کی قسم! ان دنوں میرے پاس سوائے ان دو کپڑے کے کوئی کپڑا نہیں تھا، میں نے دو کپڑے اُدھار لیے، انہیں پہنا اور رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کے ارادہ سے نکلا۔ ...... جب میں آپ ﷺ کے سامنے بیٹھا، تو عرض کیا: اللہ کے رسول! میری توبہ یہ ہے کہ میں اپنے مال سے الگ ہو جاتا ہوں اور اسے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی خدمت میں بطور صدقہ پیش کرتا ہوں۔''

(صحیح مسلم : 2769)

جب سیدہ کعب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں ان دنوں دو کپڑوں کے علاوہ کسی شے کا مالک نہیں تھا، تو پھر رسول اللہ ﷺ کو کس مال کا صدقہ پیش کیا؟

جواب: سیدنا کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کے پاس اُن دنوں دو کپڑوں کے علاوہ کپڑے نہیں تھے، اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان کی کوئی اور منقولہ وغیر منقولہ جائیداد نہیں تھی۔

نبی کریم ﷺ کو جو مال پیش کیا، وہ باغات تھے، جن کے وہ مالک تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ باغات اپنی ملکیت میں رکھیں، ان کا پھل صدقہ کر دیں۔

فتاویٰ امن پوری (قسط ۳۸۳)

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

سوال: سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

سَأَلْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : هَلْ رَأَيْتَ رَبَّكَ؟ قَالَ : نُورٌ أَنَّى أَرَاهُ .

”میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ کیا آپ نے اپنے ربّ کو دیکھا ہے؟ فرمایا: وہ تو نور ہے، میں اسے کیسے دیکھ سکتا ہوں؟“

(صحيح مسلم : 178)

اس روایت میں نبی کریم ﷺ معراج کی رات اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کی نفی کر رہے ہیں کہ وہ تو نور ہے، میں اسے کیسے دیکھ سکتا ہوں؟

جبکہ دوسری حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے نور دیکھا؟

❀ عبداللہ بن شقیق رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

قُلْتَ لِأَبِي ذرٍّ، لَوْ رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم لَسَأَلْتُهُ فَقَالَ : عَنْ أَيِّ شَيْءٍ كُنْتَ تَسْأَلُهُ؟ قَالَ : كُنْتُ أَسْأَلُهُ هَلْ رَأَيْتَ رَبَّكَ؟ قَالَ أَبُو ذَرٍّ : قَدْ سَأَلْتُ، فَقَالَ : رَأَيْتُ نُورًا .

”میں نے سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے عرض کیا: اگر میں نے رسول اللہ ﷺ کا

دیدار کیا ہوتا، تو ایک سوال ضرور کرتا۔ ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: کون سا سوال؟ عرض کیا: میں یہ سوال پوچھتا کہ کیا آپ نے (معراج کی رات) اپنے رب کا دیدار کیا؟ ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے) یہ سوال پوچھا تھا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے نور دیکھا۔‘‘

(صحیح مسلم: 178)

جواب: دونوں حدیثوں میں تطبیق یہ ہے کہ نور دو طرح کا ہے۔ ① اللہ تعالیٰ کی صفت ② مخلوق۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس حدیث میں نور دیکھنے کی نفی کی ہے، اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا صفاتی نور ہے اور جس حدیث میں نور دیکھنے کا اثبات ہے، اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا پیدا کردہ نور ہے، یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ نور دیکھا، جو اُفق میں اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا تھا۔

✿ امام ابن حبان رحمہ اللہ (۳۵۴ھ) فرماتے ہیں:

مَعْنَاهُ أَنَّهُ لَمْ يَرَ رَبَّهُ، وَلٰكِنْ رَآى نُورًا عُلْوِيًّا مِنْ أَنْوَارِ الْمَخْلُوقَةِ .

’’اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ربّ کو نہیں دیکھا، بلکہ مخلوق (فرشتوں) کے نوروں میں سے ایک بلند نور دیکھا تھا۔‘‘

(صحیح ابن حبان، تحت الحدیث: 58)

✿ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (۷۲۸ھ) فرماتے ہیں:

لَيْسَ فِي الْأَدِلَّةِ مَا يَقْتَضِي أَنَّهُ رَآهُ بِعَيْنِهِ، وَلَا ثَبَتَ ذٰلِكَ عَنْ أَحَدٍ مِّنَ الصَّحَابَةِ، وَلَا فِي الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ مَا يَدُلُّ عَلٰى ذٰلِكَ، بَلِ النُّصُوصُ الصَّحِيحَةُ عَلٰى نَفْيِهِ أَدَلُّ .

”کوئی دلیل ایسی نہیں، جس کا یہ تقاضا ہو کہ نبی کریم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ نہ یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی سے ثابت ہے نہ کتاب وسنت میں کوئی ایسی دلیل ہے۔ اس کے برعکس صحیح نصوص اس کی نفی میں زیادہ واضح ہیں۔“

(مجموع الفتاویٰ: 509/6)

بعض اہل علم نے یہ معنی بھی کیا ہے کہ دونوں احادیث میں نور سے مراد مخلوق نور ہی ہے۔ اس اعتبار سے نُورٌ أَنّٰی أَرَاهُ کا معنی یہ ہوگا کہ میری آنکھوں میں نور اور تیز روشنی پڑی، جس وجہ سے مجھے کچھ دکھائی نہ دیا، پھر بھلا میں رب تعالیٰ کو کیسے دیکھتا؟

سوال: سیدنا عمرو بن عنبسہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَا مِنْكُمْ رَجُلٌ يُقَرِّبُ وَضُوءَهُ، فَيَتَمَضْمَضُ، وَيَسْتَنْشِقُ، فَيَنْتَثِرُ، إِلَّا خَرَّتْ خَطَايَا وَجْهِهٖ، وَفِيهِ وَخَيَاشِيمِهٖ، ثُمَّ إِذَا غَسَلَ وَجْهَهٗ كَمَا أَمَرَهُ اللّٰهُ، إِلَّا خَرَّتْ خَطَايَا وَجْهِهٖ مِنْ أَطْرَافِ لِحْيَتِهٖ مَعَ الْمَاءِ، ثُمَّ يَغْسِلُ يَدَيْهِ إِلَى الْمِرْفَقَيْنِ، إِلَّا خَرَّتْ خَطَايَا يَدَيْهِ مِنْ أَنَامِلِهٖ مَعَ الْمَاءِ، ثُمَّ يَمْسَحُ رَأْسَهٗ، إِلَّا خَرَّتْ خَطَايَا رَأْسِهٖ مِنْ أَطْرَافِ شَعْرِهٖ مَعَ الْمَاءِ، ثُمَّ يَغْسِلُ قَدَمَيْهِ إِلَى الْكَعْبَيْنِ، إِلَّا خَرَّتْ خَطَايَا رِجْلَيْهِ مِنْ أَنَامِلِهٖ مَعَ الْمَاءِ، فَإِنْ هُوَ قَامَ فَصَلّٰى، فَحَمِدَ اللّٰهَ وَأَثْنٰى عَلَيْهِ، وَمَجَّدَهٗ بِالَّذِي هُوَ لَهٗ أَهْلٌ، وَفَرَّغَ قَلْبَهٗ لِلّٰهِ، إِلَّا انْصَرَفَ مِنْ خَطِيئَتِهٖ

كَهَيْئَتِهِ يَوْمَ وَلَدَتْهُ أُمُّهُ .

”جو وضو کرتا ہے، کلی کرتا ہے، ناک میں پانی چڑھا کر جھاڑتا ہے، تو اس کے چہرے، منہ اور ناک کے نتھنوں سے گناہ گر جاتے ہیں۔ پھر جب حکم الٰہی کے مطابق چہرہ دھوتا ہے، تو چہرے کے گناہ ڈاڑھی کے دونوں اطراف سے پانی کے ساتھ بہہ جاتیہیں۔ کہنیوں سمیت ہاتھ دھوتا ہے، تو پانی ہاتھوں کے گناہ بھی بہا لے جاتا ہے۔ سر کا مسح کرتا ہے، تو گناہ بالوں سے زائل ہو جاتے ہیں۔ ٹخنوں سمیت پاؤں دھوتا ہے، تو پاؤں کے گناہ پانی کے ساتھ انگلیوں کے سرے سے نکل جاتے ہیں۔ اب وہ کھڑا ہو کر نماز (دو رکعت تحیۃ الوضو) پڑھ لے اور اس میں اللہ کی تعریف کرے، اس کی ثنا کرے، اس کی شایان شان بزرگی بیان کرے اور اپنے دل کو اللہ کے لئے خالص کر دے، تو یوں ہو جائے گا، جیسے آج ہی ماں نے جنم دیا ہو۔“

(صحیح مسلم : 832)

جب وضو سے خطائیں معاف ہو جاتی ہیں، پھر دو رکعت تحیۃ الوضوء سے کون سی خطائیں معاف ہوتی ہیں؟

(جواب): وضو کرنے سے اعضائے وضو کے گناہ معاف ہوتے ہیں، جبکہ تحیۃ الوضو کی دو رکعت ادا کرنے سے دل اور دیگر اعضا سے سرزد ہونی والے تمام صغیرہ گناہ بھی معاف ہو جاتے ہیں۔

یہ بھی ممکن ہے کہ دو رکعت نماز سے وہ خطائیں معاف ہو جاتی ہوں، جو وضو اور دو رکعت کے درمیان سرزد ہوئی ہوں۔ پہلا معنی زیادہ بہتر معلوم ہوتا ہے۔

دیگر احادیث سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ انسان کی تمام خطائیں کامل وضو اور تحیۃ

الوضو کی دو رکعتوں سے معاف ہوتی ہیں۔

❁ سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ تَوَضَّأَ نَحْوَ وُضُوئِي هٰذَا، ثُمَّ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ لَا يُحَدِّثُ فِيهِمَا نَفْسَهٗ، غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ.

”جو میری طرح وضو کرے، پھر دو رکعت اس طرح (خشوع وخضوع سے) پڑھے کہ دل میں کوئی وسوسہ نہ آنے پائے، تو اس کے پچھلے (تمام صغیرہ) گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔“

(صحيح البخاري : 159؛ صحيح مسلم : 1934)

❁ یوسف بن عبداللہ بن سلام رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

أَتَيْتُ أَبَا الدَّرْدَاءِ فِي مَرَضِهِ الَّذِي قُبِضَ فِيهِ، فَقَالَ لِي : يَا ابْنَ أَخِي، مَا أَعْمَدَكَ فِي هٰذَا الْبَلَدِ، أَوْ مَا جَاءَ بِكَ؟، قَالَ : قُلْتُ : لَا، إِلَّا صِلَةُ مَا كَانَ بَيْنَكَ وَبَيْنَ وَالِدِي عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَلَامٍ، فَقَالَ أَبُو الدَّرْدَاءِ : بِئْسَ سَاعَةُ الْكَذِبِ هٰذِهٖ، سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ : مَنْ تَوَضَّأَ فَأَحْسَنَ وُضُوءَهٗ، ثُمَّ قَامَ فَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ، أَوْ أَرْبَعًا، شَكَّ سَهْلٌ، يُحْسِنُ فِيهِمَا الذِّكْرَ، وَالْخُشُوعَ، ثُمَّ اسْتَغْفَرَ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ، غَفَرَ لَهٗ».

”میں سیدنا ابو درداء رضی اللہ عنہ کے پاس ان کے مرض وفات میں آیا۔ فرمانے لگے بیٹا! کیسے آنا ہوا؟ عرض کیا: فقط اس لئے کہ آپ میرے والد گرامی کے دوست

ہیں۔فرمایا: زندگی کے ان لمحات میں جھوٹ بولنا انتہائی برا ہے۔ میں نے نبی کریم ﷺ کو فرمائے ہوئے سنا کہ جو شخص وضو کرے اور خوب کرے، پھر کامل خشوع کے ساتھ دو رکعت پڑھے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ سے گناہوں کی معافی مانگے، تو وہ اسے بخش دے گا۔''

(مسند الإمام أحمد : 450/6، وسندهٗ حسنٌ)

سوال: سیدنا معاویہ بن حکم سُلمی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

بَيْنَا نَحْنُ نُصَلِّي مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذْ عَطَسَ رَجُلٌ مِّنَ الْقَوْمِ فَقُلْتُ : يَرْحَمُكَ اللّٰهُ فَرَمَانِي الْقَوْمُ بِأَبْصَارِهِمْ فَقُلْتُ : وَاثُكْلَ أُمِّيَاهُ مَا شَأْنُكُمْ تَنْظُرُونَ إِلَيَّ فَجَعَلُوا يَضْرِبُونَ بِأَيْدِيهِمْ عَلٰى أَفْخَاذِهِمْ فَلَمَّا رَأَيْتُهُمْ يُصَمِّتُونَنِي لٰكِنِّي سَكَتُّ فَلَمَّا قَضٰى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِأَبِي وَأُمِّي وَاللّٰهِ مَا رَأَيْتُ مُعَلِّمًا قَبْلَهٗ وَلَا بَعْدَهٗ أَحْسَنَ تَعْلِيمًا مِّنْهُ وَاللّٰهِ مَا كَهَرَنِي وَلَا شَتَمَنِي وَلَا ضَرَبَنِي قَالَ : إِنَّ هٰذِهِ الصَّلَاةَ لَا يَصْلُحُ فِيهَا شَيْءٌ مِّنْ كَلَامِ النَّاسِ هٰذَا إِنَّمَا هِيَ لِلتَّسْبِيحِ وَالتَّكْبِيرِ وَقِرَاءَ ةِ الْقُرْآنِ، أَوْ كَمَا قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ....

''ایک دفعہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک نمازی نے چھینک ماری، تو میں نے کہہ دیا «يَرْحَمُكَ اللّٰهُ» لوگ مجھے گھور کر دیکھنے

لگے، میں نے کہا: تمہاری مائیں تمہیں گم پائیں، مجھے کیوں دیکھ رہے ہو؟ انہوں نے رانوں پر ہاتھ مارنا شروع کیے، جب میں نے دیکھا کہ وہ مجھے چپ کرا رہے ہیں، تو میں چپ کر گیا۔ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، اللہ کی قسم! میں نے آپ سے پہلے یا آپ کے بعد کوئی استاذ ایسا نہیں دیکھا، جو آپ سے بہتر تعلیم دینے والا ہو، جب رسول اللہ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے، تو اللہ کی قسم! نہ آپ نے مجھے جھڑکا، نہ برا بھلا کہا، نہ مارا، صرف اتنا فرمایا: یہ نماز ہے، اس میں باتیں کرنا جائز نہیں۔ اس میں تو صرف تسبیح، تکبیر اور تلاوت قرآن ہوتی ہے۔ یا پھر جیسے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا......۔"

(صحیح مسلم: 537، المُنتقٰی لابن الجارود: 212)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے معاویہ بن حکم رضی اللہ عنہ کو «یَرْحَمُكَ اللّٰهُ» کہنے سے منع کیوں کیا، حالانکہ انہوں نے رحمت کی دعا ہی کی تھی اور نماز میں دوسرے کے لیے دعا کرنا جائز ہے؟

جواب: چھینک کا جواب دینا مخاطب کرنے کی طرح ہے، نماز میں اگرچہ بعض مقامات پر دوسروں کے لیے دعا کرنا جائز ہے، مگر کسی کو مخاطب کر کے دعا دینا کلام کرنے کی طرح ہے اور نماز میں کلام کرنا جائز نہیں۔ اس لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اشاروں سے سیدنا معاویہ بن حکم سلمی رضی اللہ عنہ کو منع کر دیا۔

سوال: احرام میں خوشبو لگانا کیسا ہے؟

جواب: احرام پہنتے وقت خوشبو لگانا جائز ہے، البتہ احرام پہننے کے بعد اور حالت احرام میں خوشبو لگانا بالاتفاق ممنوع اور حرام ہے۔

❀ علامہ مازری مالکی رحمہ اللہ (۵۳۶ھ) فرماتے ہیں:

لَا خِلَافَ فِي مَنْعِ اسْتِعْمَالِ الطِّيبِ بَعْدَ التَّلَبُّسِ بِالْإِحْرَامِ .

''اس میں (اہل علم کا) کوئی اختلاف نہیں کہ احرام پہننے کے بعد خوشبو استعمال کرنا ممنوع ہے۔''

(المُعلِم بفوائد مسلم : 68/2)

سوال: سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

طَيَّبْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِحُرْمِهٖ قَبْلَ أَنْ يُحْرِمَ وَلِحِلِّهٖ قَبْلَ أَنْ يَطُوفَ بِالْبَيْتِ .

''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کے احرام باندھنے سے پہلے اور طواف (افاضہ) کرنے سے پہلے احرام کھولنے کے بعد خوشبو لگائی۔''

(صحيح البخاري : 1539، صحيح مسلم : 1189، المُنتقى لابن الجارود : 414)

❀ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلٰى وَبِيصِ الطِّيبِ فِي مَفْرِقِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ مُحْرِمٌ .

''گویا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مانگ (سر کے درمیان سے کنگھی) میں لگی ہوئی خوشبو کی چمک دیکھ رہی ہوں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت احرام باندھے ہوئے تھے۔''

(صحيح البخاري :271، صحيح مسلم : 1190، المُنتقٰى لابن الجارود : 415)

بعض کہتے ہیں کہ احرام پہنتے وقت خوشبو لگانا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خاصہ ہے، کسی اُمتی کے لیے جائز نہیں کہ وہ احرام پہنتے وقت خوشبو لگائے۔ اس بارے میں کیا فرماتے ہیں؟

(جواب): اصل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کی ہر عمل میں اقتدا کی جائے، الا یہ کہ خاصہ پر دلیل آ جائے۔ احرام پہنتے وقت خوشبو لگانے کو رسول اللہ ﷺ کا خاصہ قرار دینا بلا دلیل ہے، اگر یہ نبی کریم ﷺ کا خاصہ ہوتا اور اُمت کے لیے جائز نہ ہو، تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یا تابعین عظام اسے بیان کر دیتے، جبکہ ان سے ایسا کچھ ثابت نہیں۔

❁ حافظ نووی رحمہ اللہ (٦٧٦ھ) فرماتے ہیں:

فِيهِ دَلَالَةٌ عَلَى اسْتِحْبَابِ الطِّيبِ عِنْدَ إِرَادَةِ الْإِحْرَامِ وَأَنَّهُ لَا بَأْسَ بِاسْتِدَامَتِهِ بَعْدَ الْإِحْرَامِ وَإِنَّمَا يَحْرُمُ ابْتِدَاؤُهُ فِي الْإِحْرَامِ وَهٰذَا مَذْهَبُنَا وَبِهِ قَالَ خَلَائِقُ مِنَ الصَّحَابَةِ وَالتَّابِعِينَ وَجَمَاهِيرُ الْمُحَدِّثِينَ وَالْفُقَهَاءِ .

''یہ حدیث دلیل ہے کہ احرام باندھتے وقت خوشبو لگانا مستحب ہے، نیز دلیل ہے کہ احرام باندھنے کے بعد بھی اگر خوشبو کے اثرات باقی رہیں، تو کوئی حرج نہیں، دراصل احرام باندھنے کے بعد (حالت احرام میں) خوشبو لگانا حرام ہے۔ یہ ہمارا مذہب ہے، نیز صحابہ و تابعین کی ایک بڑی جماعت اور جمہور فقہا ومحدثین اسی کے قائل ہیں۔''

(شرح مسلم: 98/8)

(سوال): سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

''عتبہ بن ابی وقاص (کافر) نے اپنے بھائی سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو وصیت کی تھی کہ زمعہ کی لونڈی کا بچہ میرے نطفے سے ہے، آپ اس کو اپنی نگہداشت میں لے لینا، فتح مکہ کے سال سعد رضی اللہ عنہ نے وہ بچہ اٹھا لیا اور دعوی کیا کہ یہ بچہ

میرے بھائی عتبہ کا ہے، عبد بن زمعہ نے احتجاج کیا کہ یہ بچہ تو میرے باپ زمعہ کی لونڈی سے میرے باپ کے بستر پر پیدا ہوا ہے، لہٰذا میرے باپ کی اولاد ہے۔ جھگڑا رسول اللہ ﷺ کے حضور پیش ہوا، سعد رضی اللہ عنہ کہنے لگے، اللہ کے رسول! یہ میرے بھائی کا بیٹا ہے، انھوں نے مجھے وصیت کی تھی کہ اسے اپنی پرورش میں لے لوں، عبد بن زمعہ رضی اللہ عنہ کہنے لگے، یہ میرے باپ کی لونڈی کا بچہ ہے اور اس نے میرے باپ کے بستر پر جنم لیا ہے۔ لہٰذا یہ میرے باپ ہی زمعہ ہی کا بیٹا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عبد بن زمعہ! یہ لڑکا آپ کے پاس رہے گا، پھر فرمایا: بچہ اس کا ہوگا، جس کے بستر پر پیدا ہوا اور زانی رجم ہو گا۔ نبی کریم ﷺ نے محسوس کیا کہ اس لڑکے کی مشابہت عتبہ کے ساتھ ہے، اس لئے ام المومنین، سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا جو زمعہ کی بیٹی تھیں اور اس لڑکے کی بہن بنتی تھیں، کو حکم دیا کہ اس لڑکے سے پردہ کریں، لہٰذا وہ لڑکا تا وقت وفات سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کو دیکھ نہیں سکا۔“

(صحیح البخاري: 2053، صحیح مسلم: 1457)

نبی کریم ﷺ نے سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کو اس لڑکے سے پردے کا حکم کیوں دیا، حالانکہ وہ ان کی بہن لگتی تھیں؟

جواب: نبی کریم ﷺ نے سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کو لڑکے سے پردہ کرنے کا حکم احتیاطی طور پر دیا، کیونکہ وہ لڑکا زنا سے پیدا ہوا تھا اور زنا سے پیدا ہونے والا بچہ اسی کا ہوتا ہے، جس کے بستر پر پیدا ہو، یعنی زانیہ نے جب بچہ پیدا کیا ہو، اس وقت جس کے نکاح میں ہوتی ہے، لڑکا بھی اسی کو ملتا ہے۔ جب بچہ پیدا ہوا تھا، تب وہ زمعہ کے بستر پر پیدا ہوا تھا، اس اعتبار سے وہ لڑکا سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کا بھائی بنتا تھا۔

اب چونکہ قرائن اور مشابہت سے ثابت ہو رہا تھا کہ وہ لڑکا عتبہ اور لونڈی کے زنا سے پیدا ہوا، تو احتیاطی طور پر نبی کریم ﷺ نے سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کو پردہ کا حکم فرما دیا۔

سوال: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

لَوْ رَأَيْتُ الظِّبَاءَ بِالْمَدِينَةِ مَا ذَعَرْتُهَا إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : مَا بَيْنَ لَابَتَيْهَا حَرَامٌ .

قَالَ مَالِكٌ : حَرَمُ الْمَدِينَةِ بَرِيدٌ فِي بَرِيدٍ وَّاللَّابَتَانِ مِنَ الشَّجَرِ وَهُمَا الْحَرَّتَانِ .

”اگر میں مدینہ میں ہرن دیکھوں، تو انہیں کبھی نہ چھیڑوں، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: مدینہ کے دونوں پتھریلے میدانوں کی درمیانی زمین حرم ہے۔
امام مالک رحمہ اللہ کہتے ہیں: حرمِ مدینہ، مدینہ کے چاروں طرف ایک ایک برید (بارہ بارہ میل) ہے۔ لابتان سے مراد حرتان ہی ہیں۔“

(صحيح البخاري : 1873، صحيح مسلم : 1372، المُنتقٰى لابن الجارود : 510)

❀ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَرَّمَ مَا بَيْنَ لَابَتَيِ الْمَدِينَةِ لَا يُعْضَدُ شَجَرُهَا وَلَا يُنَفَّرُ صَيْدُهَا .

”رسول اللہ ﷺ نے مدینہ کے دونوں پتھریلے میدانوں کی درمیانی زمین کو حرم قرار دیا ہے، لہٰذا نہ اس کے درخت کاٹے جائیں گے اور نہ اس کے شکار کو بھگایا جائے گا۔“

(صحيح البخاري : 1873، صحيح مسلم : 1372، المُنتقٰى لابن الجارود : 511)

بعض کہتے ہیں کہ مدینہ کو حرم قرار دینا خبر واحد میں مروی ہے، لہٰذا حجت نہیں۔ اس بارے میں کیا فرماتے ہیں؟

جواب: یہ خبر واحد تمام اہل علم محدثین اور فقہا کے ہاں مشہور ہے، انہوں نے اسے نقل کیا ہے اور اس کی صحت پر اتفاق و اجماع کیا ہے۔ اس بالاتفاق صحیح حدیث کو خبر واحد کہہ کر ٹھکرانا جہالت اور ہٹ دھرمی کے سوا کچھ نہیں۔

خبر واحد کی سند صحیح ہو، تو وہ بالاتفاق حجت ہے۔

❁ **علامہ ابو العباس احمد بن ابی احمد طبری** رحمہ اللہ **(۳۳۵ھ) فرماتے ہیں:**

لَا خِلَافَ بَيْنَ أَهْلِ الْفِقْهِ فِي قَبُولِ خَبَرِ الْآحَادِ إِذَا عُدِّلَتْ نَقَلَتُهُ وَسَلِمَ مِنَ النَّسْخِ حُكْمُهُ، وَإِنْ كَانُوا مُتَنَازِعِينَ فِي شَرْطِ ذٰلِكَ، وَإِنَّمَا دَفَعَ خَبَرَ الْآحَادِ بَعْضُ أَهْلِ الْكَلَامِ لِعَجْزِهٖ ـ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ ـ عَنْ عِلْمِ السُّنَنِ زَعَمَ أَنَّهٗ لَا يُقْبَلُ مِنْهَا إِلَّا مَا تَوَاتَرَتْ بِهٖ أَخْبَارُ مَنْ لَا يَجُوزُ عَلَيْهِ الْغَلَطُ وَالنِّسْيَانُ، وَهٰذَا عِنْدَنَا مِنْهُ ذَرِيعَةٌ إِلٰى إِبْطَالِ سُنَنِ الْمُصْطَفٰى صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِوَجْهَيْنِ؛ أَحَدُهُمَا : أَنَّ مَا شَرَطَ مِنْ ذٰلِكَ صِفَةُ الْأُمَّةِ الْمَعْصُومَةِ، وَالْأُمَّةُ إِذَا تَطَابَقَتْ عَلٰى شَيْءٍ وَجَبَ الْقَوْلُ بِهٖ وَإِنْ لَمْ يَأْتِ خَبَرٌ وَالثَّانِي : أَنَّهٗ لَوْ طُولِبَ بِسُنَّةٍ يَتَحَاكَمُ إِلَيْهَا الْمُتَنَازِعَانِ تَوَاتَرَتْ عَلَيْهَا أَخْبَارُ نَقَلَتِهَا وَسَلِمَتْ مِنْ خَوْفِ

النِّسْيَانِ طُرُقُهَا لَمْ يَجِدْ إِلَيْهَا سَبِيلًا .

''فقہا کا خبر واحد کی قبولیت میں کوئی اختلاف نہیں، جب اس کے ناقلین عادل ہوں اور اس کا حکم منسوخ نہ ہو، اگرچہ فقہا کا اس کی شرائط کے بارے اختلاف ہے۔ خبر آحاد کو بعض اہل کلام نے رد کیا ہے، واللہ اعلم وہ اس لیے کہ وہ سنن کو علم سے قاصر رہے ہیں، اس کا خیال ہے کہ احادیث میں سے صرف متواتر ہی کو قبول کیا جائے گا، کہ جس میں غلطی یا بھول کا اندیشہ نہ رہے۔ ہمارے مطابق یہ دو وجہ سے سنن نبویہ علی صاحبہا الصلوۃ والسلام کو رد کرنے کا ذریعہ ہے: ① جو شرط بیان کی گئی ہے، وہ معصوم امت کی صفت ہے، جبکہ امت اگر کسی چیز پر متفق ہو جائے، تو اس پر عمل کرنا واجب ہو جاتا ہے، اگرچہ اس بارے کوئی حدیث نہ بھی ہو۔ ② اگر ایسی سنت ڈھونڈی جائے، جس کے ناقلین متواتر ہوں، تو دنیا میں سنت کا وجود ہی نہیں ملے گا۔''

(الفقيه والمتّفقة للخطيب : 281/1، وسندهٗ حسنٌ)

سوال: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَأُمَّهَاتُكُمُ اللَّاتِي أَرْضَعْنَكُمْ﴾ (النّساء : ٢٣)

''تمہاری وہ مائیں (بھی تم پر حرام ہیں) جنھوں نے تمہیں دودھ پلایا ہے۔''

بعض اس آیت سے استدلال کرتے ہیں کہ ایک بار معمولی سا دودھ بھی پی لیا، تو رضاعت ثابت ہو جاتی ہے، کیونکہ قرآن کریم نے رضاعت کو مطلق بیان کیا ہے، مقدار اور تعداد کا تعین نہیں کیا، ایک بار پینے پر بھی رضاعت کا اطلاق ہوتا ہے، لہٰذا اس سے رضاعت ثابت ہو جاتی ہے۔

اس کا کیا جواب ہے؟

جواب: قرآنِ کریم : ﴿وَأُمَّهَاتُكُمُ اللَّاتِي أَرْضَعْنَكُمْ﴾(النّساء : ۲۳)

''تمہاری وہ مائیں (بھی تم پر حرام ہیں) جنھوں نے تمہیں دودھ پلایا ہے۔'' اور حدیث: يَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعَةِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ ''رضاعت سے بھی وہ رشتے حرام ہو جاتے ہیں، جو نسب سے حرام ہوتے ہیں۔'' میں یہ بات مطلق بیان ہوئی ہے۔ اس مطلق کی تقیید مندرجہ ذیل روایات نے کردی ہے کہ مراد کم ازکم پانچ دفعہ دودھ پینا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہی ہے، جیسے قرآنِ کریم میں ہے:

﴿يَآ أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا﴾(الحجّ : ۷۷)

''ایمان والو! رکوع اور سجدہ کرو۔''

اس آیت میں مطلق سجدہ کرنے، یعنی پیشانی کو زمین پر لگانے کا ذکر ہے، لیکن حدیث نے بیان کر دیا ہے کہ رکوع ایک ہی ہے اور سجدے دو ہیں۔ بالکل اسی طرح رضاعت کے مسئلہ کو سمجھ لینا چاہیے۔

یاد رہے کہ مدتِ رضاعت، یعنی دو سال کے اندر اندر کم ازکم پانچ دفعہ سیر ہو کر دودھ پینے سے رضاعت وحرمت ثابت ہوتی ہے۔

❁ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا تُحَرِّمُ الْمَصَّةُ وَلَا الْمَصَّتَانِ .

''ایک یا دو دفعہ دودھ پینے سے رضاعت ثابت نہیں ہوتی۔''

(صحیح مسلم : 1450)

❁ دوسری روایت ہے:

لَا تُحَرِّمُ الْإِمْلَاجَةُ وَالْإِمْلَاجَتَانِ .

’’ایک یا دو دفعہ پستان منہ میں دینے سے حرمت ثابت نہیں ہوتی۔‘‘

(صحیح مسلم: 1451)

❁ ایک روایت میں ہے:

لَا تُحَرِّمُ الرَّضْعَةُ وَالرَّضْعَتَانِ .

’’ایک یا دو دفعہ دودھ پلانا رضاعت ثابت نہیں کرتا۔‘‘

❁ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

’’نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے، اس وقت میرے پاس ایک آدمی بیٹھا ہوا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: یہ کون ہے؟ عرض کیا: یہ میرا رضاعی بھائی ہے، فرمایا: پہچان لیں کہ آپ کے بھائی کون ہیں، رضاعت تب ثابت ہوتی ہے، جب دودھ ہی بچے کی غذا ہوتی ہے۔‘‘

(صحیح البخاري: 2647، صحیح مسلم: 1455)

❁ سیدہ امِ فضل رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

’’بنو عامر بن صَعصَعہ کے ایک آدمی نے عرض کیا: اللہ کے رسول! کیا ایک دفعہ دودھ پینے سے حرمت ثابت ہو جاتی ہے؟ فرمایا: نہیں۔‘‘

(صحیح مسلم: 1451)

❁ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

كَانَ فِيمَا أُنْزِلَ مِنَ الْقُرْآنِ عَشْرُ رَضْعَاتٍ مَّعْلُومَاتٍ يُّحَرِّمْنَ، ثُمَّ نُسِخْنَ بِخَمْسٍ مَّعْلُومَاتٍ، فَتُوُفِّيَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَهِيَ فِيمَا يُقْرَأُ مِنَ الْقُرْآنِ.

”پہلے قرآنِ مجید میں یہ حکم نازل ہوا تھا کہ دس دفعہ دودھ پلانے سے رضاعت ثابت ہوتی ہے، پھر یہ حکم منسوخ ہو گیا اور پانچ دفعہ دودھ پلانے سے رضاعت ثابت ہونے کا حکم نازل ہو گیا۔ رسول اللہ ﷺ کی وفات (کے بہت قریب) تک قرآنِ کریم میں اسی طرح پڑھا جاتا تھا۔“

(صحيح مسلم : 1452)

اس حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ اگر بچہ پانچ سے کم دفعہ کسی عورت کا دودھ پی لے، تو رضاعت ثابت نہیں ہو گی۔ اگرچہ پانچ دفعہ والی آیت کی قرأت اب قرآنِ کریم میں نہیں ہوتی، لیکن حکم باقی ہے۔ ان احادیث سے ثابت ہوا کہ پانچ ادنیٰ حد ہے، اس سے کم میں حرمت ثابت نہیں ہوتی۔

سوال: سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے پانی کے متعلق سوال ہوا، جس پر جانور اور درندے وارد ہوتے تھے، تو آپ ﷺ نے فرمایا:

إِذَا كَانَ الْمَاءُ قُلَّتَيْنِ لَمْ يَحْمِلِ الْخَبَثَ.

جب پانی دو قلے (مٹکے) ہو، تو (گندگی گرنے سے جب تک اس کا رنگ، بو یا ذائقہ نہ بدلے) ناپاک نہیں ہوتا۔“

(مسند الإمام أحمد : 26/2، سنن أبي داود : 63، واللّفظ لهٗ، سنن النسائي : 52)

اس حدیث کو امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ (۹۲) اور امام ابن حبان رحمہ اللہ (۱۲۴۹) نے صحیح قرار دیا ہے۔ امام حاکم رحمہ اللہ (۱/۱۳۲۔۱۳۳) نے امام بخاری و امام مسلم کی شرط پر صحیح کہا ہے، حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے ان کی موافقت کی ہے۔

❀ امام طبری رحمہ اللہ نے ''صحیح'' قرار دیا ہے۔

(تهذيب الآثار [مسند ابن عباس]: 736/2)

بعض کہتے ہیں کہ جب پانی کے تینوں اوصاف میں سے کوئی وصف بدل جائے، تو وہ بالاجماع نجس ہو جاتا ہے، پھر اس حدیث کا کیا معنی؟

جواب: یہ حدیث اس پانی کے بارے میں ہے، جس میں گندگی گرنے سے اس کے تینوں اوصاف میں سے کوئی وصف تبدیل نہ ہو۔ اگر نجاست گرنے سے پانی کا کوئی وصف تبدیل ہو جائے، تو پانی بالاجماع نجس ہو جاتا ہے۔ لہٰذا حدیث اور اجماع میں مخالفت نہیں۔

❀ دوسری روایت کے الفاظ ہیں:

إِذَا بَلَغَ الْمَاءُ قُلَّتَيْنِ لَمْ يَحْمِلِ الْخَبَثَ .

''جب پانی دو قلے ہو، تو گندگی نہیں اٹھاتا۔''

(سنن أبي داود: 64، سنن ابن ماجه: 517، سنن الدارقطني: 19/1، واللّفظ لهٗ، وسندهٗ حسنٌ)

❀ حافظ نووی رحمہ اللہ (٦٧٦ھ) فرماتے ہیں:

قَوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا بَلَغَ الْمَاءُ قُلَّتَيْنِ لَمْ يَحْمِلِ الْخَبَثَ، مَعْنَاهُ: لَمْ يَنْجُسْ بِمُلَاصَقَةِ النَّجَاسَةِ وَوُقُوعِهَا فِيهِ فِيهِ، كَمَا فَسَّرَهٗ فِي الرِّوَايَةِ الْأُخْرٰى، تَقْدِيرُهٗ: لَا يَقْبَلُ النَّجَاسَةَ، بَلْ يَدْفَعُهَا عَنْ نَفْسِهٖ، كَمَا يُقَالُ: فُلَانٌ لَّا يَحْمِلُ الضَّيْمَ؛ أَيْ: لَا يَقْبَلُهٗ وَلَا يَصْبِرُ عَلَيْهِ، بَلْ يَأْبَاهُ، وَأَمَّا قَوْلُ بَعْضِ الْمَانِعِينَ لِلْعَمَلِ بِالْقُلَّتَيْنِ: إِنَّ مَعْنَاهُ أَنَّهٗ يَضْعُفُ عَنْ

حَمْلِهِ؛ فَخَطَأٌ فَاحِشٌ مِنْ أَوْجُهٍ:

أَحَدُهَا: أَنَّ الرِّوَايَةَ الْأُخْرٰى مُصَرَّحَةٌ بِغَلَطِهِ، وَهِيَ قَوْلُهُ: فَإِنَّهُ لَا يُنَجَّسُ.

اَلثَّانِي: أَنَّ الضَّعْفَ عَنِ الْحَمْلِ إِنَّمَا يَكُونُ فِي الْأَجْسَامِ، كَقَوْلِكَ: فُلَانٌ لَّا يَحْمِلُ الْخَشَبَةَ؛ أَيْ: يَعْجِزُ عَنْهَا لِثِقَلِهَا، وَأَمَّا فِي الْمَعَانِي فَمَعْنَاهُ: لَا يَقْبَلُهُ، كَمَا ذَكَرْنَا.

اَلثَّالِثُ: أَنَّ سِيَاقَ الْكَلَامِ يُفْسِدُهُ؛ لِأَنَّهُ لَوْ كَانَ الْمُرَادُ أَنَّهُ يَضْعُفُ عَنْ حَمْلِهِ لَمْ يَكُنْ لِلتَّقْيِيدِ بِالْقُلَّتَيْنِ مَعْنًى، فَإِنَّ مَا دُونَهُمَا أَوْلٰى بِذٰلِكَ.

''فرمان رسول ﷺ: ''جب پانی دوقلے ہو، تو گندگی کو نہیں اٹھاتا۔'' کا معنی یہ ہے کہ گندگی ملنے یا گرنے سے ناپاک نہیں ہوتا۔ جیسا کہ دوسری روایت میں اس کی وضاحت موجود ہے۔ تو حدیث کا مفہوم یہ ہوگا کہ نجاست کو قبول نہیں کرتا، بلکہ اسے دور کر دیتا ہے۔ جیسا کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص ظلم وزیادتی کو نہیں اٹھاتا، مطلب کہ ظلم وزیادتی قبول نہیں کرتا اور نہ اس پر صبر کرتا ہے، بلکہ اس کا رد کرتا ہے۔ حدیث قلتین پر عمل نہ کرنے والوں کا یہ کہنا کہ اس حدیث کا یہ معنی ہے کہ اتنی مقدار کا پانی گندگی اٹھانے سے قاصر رہتا ہے۔ یہ معنی کئی وجہ سے غلط ہے؛

① دوسری روایت اس معنی کی غلطی کو واضح کرتی ہے، جیسا کہ فرمان نبوی ہے:

فَإِنَّهُ لَا يُنَجَّسُ ''بے شک وہ نجس نہیں ہوتا۔''

② کسی چیز کو اٹھانے میں کمزوری کا شکار ان اشیا میں ہوا جاتا ہے، جو جسم رکھتی ہوں، جیسے آپ کہتے ہیں: فُلَانٌ لَّا یَحْمِلُ الْخَشَبَةَ ''فلاں شخص لکڑی نہیں اٹھا سکتا۔'' یعنی لکڑی بھاری ہونے کی وجہ سے وہ اسے اٹھانے سے قاصر ہے۔ لیکن معنوی اشیا میں اس کا معنی ہوگا کہ وہ اسے قبول نہیں کرتا۔ جیسا کہ ہم ذکر کر چکے ہیں۔

③ سیاق کلام سے اس معنی کا فساد واضح ہو جاتا ہے، کیونکہ اگر یہ مراد ہوتی کہ پانی اس گندگی کو اٹھانے کی طاقت نہیں رکھتا، تو دو مٹکوں کی قید لگانے کا کوئی معنی نہیں، کیونکہ دو مٹکوں سے کم پانی تو بالاولیٰ گندگی کو نہیں اٹھا سکتا۔''

(الإيجاز في شرح سنن أبي داود، ص 286-287)

❀ امام ابن حبان رحمہ اللہ (۳۵۴ھ) فرماتے ہیں:

قَوْلُهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : الْمَاءُ لَا يُنَجِّسُهُ شَيْءٌ، لَفْظَةٌ أُطْلِقَتْ عَلَى الْعُمُومِ تُسْتَعْمَلُ فِي بَعْضِ الْأَحْوَالِ وَهُوَ الْمِيَاهِ الْكَثِيرَةِ الَّتِي لَا تَحْتَمِلُ النَّجَاسَةَ فَتَظْهَرَ فِيهَا وَتَخُصُّ هٰذِهِ اللَّفْظَةَ الَّتِي أُطْلِقَتْ عَلَى الْعُمُومِ وُرُودُ سُنَّةٍ وَهُوَ قَوْلُهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : إِذَا كَانَ الْمَاءُ قُلَّتَيْنِ لَمْ يُنَجِّسْهُ شَيْءٌ، وَيَخُصَّ هٰذَيْنِ الْخَبَرَيْنِ الْإِجْمَاعُ عَلٰى أَنَّ الْمَاءَ قَلِيلًا كَانَ أَوْ كَثِيرًا فَغَيَّرَ طَعْمَهُ أَوْ لَوْنَهُ أَوْ رِيحَهُ نَجَاسَةٌ وَقَعَتْ فِيهَا

أَنَّ ذٰلِكَ الْمَاءَ نَجِسٌ بِهٰذَا الْإِجْمَاعِ الَّذِي يَخُصُّ عُمُومَ تِلْكَ اللَّفْظَةِ الْمُطْلَقَةِ الَّتِي ذَكَرْنَاهَا .

''فرمان نبوی: ''پانی کو کوئی چیز ناپاک نہیں کرتی۔'' یہ حدیث عام ہے، جسے بعض احوال کے ساتھ خاص کیا جائے گا، یعنی جب پانی بہت زیادہ ہو کہ جس میں نجاست گرنے سے اثر انداز نہ ہو۔ اس عام حدیث کو دوسری حدیث سے خاص کیا گیا ہے، فرمان نبوی ہے: ''جب پانی دو قلے (مٹکے) ہو، اسے کوئی چیز ناپاک نہیں کرتی۔'' ان دونوں احادیث کو اجماع نے خاص کر دیا کہ پانی تھوڑا ہو یا زیادہ، اگر نجاست گرنے سے اس کا رنگ، بو یا ذائقہ بدل گیا، تو وہ پانی ناپاک ہے، اس اجماع کی بنا پر جس نے ہماری ذکر کردہ حدیث کے عام الفاظ کو خاص کر دیا ہے۔''

(صحيح ابن حبان : 59/4)

یہ حدیث جاری اور کھڑے دونوں پانیوں کے بارے میں ہے۔ اسے جاری پانی پر محمول کرنا بلا دلیل ہے۔

❀❀❀❀❀❀❀

فتاویٰ امن پوری (قسط ۳۸۴)

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

سوال: کیا اولاد کے اخراجات بھی بذمہ والد ہیں؟

جواب: جب تک بیٹے خود کفیل نہ ہو جائیں اور کمانے نہ لگ جائیں، تب تک ان کے اخراجات والد کے ذمہ ہیں، وہ بقدر استطاعت ان پر خرچ کرے گا۔

❀ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

إِنَّ هِنْدًا قَالَتْ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : إِنَّ أَبَا سُفْيَانَ رَجُلٌ شَحِيحٌ، فَأَحْتَاجُ أَنْ آخُذَ مِنْ مَالِهِ، قَالَ : خُذِي مَا يَكْفِيكِ وَوَلَدَكِ بِالْمَعْرُوفِ .

”سیدہ ہند رضی اللہ عنہا نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: (میرے شوہر) ابوسفیان رضی اللہ عنہ بخیل آدمی ہیں، میرے لیے ضروری ہو جاتا ہے کہ میں ان کے مال سے (ان کی غیر موجودگی میں) لوں۔ فرمایا: آپ عرف کے مطابق اتنا مال لے سکتی ہیں، جتنا آپ اور آپ کے بیٹوں کے لیے کفایت کرے۔“

(صحيح البخاري : 7180، صحيح مسلم : 1714)

❀ حافظ نووی رحمہ اللہ (۶۷۶ھ) فرماتے ہیں:

وُجُوبُ نَفَقَةِ الْأَوْلَادِ الْفُقَرَاءِ الصِّغَارِ .

(یہ حدیث دلیل ہے کہ) بچے کم عمر اور ضرورت مند ہوں، تو ان کے اخراجات (والد پر) واجب ہیں۔“

(شرح مسلم : 7/12)

سوال: بعض کہتے ہیں کہ قرآن کریم میں جو سیدنا ادریس علیہ السلام اور سیدنا الیاس علیہ السلام کا ذکر ہوا ہے، وہ دونوں ایک ہی نبی کے نام ہیں، اس کی کیا حقیقت ہے؟

جواب: قرآن کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا ادریس اور سیدنا الیاس علیہما السلام کو الگ الگ ذکر کیا ہے، انہیں ایک قرار نہیں دیا، لہٰذا بغیر دلیل کے انہیں ایک نبی قرار نہیں دیا جا سکتا۔

بعض اہل علم نے سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ایک قول کی بنیاد پر انہیں ایک نبی قرار دیا ہے، لیکن وہ قول ثابت نہیں۔

❀ سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

إِنَّ إِلْيَاسَ هُوَ إِدْرِيسُ .

”الیاس علیہ السلام ہی ادریس علیہ السلام ہیں۔“

(تفسير ابن أبي حاتم : 7556)

سند ضعیف ہے۔ ابو اسحاق سبیعی کا عنعنہ ہے۔

سوال: سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

إِنَّ نَاسًا يَقُولُونَ : إِذَا قَعَدْتَّ عَلٰى حَاجَتِكَ فَلَا تَسْتَقْبِلِ الْقِبْلَةَ وَلَا بَيْتَ الْمَقْدِسِ، فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ : لَقَدِ ارْتَقَيْتُ يَوْمًا عَلٰى ظَهْرِ بَيْتٍ لَّنَا، فَرَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى لَبِنَتَيْنِ، مُسْتَقْبِلًا بَيْتَ الْمَقْدِسِ لِحَاجَتِهٖ .

”لوگ ایسے ہی کہتے ہیں کہ قضائے حاجت کے لیے بیت اللہ اور بیت المقدس کی طرف منہ نہیں کیا جا سکتا، جبکہ میں ایک دن اپنے گھر کی چھت پر چڑھا، تو دیکھا کہ نبی کریم ﷺ دو اینٹوں پر بیٹھے بیت المقدس کی طرف منہ کر کے قضائے حاجت فرما رہے تھے۔“

(صحيح البخاري : 145، صحيح مسلم : 266)

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے نبی کریم ﷺ کو قضائے حاجت کرتے کیوں دیکھا، ایسا کرنا تو خلاف ادب ہے؟

جواب: سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے قصداً نبی کریم ﷺ کی طرف نہیں جھانکا، بلکہ وہ تو اپنے کسی کام سے چھت پر چڑھے تھے، اچانک نظر نبی کریم ﷺ پر پڑی، تو انہوں نے دیکھا کہ نبی کریم ﷺ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے قضائے حاجت کر رہے ہیں۔ اس واقعہ کو انہوں نے ان لوگوں کے خلاف بطور دلیل پیش کیا، جو بیت الخلا میں بھی بیت المقدس کی طرف منہ کر کے قضائے حاجت کرنا ممنوع سمجھتے تھے۔

اس کی وضاحت دوسری حدیث میں ہے۔

❁ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

اِرْتَقَيْتُ فَوْقَ ظَهْرِ بَيْتِ حَفْصَةَ لِبَعْضِ حَاجَتِي، فَرَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْضِي حَاجَتَهٗ مُسْتَدْبِرَ الْقِبْلَةِ، مُسْتَقْبِلَ الشَّأْمِ .

”اپنے کسی کام کی غرض سے میں سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے گھر کی چھت پر چڑھا۔ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ شام کی طرف رخ اور قبلہ کی طرف پیٹھ کر

کے قضائے حاجت کر رہے تھے۔“

(صحيح البخاري : 148، صحيح مسلم : 266)

معلوم ہوا کہ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اپنے کسی کام کے لیے چھت پر چڑھے تھے، قصداً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر جھانکنے کے لیے نہیں چڑھے تھے۔ لہٰذا یہ کسی طرح خلاف ادب اور خلاف شرع نہیں۔

سوال: فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِنْ كُنْتُمْ مَّرْضَى أَوْ عَلَى سَفَرٍ أَوْ جَآءَ أَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَائِطِ أَوْ لاَمَسْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَاءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَأَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾ (المائدة : ٦)

”اگر تم مریض ہوں، یا مسافر ہوں، قضائے حاجت سے فارغ ہوں یا بیوی سے مباشرت کی ہو اور پانی میسر نہ ہو، تو پاک مٹی سے تیمّم کر لیں، چنانچہ چہرے اور ہاتھوں پر مٹی سے مسح کر لیں، اللہ آپ کو تنگی میں نہیں ڈالنا چاہتا، بل کہ یہ چاہتا ہے کہ آپ پاک ہو جائیں، وہ آپ پر اپنی نعمت تمام کرنا چاہتا ہے، تا کہ آپ شکر گزار بن جائیں۔“

❀ سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے کسی کام کی غرض سے بھیجا۔ میں جنبی ہو گیا، پانی نہ ملا، تو میں مٹی میں لوٹ پوٹ ہونے لگا، جیسے کوئی جانور مٹی میں لوٹیں لگاتا ہے۔ نبی

کریم ﷺ سے اس کا ذکر کیا، تو آپ ﷺ نے فرمایا:

إِنَّمَا كَانَ يَكْفِيكَ أَنْ تَضْرِبَ بِيَدَيْكَ الْأَرْضَ، ثُمَّ تَنْفُخَ، ثُمَّ تَمْسَحَ بِهِمَا وَجْهَكَ وَكَفَّيْكَ .

”آپ کے لیے اتنا ہی کافی تھا کہ اپنے دونوں ہاتھ زمین پر مارتے، انہیں پھونک کر چہرے اور ہتھیلیوں پر پھیر لیتے۔“

(صحيح البخاري : 347، صحيح مسلم : 368، واللفظ لهٗ)

بعض کہتے ہیں کہ تیمّم میں سر اور پاؤں کو مَس نہیں کیا جاتا، لہٰذا وضو میں بھی سر اور پاؤں پر مسح کیا جائے گا، پاؤں کو دھویا نہیں جائے گا۔ اس اشکال کا کیا جواب ہے؟

جواب: تیمّم کے طریقہ سے یہ اخذ کرنا کہ چونکہ تیمّم میں سر اور پاؤں پر مسح نہیں کیا جاتا، لہٰذا وضو میں بھی سر اور پاؤں کا مسح کیا جائے گا، بالکل غلط ہے، یہ استدلال جہالت پر مبنی ہے، کیونکہ تیمّم تو غسل جنابت سے بھی کفایت کرتا ہے، تو کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ غسل جنابت میں بھی پورے جسم کا مسح کرنا کافی ہے، دھونا ضروری نہیں۔ سارے کے سارے اس بات پر متفق ہیں کہ غسل جنابت میں پورے جسم کو دھونا اور گیلا کرنا واجب ہے۔ اس کے بغیر غسل نہیں۔ جب غسل جنابت کے بارے میں یہ استدلال درست نہیں، تو وضو کے بارے میں کیسے درست ہوسکتا ہے؟

نیز وضو میں پاؤں دھونا قرآن، احادیث متواترہ اور اجماع اُمت سے ثابت ہے۔ صرف روافض اس کی مشروعیت کا انکار کرتے ہیں۔

❀ امام ابن منذر رحمہ اللہ (۳۱۹ھ) فرماتے ہیں:

قَدْ أَجْمَعَ عَوَامُّ أَهْلِ الْعِلْمِ عَلٰى أَنَّ الَّذِي يَجِبُ عَلٰى مَنْ لَّا

خُفَّ عَلَيْهِ غَسْلُ الْقَدَمَيْنِ إِلَى الْكَعْبَيْنِ، وَقَدْ ثَبَتَتِ الْأَخْبَارُ بِذٰلِكَ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَعَنْ أَصْحَابِهٖ .

”تمام اہل علم کا اجماع ہے کہ جس نے موزے نہ پہنے ہوں، اس پر ٹخنوں تک پاؤں دھونا فرض ہے۔اس بارے میں رسول اللہ ﷺ کی احادیث اور آثار صحابہ ثابت ہیں۔“

(الأوسط :413/1)

امام طحاوی رحمہ اللہ (۳۲۱ھ) فرماتے ہیں:

هٰذِهِ الْآثَارُ قَدْ تَوَاتَرَتْ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهٗ غَسَلَ قَدَمَيْهِ فِي وُضُوئِهٖ لِلصَّلَاةِ .

”یہ (گذشتہ بیان کردہ) احادیث (میں) رسول اللہ ﷺ سے تواتر کے ساتھ ثابت ہے کہ آپ ﷺ نماز کے لیے وضو کرتے ہوئے پاؤں کو دھوتے تھے۔“

(شرح معاني الآثار :36/1)

ابن العربی مالکی رحمہ اللہ (۵۴۳ھ) فرماتے ہیں:

هٰذِهِ سُنَّةٌ، اتَّفَقَ الْمُسْلِمُونَ عَلَيْهَا، رَوٰى أَئِمَّةُ الْأَحَادِيثَ الصِّحَاحَ فِيهَا .

”یہ نبی اکرم ﷺ کی سنت ہے، اس پر مسلمانوں کا اتفاق ہے۔محدثین نے اس بارے میں صحیح احادیث روایت کی ہیں۔“

(عارضة الأحوذي :58/1)

سوال: سیدنا مسیّب بن حزن رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

إِنَّ أَبَا طَالِبٍ لَمَّا حَضَرَتْهُ الْوَفَاةُ، دَخَلَ عَلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعِنْدَهُ أَبُو جَهْلٍ، فَقَالَ: أَيْ عَمِّ، قُلْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، كَلِمَةً أُحَاجُّ لَكَ بِهَا عِنْدَ اللّٰهِ، فَقَالَ أَبُو جَهْلٍ وَعَبْدُ اللّٰهِ بْنُ أَبِي أُمَيَّةَ: يَا أَبَا طَالِبٍ، تَرْغَبُ عَنْ مِلَّةِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ، فَلَمْ يَزَالَا يُكَلِّمَانِهِ، حَتّٰى قَالَ آخِرَ شَيْءٍ كَلَّمَهُمْ بِهِ: عَلٰى مِلَّةِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَأَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ، مَا لَمْ أُنْهَ عَنْهُ فَنَزَلَتْ: ﴿مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَّسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبٰى مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ﴾(التوبة: 113)، وَنَزَلَتْ: ﴿إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ﴾ (القصص: 56).

”ابوطالب کی وفات کا وقت آیا، تو رسول اللہ ﷺ اُن کے پاس تشریف لے گئے۔ آپ نے اُن کے پاس ابوجہل اور عبداللہ بن ابی امیہ بن مغیرہ کو دیکھا، تو فرمایا: چچا جان! لا الہ الا اللہ کہہ دیں، تاکہ اس کلمہ کے ذریعہ اللہ کے ہاں آپ کے حق میں گواہی دے سکوں۔ اس پر ابوجہل اور عبداللہ بن ابی امیہ کہنے لگے: ابو طالب! عبد المطلب کے دین سے مُنحرف ہو جاؤ گے؟ رسولِ اکرم ﷺ مسلسل اپنی بات ابوطالب کو پیش کرتے رہے اور بار بار یہ کہتے رہے، حتی کہ ابوطالب نے اپنی آخری بات یوں کی کہ وہ عبدالمطلب کے دین پر ہیں۔ انہوں نے لا الہ الا اللہ کہنے سے انکار کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

: مجھے جب تک روکا نہ گیا، اللہ تعالیٰ سے آپ کے لیے استغفار کرتا رہوں گا، تو یہ آیت نازل ہوئی:

﴿مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَّسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبٰى مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ﴾(التوبة : 113).

”نبی اور مومنوں کے لیے روا نہیں کہ وہ مشرکین کے لیے استغفار کریں، گو وہ قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں، جب ان پر واضح ہے کہ مشرک جہنمی ہیں۔“

اللہ تعالیٰ نے ابو طالب کے بارے میں قرآن نازل کرتے ہوئے اپنے رسول سے فرمایا: ﴿إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ﴾ (القصص : ٥٦)

”آپ جسے چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے۔“

(صحيح البخاري : 3884، صحيح مسلم : 24)

❀ ایک روایت کے الفاظ ہیں:

حَتّٰى قَالَ أَبُو طَالِبٍ آخِرَ مَا كَلَّمَهُمْ : هُوَ عَلٰى مِلَّةِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ، وَأَبٰى أَنْ يَقُولَ : لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ .

”ابو طالب کا آخری کلمہ تھا کہ وہ عبد المطلب کے دین پر فوت ہو رہا ہے، اس نے کلمہ لا الہ الا اللہ پڑھنے سے انکار کر دیا۔“

(صحيح البخاري : 1360)

یہ اور دیگر احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ابو طالب کافر تھے، وہ ملت عبد المطلب پر فوت ہوئے اور انہوں نے مرتے وقت کلمہ پڑھنے سے انکار کر دیا تھا۔

جبکہ اس کے معارض روایت میں ہے کہ ابو طالب نے مرتے وقت آہستہ سے کلمہ پڑھ لیا تھا۔

❁ سیّدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

لَمَّا رَأَى حِرْصَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْهِ، قَالَ: يَا ابْنَ أَخِي، وَاللّٰهِ لَوْلَا مَخَافَةُ السُّبَّةِ عَلَيْكَ وَعَلٰى بَنِي أَبِيكَ مِنْ بَعْدِي، وَأَنْ تَظُنَّ قُرَيْشٌ أَنِّي إِنَّمَا قُلْتُهَا جَزَعًا مِنَ الْمَوْتِ لَقُلْتُهَا، لَا أَقُولُهَا إِلَّا لِأَسُرَّكَ بِهَا، قَالَ: فَلَمَّا تَقَارَبَ مِنْ أَبِي طَالِبٍ الْمَوْتُ قَالَ: نَظَرَ الْعَبَّاسُ إِلَيْهِ يُحَرِّكُ شَفَتَيْهِ، قَالَ: فَأَصْغٰى إِلَيْهِ بِأُذُنِهِ، قَالَ: فَقَالَ: يَا ابْنَ أَخِي، وَاللّٰهِ لَقَدْ قَالَ أَخِي الْكَلِمَةَ الَّتِي أَمَرْتَهُ أَنْ يَقُولَهَا، قَالَ: فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَمْ أَسْمَعْ.

''جب ابوطالب نے اپنے (ایمان کے) بارے رسول اللہ ﷺ کی حرص دیکھی، تو کہا: بھتیجے! اللہ کی قسم، اگر مجھے اپنے بعد آپ اور آپ کے بھائیوں پر طعن و تشنیع کا خطرہ نہ ہوتا، نیز قریش یہ نہ سمجھتے کہ میں نے موت کے ڈر سے کلمہ پڑھا ہے، تو میں کلمہ پڑھ لیتا۔ میں صرف آپ کو خوش کرنے کے لیے ایسا کروں گا۔ پھر جب ابوطالب کی موت کا وقت قریب آیا، تو عباس نے اُن کو ہونٹ ہلاتے دیکھا۔ اُنھوں نے اپنا کان لگایا اور (رسول اللہ ﷺ سے) کہا: بھتیجے! یقیناً میرے بھائی نے وہ بات کہہ دی ہے، جس کے کہنے کا آپ نے

اُنہیں حکم دیا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میں نے نہیں سنا۔“

(السّیرۃ لابن ھشام: 417/1، 418، المغازي لیونس بن بُکیر ص: 238، دلائل النّبوۃ للبیھقي: 346/2)

اس تعارض کا کیا جواب ہے؟

جواب: صحیح اور مشہور احادیث سے ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ابو طالب پر کلمہ پیش کیا، مگر انہوں نے مرتے دم تک کلمہ نہیں پڑھا، بلکہ کلمہ پڑھنے سے انکار کر دیا۔ جس روایت میں آہستہ سے کلمہ پڑھنے کا ذکر ہے، وہ سخت ضعیف ہے، اہل علم نے اس پر جرح اور قدح کی ہے۔

❀ حافظ ابن عساکر رحمہ اللہ (۵۷۱ھ) فرماتے ہیں:

هٰذَا الْحَدِيثُ فِي بَعْضِ إِسْنَادِهِ مَنْ يُّجْهَلُ، وَالْأَحَادِيثُ الصَّحِيحَةُ تَدُلُّ عَلٰى مَوْتِهِ كَافِرًا.

”اس حدیث کی سند کا ایک راوی نامعلوم ہے۔ اس کے برعکس صحیح احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ابو طالب حالت کفر میں فوت ہوئے۔“

(تاریخ دِمَشق: 333/66)

❀ حافظ بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

هٰذَا إِسْنَادٌ مُنْقَطِعٌ، وَلَمْ يَكُنْ أَسْلَمَ الْعَبَّاسُ فِي ذٰلِكَ الْوَقْتِ وَحِينَ أَسْلَمَ سَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ حَالِ أَبِي طَالِبٍ فَقَالَ مَا فِي الْحَدِيثِ الثَّابِتِ الَّذِي يَا رَسُولَ اللّٰهِ هَلْ نَفَعْتَ أَبَا طَالِبٍ بِشَيْءٍ؟ فَإِنَّهٗ كَانَ يَحُوطُكَ وَيَغْضَبُ لَكَ قَالَ

: نَعَمْ، هُوَ فِي ضَحْضَاحٍ مِنَ النَّارِ، وَلَوْلَا أَنَا لَكَانَ فِي الدَّرْكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ عَنْ مُوسٰى، وَرَوَاهُ مُسْلِمٌ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ .

''یہ سند منقطع ہے۔ نیز ابوطالب کی وفات کے وقت تک تو سیّدنا عباس رضی اللہ عنہ مسلمان ہی نہیں ہوئے تھے۔ جب وہ مسلمان ہوئے، تو انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ابوطالب کی حالت کے بارے میں دریافت کرتے ہوئے وہ بات کی، جو صحیح حدیث میں موجود ہے کہ اللہ کے رسول! کیا آپ نے ابوطالب کو کوئی فائدہ دیا ہے؟ وہ تو آپ کی حفاظت کرتے تھے اور آپ کے لیے دوسروں سے غصہ ہو جایا کرتے تھے۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جی ہاں! وہ اب جہنم کے بالائی طبقہ میں ہیں۔ اگر میں نہ ہوتا، تو وہ جہنم کے نچلے گڑھے میں ہوتے۔ اسے بخاری نے موسیٰ اور مسلم نے محمد بن ابی بکر کی سند سے روایت کیا ہے۔''

(دلائل النّبوۃ: 346/2)

❀ حافظ ذہبی رحمہ اللہ (۷۴۸ھ) فرماتے ہیں:

هٰذَا لَا يَصِحُّ، وَلَوْ كَانَ سَمِعَهُ الْعَبَّاسُ يَقُولُهَا لَمَا سَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ : هَلْ نَفَعْتَ عَمَّكَ بِشَيْءٍ، وَلَمَا قَالَ عَلِيٌّ بَعْدَ مَوْتِهِ : يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنَّ عَمَّكَ الشَّيْخَ الضَّالَّ قَدْ مَاتَ .

''یہ روایت ثابت نہیں۔ اگر سیّدنا عباس رضی اللہ عنہ نے اس بات کو سنا ہوتا، تو وہ کبھی بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرتے ہوئے یہ نہ کہتے کہ کیا آپ نے اپنے چچا

کوکوئی فائدہ دیا ہے؟ نیز سیّدنا علی رضی اللہ عنہ اُن کی وفات کے بعد یہ نہ کہتے کہ اللہ کے رسول! آپ کا گمراہ چچا فوت ہو گیا ہے۔“

(تاریخ الإسلام : 149/2)

❀ نیز فرماتے ہیں:

إِسْنَادُهُ ضَعِيفٌ لِأَنَّ فِيهِ مَجْهُولًا، وَأَيْضًا، فَكَانَ الْعَبَّاسُ ذٰلِكَ الْوَقْتَ عَلٰى جَاهِلِيَّتِهِ، وَلِهٰذَا إِنْ صَحَّ الْحَدِيثُ لَمْ يَقْبَلِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رِوَايَتَهُ وَقَالَ لَهُ : لَمْ أَسْمَعْ، وَقَدْ تَقَدَّمَ أَنَّهُ بَعْدَ إِسْلَامِهِ قَالَ : يَا رَسُولَ اللّٰهِ هَلْ نَفَعْتَ أَبَا طَالِبٍ بِشَيْءٍ، فَإِنَّهُ كَانَ يَحُوطُكَ وَيَغْضَبُ لَكَ، فَلَوْ كَانَ الْعَبَّاسُ عِنْدَهُ عِلْمٌ مِنْ إِسْلَامِ أَخِيهِ أَبِي طَالِبٍ لَمَا قَالَ هٰذَا، وَلَمَا سَكَتَ عِنْدَ قَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هُوَ فِي ضَحْضَاحٍ مِنَ النَّارِ، وَلَقَالَ : إِنِّي سَمِعْتُهُ يَقُولُ : لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَلٰكِنَّ الرَّافِضَةَ قَوْمٌ بُهْتٌ .

”سند ضعیف ہے، اس میں ایک مجہول راوی ہے۔ نیز اس وقت سیّدنا عباس رضی اللہ عنہ جاہلیت میں تھے، لہٰذا اگر یہ حدیث ثابت بھی ہو جائے، تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی یہ روایت قبول ہی نہیں کی اور فرمایا: میں نے تو نہیں سنا، پھر یہ بات بھی بیان ہو چکی کہ سیّدنا عباس رضی اللہ عنہ نے مسلمان ہونے کے بعد کہا تھا: اللہ کے رسول! کیا آپ نے اپنے چچا کو کوئی فائدہ پہنچایا ہے؟ وہ تو آپ کی

حفاظت کرتے تھے اور آپ کی خاطر دوسروں سے غصہ ہو جایا کرتے تھے۔ اگر سیّدنا عباس رضی اللہ عنہ کے پاس اپنے بھائی (ابو طالب) کے مسلمان ہونے کا علم ہوتا، تو وہ یہ بات نہ کہتے، نہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کو سننے کے بعد خاموش رہتے کہ ابو طالب جہنم کے بالائی طبقہ میں ہیں۔ وہ ضرور پکار اُٹھتے کہ میں نے تو اُنہیں لا الٰہ الا اللہ کہتے سنا ہے، لیکن کیا کریں کہ رافضی بیوقوف ہیں۔“

(تاریخ الإسلام : 151/2)

✿ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (۷۷۴ھ) فرماتے ہیں:

إِنَّ فِي السَّنَدِ مُبْهَمًا لَا يُعْرَفُ حَالُهُ وَهُوَ قَوْلُهُ عَنْ بَعْضِ أَهْلِهٖ وَهٰذَا إِبْهَامٌ فِي الْاِسْمِ وَالْحَالِ، وَمِثْلُهُ يُتَوَقَّفُ فِيهِ لَوِ انْفَرَدَ وَالْخَبَرُ عِنْدِي مَا صَحَّ لِضُعْفٍ فِي سَنَدِهٖ .

”سند میں ایک مبہم راوی ہے، جس کے حالات معلوم نہیں ہو سکے، نیز یہ اُس کے بعض اہل کی بات ہے۔ نام اور حالات دونوں میں ابہام ہے۔ اس جیسے راوی کی روایت اگر منفرد ہو، تو اس میں توقف کیا جاتا ہے۔ میرے نزدیک یہ روایت سند کے ضعیف ہونے کی بنا پر ثابت نہیں۔“

(البداية والنّهاية : 123/3، 125)

✿ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (۸۵۲ھ) فرماتے ہیں:

بِسَنَدٍ فِيهِ مَنْ لَمْ يُسَمَّ وَهٰذَا الْحَدِيثُ لَوْ كَانَ طَرِيقُهُ صَحِيحًا لَعَارَضَهُ هٰذَا الْحَدِيثُ الَّذِي هُوَ أَصَحُّ مِنْهُ فَضْلًا عَنْ أَنَّهُ لَا يَصِحُّ .

”یہ روایت ایسی سند سے مروی ہے، جس میں ایک راوی کا نام ہی بیان نہیں کیا

گیا۔اس حدیث کی سند اگر صحیح بھی ہو،تو بھی یہ اپنے سے زیادہ صحیح حدیث کے معارض ہے۔اس کا غیر ثابت ہونا مستزاد ہے۔‘‘

(فتح الباري : 184/7)

❀ علامہ عینی حنفی رحمہ اللہ (۸۵۵ھ) فرماتے ہیں:

فِي سَنَدِ هٰذَا الْحَدِيْثِ مُبْهَمٌ لَا يُعْرَفُ حَالُهٗ، وَهٰذَا إِبْهَامٌ فِي الْاِسْمِ وَالْحَالِ، وَمِثْلُهٗ يُتَوَقَّفُ فِيْهِ لَوِ انْفَرَدَ .

’’اس حدیث کی سند میں ایک مبہم راوی ہے،جس کے حالات معلوم نہیں ہو سکے۔نام اور حالات دونوں مجہول ہیں۔اس جیسے راوی کی روایت اگر منفرد ہو،تو اس میں توقف کیا جاتا ہے۔‘‘

(شرح سنن أبي داوٗد : 172/6)

❀ نیز فرماتے ہیں:

ذَهَبَ بَعْضُ الشِّيعَةِ إِلٰى أَنَّهٗ مَاتَ مُسْلِمًا، وَالَّذِي صَحَّ فِي الْبُخَارِيِّ يُخَالِفُهٗ .

’’بعض شیعہ کا کہنا ہے کہ ابو طالب مسلمان ہو کر فوت ہوئے،جبکہ صحیح بخاری کی حدیث اس کے مخالف ہے۔‘‘

(البناية شرح الهداية : 238/3)

کفر ابی طالب پر قرآنی صراحت اور بہت سی صحیح احادیث کو ترک کر کے ایک ضعیف روایت کو بنیاد بنا کر ان کے ایمان و اسلام کو ثابت کرنا انصاف نہیں۔

معلوم ہوا کہ اس ضعیف اور غیر ثابت روایت کو بخاری و مسلم کی بالاتفاق صحیح اور مشہور

روایت کے خلاف پیش کرنا درست نہیں۔

سوال: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

عَرَّسْنَا مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ نَسْتَيْقِظْ حَتّٰى آذَتْنَا الشَّمْسُ فَقَالَ نَبِيُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لِيَأْخُذْ كُلُّ رَجُلٍ بِرَأْسِ رَاحِلَتِهٖ ثُمَّ يَتَنَحَّ عَنْ هٰذَا الْمَنْزِلِ، ثُمَّ دَعَا بِمَاءٍ فَتَوَضَّأَ فَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ ثُمَّ أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ فَصَلّٰى.

''ہم نے رات کے آخری حصے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پڑاؤ کیا، سورج کی تپش نے ہی ہمیں بیدار کیا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر شخص اپنے اونٹ کی نکیل پکڑ کر اس جگہ سے کوچ کر جائے۔ پھر آپ نے پانی منگوا کر وضو کیا اور دو رکعت نماز (سنت) ادا کی، پھر اقامت کہی گئی اور فرض نماز ادا کی۔''

(صحيح مسلم: 310/680، المُنتقٰى لابن الجارود: 240)

اس حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فجر سے سوئے رہ گئے، حتیٰ کہ سورج طلوع ہو گیا، ظاہری طور پر یہ حدیث درج ذیل حدیث کے معارض ہے:

❀ ابو سلمہ بن عبد الرحمٰن رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں، انہوں نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رمضان میں نماز کیسی تھی؟ تو آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

مَا كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَزِيدُ فِي رَمَضَانَ وَلَا فِي غَيْرِهٖ عَلٰى إِحْدٰى عَشْرَةَ رَكْعَةً، يُصَلِّي أَرْبَعًا، فَلَا تَسَئَلْ عَنْ حُسْنِهِنَّ وَطُولِهِنَّ، ثُمَّ يُصَلِّي أَرْبَعًا، فَلَا تَسَئَلْ

عَنْ حُسْنِهِنَّ وَطُولِهِنَّ، ثُمَّ يُصَلِّي ثَلَاثًا، قَالَتْ عَائِشَةُ : فَقُلْتُ : يَا رَسُولَ اللّٰهِ، أَتَنَامُ قَبْلَ أَنْ تُوتِرَ؟ فَقَالَ : يَا عَائِشَةُ، إِنَّ عَيْنَيَّ تَنَامَانِ وَلَا يَنَامُ قَلْبِي .

''رسول اکرم ﷺ رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ نماز نہیں پڑھتے تھے، چار رکعت پڑھتے، ان کا حسن اور ان کی طوالت مت پوچھیے، پھر چار رکعت پڑھتے ،طوالت اور حسن میں مثالی، پھر تین وتر پڑھتے۔ میں نے پوچھا: اللہ کے رسول! آپ وتر پڑھنے سے پہلے سو جاتے ہیں؟ فرمایا: عائشہ! میری آنکھیں سوتی ہیں مگر دل نہیں سوتا۔''

(صحيح البخاري : 1147، صحيح مسلم : 125/738)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کی صرف آنکھوں سوتی ہیں، دل جاگتا ہے، پھر نبی کریم ﷺ کو طلوع آفتاب کا علم کیوں نہ ہوا؟

جواب: اہل علم نے اس تعارض کے کئی جواب دیے ہیں؛

بعض اہل علم کے مطابق نبی کریم ﷺ کی آنکھیں سونے اور دل جاگنے کا تعلق اکثر احوال پر ہے، یعنی اکثر ایسا ہوتا ہے، البتہ کبھی کبھار آپ ﷺ بھی عام انسانوں کی طرح سو جاتے ہیں۔ جیسے مذکورہ حدیث میں نماز فجر سے سوئے رہ گئے اور اسے طلوع آفتاب سے پہلے ادا نہ کر سکے۔

جبکہ دیگر اہل علم کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے دل جاگنے کا تعلق صرف وحی کے نزول اور وضو ٹوٹنے کے ساتھ ہے، ہر معاملہ میں آپ ﷺ کا دل نہیں جاگتا۔ کیونکہ آپ ﷺ کا خاصہ ہے کہ آپ ﷺ پر حالت نیند میں وحی نازل ہوتی ہے، لہٰذا عام انسانوں کی طرح

آپ ﷺ کے دل پر نیند کا غلبہ نہیں ہوتا کہ وحی نازل ہونے کی صورت میں اسے یاد نہ رکھ سکیں۔اسی طرح وضو ٹوٹنے یا نہ ٹوٹنے کے متعلق آپ ﷺ کو خصوصیت حاصل ہے کہ عام انسانوں سے ہٹ کر آپ ﷺ کو وضو ٹوٹنے یا قائم رہنے کا شعور رہتا ہے، جیسا کہ مذکورہ بالا حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا سے معلوم ہوتا ہے۔

بعض علما نے کہا ہے کہ ان دونوں احادیث میں کوئی تعارض وتناقض نہیں، کیونکہ حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا سے ثابت ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کی آنکھیں بھی عام انسانوں کی طرح سو جاتی ہیں، کسی شے کو نہیں دیکھ سکتیں اور نماز فجر کا وقت اور طلوع آفتاب کا ادراک آنکھوں سے ہی ہوتا ہے، دل سے نہیں ہوتا، لہٰذا آپ ﷺ کو سورج طلوع ہونے کا علم نہ ہو سکا، پھر جب سورج کی کرنیں چہرے پر پڑیں، تو آپ ﷺ بیدار ہو گئے۔

آخری دو باتیں زیادہ بہتر معلوم ہوتی ہیں۔

سوال: سیدنا یعلی بن اُمیہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْجِعْرَانَةِ وَعَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَوْبٌ قَدْ ظُلِّلَ بِهٖ عَلَيْهِ مَعَهٗ فِيهِ نَاسٌ مِّنْ أَصْحَابِهٖ مِنْهُمْ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ إِذْ جَاءَهٗ رَجُلٌ عَلَيْهِ جُبَّةٌ مُّتَضَمِّخٌ بِطِيبٍ فَقَالَ : يَا رَسُولَ اللّٰهِ كَيْفَ تَرٰى فِي رَجُلٍ أَحْرَمَ بِعُمْرَةٍ فِي جُبَّةٍ بَعْدَ مَا تَضَمَّخَ بِطِيبٍ فَنَظَرَ إِلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَاعَةً ثُمَّ سَكَتَ فَجَاءَهُ الْوَحْيُ فَأَشَارَ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ بِيَدِهٖ إِلٰى يَعْلَى بْنِ أُمَيَّةَ تَعَالَ قَالَ :

فَجَاءَ يَعْلٰى فَأَدْخَلَ رَأْسَهٗ فَإِذَا بِالنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُحْمَرُّ الْوَجْهِ يَغِطُّ سَاعَةً ثُمَّ سُرِّيَ عَنْهُ فَقَالَ : أَيْنَ السَّائِلُ الَّذِي سَأَلَنِي عَنِ الْعُمْرَةِ آنِفًا فَالْتُمِسَ الرَّجُلُ فَجِيءَ بِهٖ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : أَمَّا الطِّيبُ الَّذِي بِكَ فَاغْسِلْهُ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، وَأَمَّا الْجُبَّةُ فَانْزِعْهَا ثُمَّ اصْنَعْ فِي عُمْرَتِكَ مَا تَصْنَعُ فِي حَجِّكَ .

”نبی کریم ﷺ مقام جعرانہ میں تھے اور آپ پر ایک کپڑے سے سایہ کیا گیا تھا، جس میں آپ کے ساتھ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سمیت آپ ﷺ کے چند صحابہ بھی تھے، ایک آدمی آیا، جس نے کوٹ پہنا ہوا تھا اور خوشبو بھی لگا رکھی تھی، پوچھا: اللہ کے رسول! اس شخص کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے، جو خوشبو لگانے کے بعد عمرہ کا احرام باندھ لے؟ نبی کریم ﷺ نے لحہ بھر اس کی طرف خاموشی سے دیکھا، تو آپ پر وحی آ گئی، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے ہاتھ سے سیدنا یعلی رضی اللہ عنہ کو آنے کا اشارہ کیا، چنانچہ سیدنا یعلی رضی اللہ عنہ آئے اور اپنا سر (کپڑے کے) اندر داخل کیا، نبی کریم ﷺ کا چہرہ سرخ ہو چکا تھا اور آپ خراٹے لے رہے تھے، پھر آپ سے وحی کی کیفیت دور ہوئی، تو فرمایا: وہ شخص کہاں ہے، جس نے ابھی مجھ سے عمرہ کے متعلق پوچھا تھا؟ چنانچہ اس شخص کو تلاش کر کے لایا گیا، تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: خوشبو کو تین مرتبہ دھو ڈالیں اور جبہ اتار دیں، پھر جس طرح آپ حج میں کرتے ہیں، ویسے ہی عمرہ میں بھی کر لیں۔“

(صحيح البخاري : 1789، صحيح مسلم : 1180، المُنتقٰى لابن الجارود : 447)

جس شخص نے احرام میں خوشبو لگا جبہ پہنا تھا، رسول اللہ ﷺ نے اسے فدیہ ادا کرنے کا حکم کیوں نہ دیا؟

جواب: رسول اللہ ﷺ نے جبہ پہننے اور حالت احرام میں خوشبو لگانے پر فدیہ ادا کرنے کا حکم نہیں دیا، اس لیے کہ اس وقت تک حالت احرام میں خوشبو لگانے اور جبہ پہننے کی ممانعت نازل نہ ہوئی تھی، واللہ اعلم!

سوال: احکام الٰہی میں ''حیلہ'' کرنا کیسا ہے؟

جواب: ہر وہ حیلہ، جسے شریعت نے اختیار کرنے کی اجازت نہیں دی، اسے اختیار کرنا ناجائز اور حرام ہے۔ یہ غیر شرعی حیلہ ہے، جو شرعی احکام کو معطل کرنے کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں۔ پہلی اُمتوں نے بھی اپنی اپنی شریعت میں حیلہ سازی کی اور اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ اشیا کو حیلوں کے ذریعہ حلال کیا۔

❁ سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

إِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ بَيْعَ الْخَمْرِ وَالْأَصْنَامِ وَالْمَيْتَةِ وَالْخِنْزِيرِ، فَقَالَ بَعْضُ الْمُسْلِمِينَ فَكَيْفَ تَرٰى فِي شُحُومِ الْمَيْتَةِ تُدْهَنُ بِهِ الْجُلُودُ وَالسُّفُنُ وَيَسْتَصْبِحُ بِهِ النَّاسُ فَقَالَ : حَرَامٌ، قَاتَلَ اللّٰهُ الْيَهُودَ لَمَّا حُرِّمَتْ عَلَيْهِمُ الشُّحُومُ أَجْمَلُوهَا فَبَاعُوهُ فَأَكَلُوا ثَمَنَهُ .

''اللہ تعالیٰ نے شراب، بت، مردار اور خنزیر کی خرید وفروخت کو حرام قرار دیا ہے۔ مسلمانوں میں سے کسی نے پوچھا: مردار کی چربی کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟ اس سے چمڑے اور کشتیوں کو رنگا جاتا ہے، نیز لوگ اس سے چراغ بھی جلاتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: حرام ہے، اللہ تعالیٰ یہودیوں کو غارت

کرے، جب ان پر چربی حرام ہوئی، تو انہوں نے اسے پگھلا کر بیچ دیا اور اس کی قیمت کھالی۔‘‘

(صحيح البخاري : 2236، صحيح مسلم : 1581، المُنتقٰى لابن الجارود : 578)

❁ حافظ خطابی رحمہ اللہ (۳۸۸ھ) فرماتے ہیں:

فِيهِ إِبْطَالُ الْحِيَلِ وَالْوَسَائِلِ الَّتِي يُتَوَصَّل بِهَا إِلَى الْمَحْظُورِ مِنْ طَرِيقِ التَّأْوِيلِ، وَإِنَّمَا ضُرِبَ الْمَثَلُ بِصَنِيعِ الْيَهُودِ فِي الشُّحُومِ وَاجْتِمَالِهِمْ، لِيُعْلَمَ أَنَّ الشَّيْءَ إِذَا حُرِّمَ عَيْنُهُ حُرِّمَ ثَمَنُهُ.

’’یہ حدیث دلیل ہے کہ وہ حیلے اور وسیلے، جنہیں اختیار کر کے تاویل کے ذریعہ حرام کا ارتکاب کیا جاتا ہے، وہ باطل ہیں۔ یہاں یہود کا چربی کو پگھلانے کی مثال اس لیے بیان کی گئی، تاکہ یہ علم ہو جائے کہ جس شے کو حرام کر دیا جائے، تو اس کی قیمت کھانا بھی حرام ہوتا ہے (الا کہ استثنیٰ کی دلیل آجائے)۔‘‘

(أعلام الحديث : 1101/2)

❁ قاضی عیاض رحمہ اللہ (۵۴۴ھ) فرماتے ہیں:

فِي هٰذَا الْحَدِيثِ إِبْطَالُ الْحِيَلِ، وَالْحُجَّةُ عَلٰى مَنْ قَالَ بِهَا فِي إِسْقَاطِ حُدُودِ الشَّرْعِ مِنَ الْكُوفِيِّينَ.

’’یہ حدیث حیلوں کے بطلان پر دلیل ہے، نیز یہ حدیث ان کوفیوں کے خلاف دلیل ہے، جو حیلوں کے ذریعہ شرعی حدود کو ساقط کرتے ہیں۔‘‘

(إكمال المُعلم : 254/5)

فتاویٰ امن پوری (قسط ۳۸۵)

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

سوال: نکاح شغار کا کیا حکم ہے؟

جواب: نکاح شغار (وٹہ سٹہ کا نکاح) ناجائز اور ممنوع ہے۔

❀ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنِ الشِّغَارِ .

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح شغار (وٹہ سٹہ) سے منع فرمایا ہے۔“

(صحيح البخاري : 5112، صحيح مسلم : 1415)

❀ حافظ ابن دقیق العید رحمہ اللہ (۷۰۲ھ) فرماتے ہیں:

اَلْحَدِيثُ صَرِيحٌ فِي النَّهْيِ عَنْ نِكَاحِ الشِّغَارِ وَاتَّفَقَ الْعُلَمَاءُ عَلَى الْمَنْعِ مِنْهُ .

”نکاح شغار کی ممانعت میں یہ حدیث صریح ہے۔اہل علم کا اتفاق ہے کہ نکاح شغار ممنوع ہے۔“

(إحكام الأحكام شرح عمدة الأحكام : 2/175)

ہر ایک نکاح کا علیحدہ علیحدہ مہر مقرر ہو، تو بٹے کا نکاح جائز ہے، اگر نکاح بدلے نکاح کے مہر مقرر ہو، تو یہ نکاح منعقد نہیں ہوگا، خواہ بعد میں مہر مثل ادا بھی کر دیا جائے۔

سوال: سیدنا عبداللہ بن زید بن عاصم مازنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

إِنَّهُ أَفْرَغَ عَلٰى يَدَيْهِ مِنَ الْإِنَاءِ فَغَسَلَهُمَا وَتَمَضْمَضَ وَاسْتَنْثَرَ ثَلَاثًا ثَلَاثًا وَأَنَّهُ أَخَذَ بِيَدَيْهِ مَاءً فَبَدَأَ بِمُقَدَّمِ رَأْسِهِ ثُمَّ ذَهَبَ بِيَدَيْهِ إِلٰى مُؤَخَّرِ الرَّأْسِ ثُمَّ رَدَّهُمَا إِلٰى مُقَدَّمِهِ.

''رسول اللہ ﷺ نے برتن سے دونوں ہاتھوں پر پانی ڈال کر انہیں دھویا، تین مرتبہ کلی کی، تین مرتبہ ناک صاف کی، دونوں ہاتھوں سے پانی لے کر سر کی اگلی جانب سے (مسح) شروع کیا، دونوں ہاتھوں کو پچھلی جانب لے گئے، پھر آگے واپس لے آئے۔''

(صحيح البخاري : 185، صحيح مسلم : 235، المُنتقٰى لابن الجارود : 73)

یہاں سر کے مسح کی ترتیب یہ بیان ہوئی ہے کہ نبی کریم ﷺ اپنے دونوں ہاتھوں کو سر کے آگے سے پیچھے تک اور پھر پیچھے سے آگے تک لائے۔

❁ جبکہ دوسری حدیث کے الفاظ ہیں:

فَأَقْبَلَ بِهِمَا وَأَدْبَرَ.

''دونوں ہاتھوں کو آگے لے کر آئے اور پیچھے لے کر گئے۔''

(صحيح البخاري : 185، صحيح مسلم : 235)

کیا سر کا مسح پیچھے سے آگے کی طرف اور پھر آگے سے پیچھے کی طرف کیا جا سکتا ہے؟

(جواب): اس پر تقریباً سب کا اتفاق ہے کہ سر کا مسح آگے سے پیچھے کی طرف اور پھر پیچھے سے آگے کی طرف کیا جائے گا، مسح کا آغاز پیچھے سے آگے کی طرف نہیں کیا جائے گا۔

«فَأَقْبَلَ بِهِمَا وَأَدْبَرَ» کے بارے میں اہل علم کے کئی اقوال ہیں، سب سے بہتر قول یہ ہے کہ یہاں ''واؤ'' ترتیب کے لیے نہیں، یعنی یہاں سر کے مسح کی ترتیب بیان نہیں

ہوئی، صرف اتنا بیان ہوا ہے کہ سر کا مسح جیسے آگے سے پیچھے کی طرف کرنا ہے، ایسے ہی پیچھے سے آگے کی طرف بھی کرنا ہے۔

جبکہ دوسری حدیث میں سر کے مسح کی ترتیب اور طریقہ وضاحت کے ساتھ بیان ہو گیا کہ مسح کا آغاز سر کے اگلے حصہ سے کرنا اور انہیں گدی تک لے جانا ہے، پھر گدی سے واپس سر کے اگلے حصہ تک لانا ہے۔

لہٰذا احادیث کے الفاظ میں کوئی تعارض نہیں۔

سوال: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

صَلَاةُ الرَّجُلِ فِي الْجَمَاعَةِ تُضَعَّفُ عَلٰى صَلَاتِهٖ فِي بَيْتِهٖ، وَفِي سُوقِهٖ، خَمْسًا وَّعِشْرِينَ ضِعْفًا، وَذٰلِكَ أَنَّهٗ إِذَا تَوَضَّأَ، فَأَحْسَنَ الْوُضُوءَ، ثُمَّ خَرَجَ إِلَى الْمَسْجِدِ، لَا يُخْرِجُهٗ إِلَّا الصَّلَاةُ، لَمْ يَخْطُ خَطْوَةً، إِلَّا رُفِعَتْ لَهٗ بِهَا دَرَجَةٌ، وَحُطَّ عَنْهُ بِهَا خَطِيئَةٌ، فَإِذَا صَلّٰى، لَمْ تَزَلِ الْمَلَائِكَةُ تُصَلِّي عَلَيْهِ، مَا دَامَ فِي مُصَلَّاهُ : اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَيْهِ، اَللّٰهُمَّ ارْحَمْهُ، وَلَا يَزَالُ أَحَدُكُمْ فِي صَلَاةٍ مَا انْتَظَرَ الصَّلَاةَ .

”باجماعت پڑھی ہوئی نماز کو گھر اور بازار میں پڑھی ہوئی نماز پر ستائیس درجے فضیلت حاصل ہے۔ وہ اس طرح کہ جب آدمی وضو کرتا ہے اور عمدہ وضو کرتا ہے، پھر مسجد کی طرف نکلتا ہے، نکلنے کا مقصد صرف نماز ہوتا ہے، تو ایک قدم اٹھانے پر اس کا ایک درجہ بلند ہوتا ہے اور ایک خطا معاف ہوتی ہے،

فرشتے تب تک اس پر مسلسل رحمت کی دعا کرتے رہتے ہیں، جب تک وہ نماز والی جگہ (مسجد) میں بیٹھا رہتا ہے۔ (کہتے ہیں:) اللہ! اس پر رحمت فرما، اللہ! اس پر رحم فرما۔ نیز جب تک آپ نماز کا انتظار کرتے ہیں، آپ نماز میں ہی شمار ہوتے ہیں۔''

(صحیح البخاري : 647، صحیح مسلم : 649)

کیا گھر میں باجماعت پڑھی گئی نماز اور مسجد میں باجماعت پڑھی گئی نماز کی فضیلت ایک جیسی ہے؟

جواب: حدیث کے ظاہر کا یہی تقاضا ہے کہ مسجد میں پڑھی گئی باجماعت نماز کو گھر اور بازار میں پڑھی گئی باجماعت اور انفرادی نماز پر فضیلت حاصل ہے، کیونکہ اس فضیلت کا تعلق مسجد کے ساتھ ہے، جیسا کہ حدیث میں مسجد کی طرف نکلنے اور ہر قدم پر درجہ بلند ہونے اور خطا معاف ہونے کا اجر بیان ہوا ہے۔ یہ اجر گھر میں باجماعت نماز پڑھنے سے حاصل نہیں ہوتا۔

یاد رہے کہ مسجد قریب ہو اور عذر شرعی نہ ہو، تو تمام بالغ مردوں کے لیے ضروری ہے کہ باجماعت نماز ادا کریں، باجماعت نماز ادا کرنا واجب ہے۔ بلا عذر جماعت ترک کرنے پر سخت وعید آئی ہے۔

❀ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ آمُرَ رِجَالًا فَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ ثُمَّ آمُرُ فِتْيَانِي فَيَخْلُفُونَ إِلٰى قَوْمٍ لَّا يَأْتُونَهَا فَيُحَرِّقُونَ عَلَيْهِمْ بُيُوتَهُمْ بِحُزَمِ الْحَطَبِ، وَلَوْ عَلِمَ أَحَدُهُمْ أَنَّهُ يَجِدُ عَظْمًا سَمِينًا أَوْ مِرْمَاتَيْنِ

حَسَنَتَيْنِ لَشَهِدَ الْعِشَاءَ .

”میں نے ارادہ کیا ہے کہ لوگوں کو حکم دے کر جماعت کھڑی کروادوں، پھر میں اپنے جوانوں کو حکم دوں کہ وہ ان لوگوں کے پاس جائیں، جو جماعت میں شامل نہیں ہوتے اور لکڑیوں کے گٹھے سے ان کے گھر جلا دوں، اگر کسی کو معلوم ہو جائے کہ اسے موٹی تازی ہڈی یا دو عمدہ پائے ملیں گے، تو وہ عشا کی نماز میں بھی حاضر ہو جائے گا۔“

(صحيح البخاري : 644، صحيح مسلم :651، المنتقى لابن الجارود : 304)

سوال: سیدنا ابوقتادہ انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

خَرَجَ عَلَيْنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَأُمَامَةُ بِنْتُ أَبِي الْعَاصِ عَلٰى عَاتِقِهٖ، فَصَلَّى، فَإِذَا رَكَعَ وَضَعَ، وَإِذَا رَفَعَ رَفَعَهَا .

”نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس (مسجد میں) تشریف لائے، (نبی رضی اللہ عنہما کی نواسی) اُمامہ بنت ابی العاص رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کندھوں پر تھیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی، جب رکوع کو جاتے، تو اُمامہ رضی اللہ عنہا کو نیچے اُتار دیتے اور جب رکوع سے اٹھتے، تو اُمامہ رضی اللہ عنہا کو اٹھا لیتے۔“

(صحيح البخاري : 5996)

❁ ایک روایت کے الفاظ ہیں:

بَيْنَا نَحْنُ فِي الْمَسْجِدِ جُلُوسٌ، خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَحْمِلُ أُمَامَةَ بِنْتَ أَبِي الْعَاصِ بْنِ الرَّبِيعِ، وَأُمُّهَا زَيْنَبُ بِنْتُ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَهِيَ

صَبِيَّةٌ يَحْمِلُهَا عَلٰى عَاتِقِهٖ، فَصَلَّى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَهِيَ عَلٰى عَاتِقِهٖ، يَضَعُهَا إِذَا رَكَعَ، وَيُعِيدُهَا إِذَا قَامَ، حَتّٰى قَضٰى صَلَاتَهٗ يَفْعَلُ ذٰلِكَ بِهَا.

''ایک دفعہ ہم مسجد میں بیٹھے تھے کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے، آپ نے اُمامہ بنت ابی العاص بن الربیع کو اٹھایا ہوا تھا، اُمامہ کی ماں نبی کریم ﷺ کی بیٹی زینب ہیں۔ وہ چھوٹی بچی تھیں، جنہیں آپ ﷺ نے اپنے کندھے پر سوار کیا ہوا تھا، رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھائی، تو اُمامہ آپ ﷺ کے کندھوں پر ہی تھیں، آپ ﷺ رکوع جاتے، تو امامہ کو نیچے اُتار دیتے اور اُٹھتے، تو واپس کندھوں پر بٹھا لیتے، نماز مکمل ہونے تک آپ ﷺ ایسا ہی کرتے رہے۔''

(سنن أبي داود: 918، وسندهٗ صحيحٌ)

نبی کریم ﷺ نے اپنی نواسی اُمامہ بنت ابی العاص رضی اللہ عنہا کو اٹھا کر نماز کیوں پڑھائی، حالانکہ بچوں میں طہارت کا اتنا دھیان نہیں رکھا جاتا؟

جواب: ہر شے میں اصل طہارت ہے، تا آنکہ نجس ہونے کا یقین یا غالب گمان ہو جائے، یہ عمومی قاعدہ ہے۔

نبی کریم ﷺ نے اپنی نواسی اُمامہ بنت ابی العاص رضی اللہ عنہا کو اٹھا کر نماز پڑھائی، یقیناً آپ ﷺ جانتے تھے کہ پیاری نواسی کے کپڑے اور جسم نجس نہیں ہیں۔

بسا اوقات مائیں بچوں کو نہلا دھلا کر صاف ستھرے کپڑے پہناتی ہیں، اس وقت بچوں کے پاک صاف ہونے کا یقین ہوتا ہے، ممکن ہے کہ نبی کریم ﷺ نے بھی اس دوران بچی کو اٹھا کر نماز پڑھائی ہو۔

سوال: سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

شَهِدْنَا بِنْتًا لِّرَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ : وَرَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَالِسٌ عَلَى الْقَبْرِ، قَالَ : فَرَأَيْتُ عَيْنَيْهِ تَدْمَعَانِ، قَالَ : فَقَالَ : هَلْ مِنْكُمْ رَجُلٌ لَّمْ يُقَارِفِ اللَّيْلَةَ؟، فَقَالَ أَبُو طَلْحَةَ : أَنَا، قَالَ : فَانْزِلْ، قَالَ : فَنَزَلَ فِي قَبْرِهَا .

”ہم (ام کلثوم) بنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تدفین کے وقت حاضر تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبر کے پاس بیٹھے تھے۔ میں نے آپ کی آنکھوں سے زار وقطار آنسو بہتے دیکھے، فرمایا: کون ہے، جس نے آج رات اپنی بیوی سے مباشرت نہیں کی؟ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی: میں ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قبر میں اتریں۔ وہ اتر گئے۔“

(صحيح البخاري : 1285)

❀ ایک روایت ہے:

لَمْ يُقَارِفْ أَهْلَهُ اللَّيْلَةَ .

”جس نے رات کو ہم بستری نہ کی ہو۔“

(شرح مشكل الآثار للطّحاوي : 2514، المستدرك على الصّحيحين للحاكم : 47/4، وسندهٗ حسنٌ)

اس حدیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی سے سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا ہی مراد ہیں، کیونکہ سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے وقت تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ بدر میں تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی غیر موجودگی میں ان کی تدفین ہوگئی تھی۔

مسند احمد کی ایک روایت (3/229، ح:13431، 3/270، ح:13398) میں إِنَّ رُقَيَّةَ لَمَّا مَاتَتْ ''جب سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا فوت ہوئیں۔'' کے الفاظ ہیں۔

❀ اس بارے میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَهِمَ حَمَّادٌ فِي تَسْمِيَتِهَا فَقَطْ .

''حماد کو صرف نام میں وہم ہوا ہے۔''

(فتح الباري : 3/158)

اس حدیث کی بنا پر سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ انہوں نے سیدہ اُم کلثوم رضی اللہ عنہا کی وفات سے پچھلی رات ہم بستری کی تھی، حالانکہ وہ مرض الوفات میں تھیں، سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ ہم بستری سیدہ اُم کلثوم رضی اللہ عنہا سے کی یا اپنی کسی لونڈی سے، بہر صورت انہوں نے ایسا کیوں کیا؟

جواب: مذکورہ حدیث کے کسی لفظ سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے گزشتہ رات سیدہ اُم کلثوم رضی اللہ عنہا یا اپنی کسی لونڈی سے ہم بستری کی تھی۔

دراصل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عام صحابہ سے پوچھا کہ میری بیٹی کو قبر میں وہ اُتارے، جس نے گزشتہ رات وظیفہ زوجیت ادا نہ کیا ہو۔ جھٹ سے سیدنا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ آگے آئے اور عرض کیا کہ میں نے گزشتہ شب ازدواج قائم نہیں کیا۔ لہٰذا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں قبر میں اترنے کے لیے فرمایا۔

اس حدیث سے یہ کیسے کشید کر لیا گیا کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ہم بستری کی تھی؟

اس حدیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ صحابہ میں سے صرف سیدنا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ واحد وہ صحابی تھے، جنہوں نے گزشتہ شب ہم بستری نہیں کی تھی۔ یقیناً دیگر صحابہ بھی ہوں گے، جن

میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ بھی ہوں گے، اب چونکہ قبر میں ایک ہی شخص نے اترنا تھا، لہٰذا سیدنا ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کے جواب دینے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ہی قبر میں اترنے کا حکم فرمایا۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اپنی زوجہ کی وفات پر غمگین تھے اور غم کی وجہ سے نڈھال تھے، لہٰذا انہوں نے خود کو پیش نہ کیا، یا شرم وحیا کی وجہ سے یہ نہ کہا کہ میں نے ہم بستری نہیں کی، کیونکہ یہ تو سب کو معلوم ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ شرم وحیا کے پیکر تھے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق حسن ظن رکھنا ضروری ہے، ان کے بارے میں بدگمانیاں پیدا کرنا اپنے ہی ایمان کے لیے خطرہ بن سکتی ہیں۔

ایک عام مسلمان کے متعلق بغیر دلیل کے الزام لگانا کبیرہ گناہ ہے، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دوہرے داماد اور خلیفہ ثالث رضی اللہ عنہ کے متعلق بدگمانی کی سنگینی اور بھی بڑھ جاتی ہے۔

سوال: سعید بن یسار رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

كُنْتُ أَسِيرُ مَعَ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ بِطَرِيقِ مَكَّةَ، فَقَالَ سَعِيدٌ: فَلَمَّا خَشِيتُ الصُّبْحَ نَزَلْتُ، فَأَوْتَرْتُ، ثُمَّ لَحِقْتُهُ، فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ: أَيْنَ كُنْتَ؟، فَقُلْتُ: خَشِيتُ الصُّبْحَ، فَنَزَلْتُ، فَأَوْتَرْتُ، فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ: أَلَيْسَ لَكَ فِي رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ؟ فَقُلْتُ: بَلٰى، وَاللّٰهِ! قَالَ: فَإِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ كَانَ يُوتِرُ عَلَى الْبَعِيرِ.

''میں سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ مکہ کے راستے میں تھا۔ مجھے خدشہ ہوا کہ صبح صادق طلوع ہونے والی ہے، میں سواری سے اترا اور وتر ادا کر لئے،

پھر میں سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے جا ملا۔ انہوں نے پوچھا: کہاں رہ گئے تھے؟ عرض کیا: صبح صادق طلوع ہونے کا خدشہ ہوا، تو میں نے سواری سے اُتر کر وِتر ادا کر لئے، فرمایا: کیا رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل اسوہ حسنہ نہیں؟ عرض کیا: اللہ کی قسم! کیوں نہیں۔ فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اونٹ پر وِتر ادا کر لیتے تھے۔''

(صحيح البخاري: 999، صحيح مسلم: 36/700)

کہا جاتا ہے کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما وتر کا لفظ نماز تہجد پر بھی بول دیتے تھے، لہٰذا وہ نماز وتر کو سواری پر ادا نہیں کرتے تھے، بلکہ نماز تہجد ادا کرتے تھے۔

❁ علامہ انور شاہ کشمیری صاحب (1933ء) کہتے ہیں:

أَمَّا ابْنُ عُمَرَ، فَالْجَوَابُ عِنْدِي أَنَّهُ مِمَّنْ لَّمْ يَكُنْ يُّفَرِّقُ بَيْنَ الْوِتْرِ وَصَلَاةِ اللَّيْلِ، وَكَانَ يُطْلِقُ الْوِتْرَ عَلَى الْمَجْمُوعِ، فَيُمْكِنُ أَنْ يَّكُونَ مَا ذَكَرَهُ مِنْ وِّتْرِهِ عَلَى الدَّابَّةِ، هِيَ صَلَاةَ اللَّيْلِ.

''رہے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، تو جواب یہ ہے کہ وہ تو تہجد اور وتر میں فرق ہی نہیں کرتے تھے۔ وہ قیام اللیل کے لئے وتر کا لفظ استعمال کرتے تھے۔ ممکن ہے انہوں نے سواری پر وتر کا جو ذکر کیا ہے، اس سے تہجد مراد ہو۔''

(فيض الباري: 194/3)

اس اعتراض کا کیا جواب ہے؟

جواب: فہم صحابی پر بدگمانی دیکھ کر افسوس سے کہنا پڑ رہا ہے کہ اس مسئلے میں شاہ صاحب علمی معیار سے بہت نیچے آ گئے ہیں۔ یہ احادیث بول بول کر بتا رہی ہیں کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے یہاں وتر اور تہجد کو نہ خود ایک سمجھا، نہ اپنے شاگرد سعید بن یسار رحمہ اللہ

کے سامنے ایک شمار کیا، بلکہ ان کی مراد سراسر اصطلاحی وتر تھی۔ یہ بات ادنی غور وفکر سے سمجھ آ سکتی ہے۔ سعید بن یسار رحمہ اللہ نے سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کے استفسار پر بتایا تھا:

خَشِيتُ الصُّبْحَ، فَنَزَلْتُ، فَأَوْتَرْتُ .

''طلوع فجر کا خدشہ ہوا، تو میں نے سواری سے اُتر کر وتر ادا کر لیے۔''

اتنا تھوڑا وقت ہے کہ صبح صادق کے طلوع ہونے کا خدشہ ہے، ایسے عالم میں تہجد ادا کی جا سکتی ہے؟

❀ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ کیا ہے:

إِنَّ رَجُلًا جَاءَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَهُوَ يَخْطُبُ، فَقَالَ : كَيْفَ صَلَاةُ اللَّيْلِ؟ فَقَالَ : مَثْنٰى مَثْنٰى، فَإِذَا خَشِيتَ الصُّبْحَ فَأَوْتِرْ بِوَاحِدَةٍ .

''دوران خطبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا، کہا: تہجد کا طریقہ کیا ہے؟ فرمایا: دو دو رکعت، صبح کا خدشہ ہو، تو ایک وتر پڑھ لیں۔''

(صحيح البخاري : 473، صحيح مسلم : 749)

ثابت ہوا کہ صبح صادق طلوع ہونے کے قریب ہو، تو اصطلاحی وتر ہی ادا کیے جاتے ہیں۔ خود رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک وتر پڑھنے کا حکم دیا ہے، لیکن بعض لوگ اسے بھی تسلیم کرنے سے انکاری ہیں۔ اس حدیث کے راوی سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہیں، بھلا وہ کیسے سعید بن یسار کے اصطلاحی وتر کو تہجد سمجھنے کی غلط فہمی میں مبتلا ہو سکتے تھے؟ فہم کی ایسی غلطی میں تو کوئی ادنیٰ شعور رکھنے والا عام آدمی بھی مبتلا نہیں ہو سکتا۔

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز تہجد اور وتر دونوں کو الگ الگ

ذکر کیا ہے، گویا آپ نے صراحت فرما دی، کیا اب بھی یہ بہانہ تسلیم کر لیا جائے گا کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما تہجد اور وتر، دونوں کو وتر کہتے تھے۔

تیسرے یہ کہ ہماری ذکر کردہ تیسری روایت میں نافع رحمہ اللہ نے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں بیان کیا ہے کہ وہ وتر سواری پر ادا کرتے تھے۔ کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ نافع رحمہ اللہ بھی تہجد کو وتر کہتے تھے؟

چوتھی بات یہ کہ احناف کے متقدمین علما کو اقرار ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سواری پر اصطلاحی وِتر ہی ادا کیے تھے۔ آئندہ اعتراض کے ضمن میں امام طحاوی رحمہ اللہ کا یہ اعتراف آپ ملاحظہ فرمائیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سواری پر وِتر سے مراد تہجد لینا کشمیری صاحب کی خطا ہے۔ ہمارے علم کے مطابق ان سے پہلے کسی نے ایسا نہیں کہا۔

پانچویں بات یہ کہ سعید بن یسار تابعی رحمہ اللہ نے سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ حدیث سن کر کوئی معارضہ نہیں کیا اور یہ نہیں کہا کہ میں نے تو وتر ادا کیا ہے، جبکہ آپ کی بیان کردہ حدیث کے مطابق تو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سواری پر وتر نہیں، بلکہ تہجد کی نماز ادا کیا کرتے تھے۔ ائمہ دین اور فقہائے امت کا فہم اس پر مستزاد ہے۔

امام شافعی، امام احمد بن حنبل، امام اسحاق بن راہویہ، امام ابن خزیمہ وغیرہم رحمہم اللہ کے علاوہ امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سواری پر وتر کو «بَابُ الْوِتْرِ عَلَى الدَّابَّةِ» (سواری پر وتر پڑھنے کا بیان) کی تبویب کر کے اصطلاحی وتر ہی سمجھا ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ کے اجتہاد اور ان کی فقاہت کا اعتراف کرتے ہوئے خود علامہ انور شاہ کشمیری دیوبندی صاحب کہا ہے:

إِنَّهُ لَيْسَ بِمُقَلِّدٍ لِّلْأَحْنَافِ وَالشَّافِعِيَّةِ.

''امام بخاری رحمہ اللہ حنفی یا شافعی مقلد نہیں تھے۔''

(العَرف الشّذي :106/1)

ان احادیث میں وتر سے اصطلاحی وتر ہی مراد ہے، مجتہدین امت کا یہی فیصلہ ہے، ایسا نہیں کہ ہم احناف کی مخالفت میں یہ کہہ رہے ہیں۔ جن محدثین نے احادیث پر فقہی تبویب کی ہے، سب نے اس حدیث سے اصطلاحی وِتر ہی مراد لیا ہے۔

❁ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے سعید بن یسار سے فرمایا تھا:

أَمَا لَكَ فِي رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ .

''کیا سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے لئے اسوہ حسنہ نہیں؟''

سوال: بعض کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آغاز میں سواری پر وتر پڑھتے تھے، بعد میں یہ منسوخ ہو گیا۔

❁ امام طحاوی حنفی رحمہ اللہ (۳۲۱ھ) فرماتے ہیں:

يَجُوزُ أَنْ يَّكُونَ مَا رَوَى ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا عَنْ رَّسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ مِنْ وِّتْرِهٖ عَلَى الرَّاحِلَةِ كَانَ ذٰلِكَ مِنْهُ قَبْلَ تَأْكِيدِهٖ إِيَّاهُ، ثُمَّ أَكَّدَهٗ مِنْ بَّعْدِ نَسْخِ ذٰلِكَ .

''سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سواری پر وِتر بیان کیا ہے، ہو سکتا ہے کہ وہ وِتر کی تاکید سے پہلے کا واقعہ ہو، نسخ کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وِتر کی تاکید کر دی ہو۔''

(شرح مَعاني الآثار :430/1)

اس کا کیا جواب ہے؟

(جواب): یہ کہنا کہ سواری پر وتر پڑھنا نبی کریم ﷺ کا ابتدائی عمل ہے، بعد میں نبی کریم ﷺ نے وتر کی تاکید کر دی، لہٰذا وتر کو سواری پر ادا کرنا منسوخ ہو گیا، احتمال در احتمال ہے، یہ دعویٰ بلا دلیل ہے، امام طحاوی حنفی رحمہ اللہ اکثر ایسے دعوے کر دیتے ہیں۔

❁ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ امام طحاوی حنفی رحمہ اللہ کے بارے میں کہتے ہیں:

لٰكِنَّهُ يُكْثِرُ مِنِ ادِّعَاءِ النَّسْخِ بِالِاحْتِمَالِ.

”محض احتمال کی بنا پر وہ اکثر نسخ کا دعویٰ کر جاتے ہیں۔“

(فتح الباري: 487/9)

احادیث کی دور از کار تاویل کرنا کہاں کا انصاف ہے؟ پہلی بات تو یہ ہے کہ نماز وتر کو واجب قرار دینا بے حقیقت ہے۔ دلائل شرعیہ یہی بتاتے ہیں کہ نماز وتر نفل ہی ہے۔ دوسرے یہ کہ وتر کی تاکید کب ہوئی؟ جب تک ٹھوس قرائن وشواہد سے یہ ثابت نہ ہو جائے کہ کون سا معاملہ پہلے کا اور کون سا بعد کا ہے، اس وقت تک نسخ کا دعویٰ ہی درست نہیں۔

❁ امام بیہقی رحمہ اللہ (۴۵۸ھ) فرماتے ہیں:

لَا يَجُوزُ دَعْوَى النَّسْخِ فِيمَا رُوِّينَا فِي ذٰلِكَ، بِمَا رُوِيَ فِي تَأْكِيدِ الْوِتْرِ، مِنْ غَيْرِ تَارِيخٍ، وَلَا سَبَبٍ، يَدُلُّ عَلَى النَّسْخِ.

”یہ جائز نہیں کہ آپ تاکید وتر والی حدیث دیکھ کر سواری پر وتر والی حدیث کو منسوخ کہہ دیں۔ اس دعوی پر وقت کا علم، تاریخ یا سبب موجود نہیں۔“

(معرفة السّنن والآثار: 448/3)

❁ نیز فرماتے ہیں:

مَا رُوِيَ فِي تَأْكِيدِ الْوِتْرِ يَدُلُّ عَلٰى أَنَّهٗ أَوَّلُ مَا شَرَعَ النَّبِيُّ

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْوِتْرَ، وَإِنَّمَا صَلَّاهَا عَلَى الرَّاحِلَةِ، بَعْدَ مَا شَرَعَهَا، وَأَخْبَرَ أُمَّتَهُ بِأَمْرِهِمْ بِهَا، إِنْ ثَبَتَ الْحَدِيثُ عَنْهُ، فَكَيْفَ يَكُونُ ذٰلِكَ نَاسِخًا لِّمَا صَنَعَ فِيهَا بَعْدَهُ؟

''وِتر کی تاکید کے بارے میں مروی احادیث اگر صحیح ہیں، تو ان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بالکل آغاز کی بات ہے، سواری پر وِتر نبی اکرم ﷺ نے اس کی مشروعیت اور تاکید کے بعد پڑھے ہیں۔ پھر یہ تاکید آپ ﷺ کے بعد والے عمل (سواری پر وِتر) کو کیسے منسوخ کر سکتی ہے؟۔''

(معرفة السنن والآثار : 447/3)

اہل عقل ونظر انصاف کریں کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جو نبی کریم ﷺ کا سواری پر وِتر ادا کرنا امت کو بیان کرتے ہیں، وہ خود آپ ﷺ کی وفات کے بعد سواری پر وتر ادا کرتے تھے اور اسے اسوہ حسنہ قرار دے کر دوسروں کو اس کی تاکید بھی کرتے تھے۔ اگر سواری پر وتر ادا کرنا منسوخ تھا، تو انہیں علم کیوں نہ ہوا؟ امام طحاوی رحمہ اللہ سے پہلے، سوا تین سو سال تک، کسی امام وفقیہ نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ سواری پر وتر ادا کرنا منسوخ ہے۔ اس پر مستزاد کہ حافظ بیہقی رحمہ اللہ جیسے محدثِ شہیر نے اس کا سختی سے علمی ردّ بھی کر دیا ہے۔

❀ علامہ عبدالحیٔ لکھنوی حنفی رحمہ اللہ (۱۳۰۴ھ) نے لکھا ہے:

فِيهِ نَظَرٌ لَّا يَخْفٰى، إِذْ لَا سَبِيلَ إِلٰى إِثْبَاتِ النَّسْخِ بِالْاِحْتِمَالِ مَا لَمْ يُعْلَمْ ذٰلِكَ بِنَصٍّ وَّارِدٍ فِي ذٰلِكَ.

''یہ بات دلیل کی محتاج ہے، نسخ کبھی بھی احتمال سے ثابت نہیں ہوتا، جب تک اس بارے میں قرآن وسنت کی واضح تعلیمات معلوم نہ ہو جائیں۔''

(التّعليق الممجّد : 133)

✿ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

إِنَّهُ كَانَ يُصَلِّي عَلٰى رَاحِلَتِهٖ، وَيُوتِرُ بِالْأَرْضِ، وَيَزْعَمُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰه صَلَّى اللّٰهُ وَ سَلَّمَ كَانَ يَفْعَلُ ذٰلِكَ .

”وہ سواری پر نماز پڑھتے، پھر وتر زمین پر پڑھتے اور بیان کرتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا کرتے تھے۔“

(شرح معاني الآثار للطّحاوي :429/1، وسندهٗ صحيحٌ)

ایسا کرنا جائز ہے۔سواری پر وِتر ادا کیے جائیں یا زمین پر، دونوں صورتیں بالکل درست ہیں۔ابن عمر رضی اللہ عنہما کے اس عمل کو سواری پر وِتر کے خلاف پیش کرنا انصاف نہیں، اس سلسلے میں بہت سی روایات موجود ہیں، مثلاً یہ روایت پڑھ لیں۔

✿ نافع رحمہ اللہ بیان فرماتے ہیں:

إِنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ رُبَّمَا أَوْتَرَ عَلٰى رَاحِلَتِهٖ، وَرُبَّمَا نَزَلَ .

”سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کبھی سواری پر وتر ادا فرماتے اور کبھی اُتر کر۔“

(تهذيب الآثار للطّبري :541/1، سنن الدّارقطني : 339/2، وسندهٗ صحيحٌ)

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا سواری سے اُتر کر وِتر ادا کرنا اس بات کی دلیل نہیں بن سکتا کہ وہ سواری پر وتر کو ناجائز سمجھتے تھے، خود ان سے سواری پر وِتر ادا کرنا بھی ثابت ہے، وہ حدیث رسول کی روشنی میں دونوں صورتوں کو جائز سمجھتے تھے۔

✿ امام ابن منذر رحمہ اللہ (۳۱۹ھ) فرماتے ہیں:

أَمَّا نُزُولُ ابْنِ عُمَرَ عَنْ رَّاحِلَتِهٖ حَتّٰى أَوْتَرَ بِالْأَرْضِ، فَمَنَ

الْمُبَاحِ، إِنْ شَاءَ الَّذِي يُصَلِّي الْوِتْرَ صَلَّى عَلَى الرَّاحِلَةِ، وَإِنْ شَاءَ صَلَّى عَلَى الْأَرْضِ، أَيَّ ذٰلِكَ فَعَلَ يُجْزِيهِ، وَقَدْ فَعَلَ ابْنُ عُمَرَ الْفِعْلَيْنِ جَمِيعًا، رُوِّينَا عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّهٗ كَانَ رُبَّمَا أَوْتَرَ عَلٰى رَاحِلَتِهٖ، وَرُبَّمَا نَزَلَ، وَالْوِتْرُ عَلَى الرَّاحِلَةِ جَائِزٌ، لِلثَّابِتِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهٗ أَوْتَرَ عَلَى الرَّاحِلَةِ، وَيَدُلُّ ذٰلِكَ عَلٰى أَنَّ الْوِتْرَ تَطَوُّعٌ، خِلَافَ قَوْلِ مَنْ شَذَّ عَنْ أَهْلِ الْعِلْمِ، وَخَالَفَ السُّنَّةَ، فَزَعَمَ أَنَّ الْوِتْرَ فَرْضٌ.

”سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کا سواری سے اُتر کر وِتر ادا کرنا جواز کی دلیل ہے۔ وِتر پڑھنے والا چاہے، تو سواری پر پڑھ لے اور چاہے تو اُتر کر۔ دونوں صورتیں جائز ہیں۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے دونوں طرح سے وِتر پڑھے ہیں۔ ہمیں یہ روایت ملی ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کبھی سواری پر وِتر ادا فرماتے اور کبھی اُتر کر۔ سواری پر وتر ادا کرنا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کی بنا پر جائز ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ وتر نفل ہے، جن لوگوں نے اہل علم اور سنت کی مخالفت میں وتر کو فرض سمجھا ہے، یہ حدیث ان کے خلاف ہے۔“

(الأوسط في السّنن والإجماع والاختلاف: 247/5)

❀ امام طبری رحمہ اللہ (۳۱۰ھ) فرماتے ہیں:

أَمَّا مَا رُوِيَ فِي ذٰلِكَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ، أَنَّهٗ كَانَ يُصَلِّي التَّطَوُّعَ عَلٰى رَاحِلَتِهٖ بِاللَّيْلِ، فَإِذَا أَرَادَ أَنْ يُّوتِرَ نَزَلَ، فَأَوْتَرَ عَلَى

الْأَرْضِ، فَإِنَّهُ لَا حُجَّةَ فِيهِ لِمُحْتَجٍّ بِأَنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ يَفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْ أَجْلِ أَنَّهُ كَانَ لَا يَرٰى جَائِزًا لِّلْمَرْءِ أَنْ يُّوتِرَ رَاكِبًا، وَأَنَّهُ كَانَ يَرٰى أَنَّ الْوِتْرَ فَرْضٌ كَسَائِرِ الصَّلَوَاتِ الْمَكْتُوبَاتِ، وَذٰلِكَ أَنَّهُ جَائِزٌ أَنْ يَّكُونَ نُزُولُهُ لِلْوِتْرِ إِلَى الْأَرْضِ كَانَ اخْتِيَارًا مِّنْهُ ذٰلِكَ لِنَفْسِهٖ، وَطَلَبًا لِّلْفَضْلِ لَا عَلٰى أَنَّ ذٰلِكَ كَانَ عِنْدَهُ الْوَاجِبُ عَلَيْهِ الَّذِي لَا يَجُوزُ غَيْرُهُ، هٰذَا لَوْ لَمْ يَكُنْ وَّرَدَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ بِخِلَافِ ذٰلِكَ خَبَرٌ، فَكَيْفَ وَالْأَخْبَارُ عَنْهُ بِخِلَافِ ذٰلِكَ مِنَ الْفِعْلِ مُتَظَاهِرَةٌ؟

''سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے جو روایت ہے کہ وہ رات کو نفل سواری پر ادا فرماتے اور وِتر کا ارادہ فرماتے، تو زمین پر ادا کرتے، اس میں کسی کے لیے یہ دلیل نہیں کہ وہ سواری پر وِتر کو ناجائز سمجھتے ہوئے ایسا کرتے تھے یا وہ وِتر کو فرض سمجھتے تھے، بلکہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ اپنی مرضی سے زمین پر اُتر کر زیادہ ثواب کے لیے ایسا کرتے تھے، اس لیے نہیں کہ وہ اسے ضروری سمجھتے تھے۔ اگر اُن سے اس کے خلاف کوئی بات ثابت نہ ہو، تو بھی اس روایت سے یہی ثابت ہوگا، جبکہ ان کی بہت سی روایات اس کے خلاف جا رہی ہیں۔'' (تہذیب الآثار: 541/1)

❀ امام بیہقی رحمہ اللہ (۴۵۸ھ) فرماتے ہیں:

قَدْ ذَكَرْنَا وِتْرَ عَلِيٍّ وَّابْنِ عُمَرَ عَلَى الرَّاحِلَةِ، بَعْدَ وَفَاةِ رَسُولِ

اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَنُزُولُ ابْنِ عُمَرَ لِوِتْرِهٖ لَا يَرْفَعُ جَوَازَهٗ عَلَى الرَّاحِلَةِ .

''ہم ذکر کر چکے کہ سیدنا علی اور سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد سواری پر وِتر ادا کرتے تھے۔سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا سواری سے اُتر کر وِتر ادا کرنا سواری پر وِتر ادا کرنے کے منافی نہیں۔''

(معرفة السّنن والآثار : 448/3)

❀ امام طحاوی حنفی رحمہ اللہ (۳۲۱ھ) کہتے ہیں:

وِتْرُهٗ عَلَى الْأَرْضِ فِيمَا لَا يَنْفِي أَنْ يَّكُونَ قَدْ كَانَ يُوتِرُ عَلَى الرَّاحِلَةِ أَيْضًا، ثُمَّ جَاءَ سَالِمٌ وَّنَافِعٌ وَّأَبُو الْحُبَابِ، فَأَخْبَرُوا عَنْهُ أَنَّهٗ كَانَ يُوتِرُ عَلٰى رَاحِلَتِهٖ .

''ابن عمر رضی اللہ عنہما کا زمین پر وِتر ادا کرنا اس بات کی نفی نہیں کرتا کہ وہ سواری پر بھی وِتر پڑھتے تھے۔پھر سالم، نافع اور ابوالحباب نے بیان کر دیا ہے کہ وہ سواری پر وِتر ادا کرتے تھے۔''

(شرح مَعاني الآثار :430/1)

❀ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (۸۵۲ھ) فرماتے ہیں:

''امام طحاوی رحمہ اللہ نے اہل کوفہ سے ذکر کیا ہے کہ سواری پر وِتر نہ پڑھے جائیں۔ یہ بات سنت نبوی کے خلاف ہے۔بعض لوگوں نے امام مجاہد رحمہ اللہ کی اس روایت سے استدلال کیا ہے کہ انہوں نے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھا کہ انہوں نے سواری سے اتر کر زمین پر وِتر ادا کیے۔لیکن یہ سواری پر وِتر

کے خلاف نہیں، کیونکہ زمین پر وِتر ادا کرنا بالاتفاق افضل ہے۔''

(فتح الباري : 2/488)

سوال: حالت جنابت میں روزہ رکھنا کیسا ہے؟

جواب: حالت جنابت میں روزہ رکھنا جائز ہے۔

❁ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُدْرِكُهُ الصُّبْحُ وَهُوَ جُنُبٌ فَيَغْتَسِلُ وَيَصُومُ.

''رسول اللہ ﷺ کو حالت جنابت میں صبح ہو جاتی، تو غسل کر کے روزہ رکھ لیتے تھے۔''

(صحيح البخاري : 1925، صحيح مسلم : 1109، المُنتقٰى لابن الجارود : 392)

❁ حافظ ابن دقیق العید رحمہ اللہ (۷۰۲ھ) فرماتے ہیں:

اِتَّفَقَ الْفُقَهَاءُ عَلَى الْعَمَلِ بِهٰذَا الْحَدِيثِ، وَصَارَ ذٰلِكَ إِجْمَاعًا أَوْ كَالْإِجْمَاعِ.

''فقہا کا اتفاق ہے کہ اس حدیث پر عمل کرنا جائز ہے، اس مسئلہ کے جواز پر اجماع ہے یا قریب اجماع ہے۔''

(إحكام الأحكام شرح عمدة الأحكام : 2/11)

❁❁❁❁❁❁❁

فتاویٰ امن پوری (قسط ۳۸۶)

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

سوال: سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

كَانَتِ امْرَأَةٌ مَّخْزُومِيَّةٌ تَسْتَعِيرُ الْمَتَاعَ وَتَجْحَدُهُ، فَأَمَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقَطْعِ يَدِهَا، فَأَتٰى أَهْلُهَا أُسَامَةَ فَكَلَّمُوهُ، فَكَلَّمَ أُسَامَةُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيهَا، فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : يَا أُسَامَةُ أَلَا أَرَاكَ تُكَلِّمُنِي فِي حَدٍّ مِّنْ حُدُودِ اللّٰهِ، ثُمَّ قَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَطِيبًا فَقَالَ : إِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ فَإِنَّهُ إِذَا سَرَقَ فِيهِمُ الشَّرِيفُ تَرَكُوهُ، وَإِذَا سَرَقَ فِيهِمُ الضَّعِيفُ قَطَعُوهُ، وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهٖ لَوْ كَانَتْ فَاطِمَةُ بِنْتُ مُحَمَّدٍ لَقَطَعْتُ يَدَهَا، قَالَ : فَقَطَعَ يَدَ الْمَخْزُومِيَّةِ .

''ایک مخزومی عورت، جو ادھار سامان لے کر انکار کر دیا کرتی تھی (نے چوری کی)، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا، اس کے گھر والے سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور آپ سے (معافی کی) بات کی، تو اسامہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسامہ! کیا آپ مجھ سے

اللہ تعالیٰ کی حد کے متعلق بات (سفارش) کر رہے ہیں۔ پھر نبی کریم ﷺ خطبہ کے لیے کھڑے ہوئے اور ارشاد فرمایا: آپ سے پہلے لوگ اسی وجہ سے ہلاک ہوئے کہ جب ان میں سے کوئی خاندانی آدمی چوری کرتا، تو اسے چھوڑ دیتے اور جب کوئی کمزور آدمی چوری کرتا، تو اس کے ہاتھ کاٹ دیتے، اس ذات کی قسم، جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر (چوری کرنے والی) فاطمہ بنت محمد ہوتی، تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیتا۔ راوی کہتے ہیں: آپ نے مخزومی عورت کا ہاتھ کاٹ دیا۔''

(صحيح البخاري : 6788، صحيح مسلم : 1688، المُنتقٰى لابن الجارود : 804)

حدیث کے ظاہری الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ جو کسی سے عاریۃً کوئی شے لے، بعد میں لوٹانے سے انکار کر دے، تو اس کا بھی ہاتھ کاٹا جائے گا۔ اس بارے میں کیا کہتے ہیں؟

جواب: اگرچہ بعض اہل علم کا مؤقف ہے کہ عاریۃ شے لے کر انکار کرنے والے کی بھی وہی سزا ہے، جو چور کی سزا ہے۔ مگر جمہور اہل علم کے ہاں یہ مؤقف درست نہیں۔

دراصل حدیث میں مذکورہ عورت عاریۃً کوئی شے لیتی اور بعد میں لوٹانے سے انکار کر دیتی، یہ اس کی مشہور بری خصلت تھی، نبی کریم ﷺ اس وجہ سے اس کا ہاتھ نہیں کاٹا۔ بلکہ اس نے چوری کی تھی، تو اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا ہے۔

اس حدیث میں اگرچہ چوری کے الفاظ مذکور نہیں، مگر دوسری احادیث میں اس کے چوری کرنے کی صراحت ہے۔

❀ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

إِنَّ قُرَيْشًا، أَهَمَّهُمْ شَأْنُ الْمَخْزُومِيَّةِ الَّتِي سَرَقَتْ فَقَالُوا : مَنْ يُكَلِّمُ فِيهَا رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ....

''قریشیوں کو اس عورت کے معاملے نے پریشان کر دیا، جس نے چوری کی تھی، چنانچہ انہوں نے کہا: اس کے متعلق رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کون بات کرے گا؟......''

(صحيح البخاري : 6788، صحيح مسلم : 1688، المُنتقٰى لابن الجارود : 805)

سوال: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ : قَدْ هَلَكْتُ قَالَ : وَمَا شَأْنُكَ؟ قَالَ : وَقَعْتُ عَلٰى أَهْلِي فِي رَمَضَانَ فَقَالَ : أَتَسْتَطِيعُ أَنْ تُعْتِقَ رَقَبَةً؟ قَالَ : لَا قَالَ : أَتَسْتَطِيعُ أَنْ تَصُومَ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ؟ قَالَ : لَا قَالَ : أَتَسْتَطِيعُ أَنْ تُطْعِمَ سِتِّينَ مِسْكِينًا؟ قَالَ : لَا، قَالَ : اجْلِسْ، فَأُتِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِعَرَقٍ فِيهِ تَمْرٌ وَّالْعَرَقُ الْمِكْتَلُ الضَّخْمُ فَقَالَ : خُذْ هٰذَا فَتَصَدَّقْ بِهٖ، قَالَ : عَلٰى أَفْقَرِ مِنَّا فَمَا بَيْنَ لَابَتَيْهَا أَهْلُ بَيْتٍ أَفْقَرَ مِنَّا فَضَحِكَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى بَدَتْ أَنْيَابُهٗ قَالَ : خُذْ هٰذَا وَأَطْعِمْهُ عِيَالَكَ .

''ایک شخص نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگا: میں ہلاک ہو گیا ہوں، آپ ﷺ نے پوچھا: کیا ہوا؟ اس نے کہا: میں رمضان (روزہ کی

حالت) میں اپنی بیوی سے جماع کر بیٹھا ہوں، آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: کیا آپ غلام آزاد کرنے کی طاقت رکھتے ہیں؟ عرض کیا: نہیں! آپ ﷺ نے پوچھا: کیا آپ دو ماہ کے مسلسل روزے رکھ سکتے ہیں؟ عرض کیا: نہیں! پوچھا: کیا آپ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا سکتے ہیں؟ عرض کیا: نہیں، فرمایا: بیٹھ جائیے، اتنے میں نبی کریم ﷺ کے پاس کھجوروں کا ایک بڑا ٹوکرا لایا گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اسے لے لیں اور صدقہ کر دیں۔ اس نے کہا: کیا ایسے گھرانے پر صدقہ کروں، جو ہم سے زیادہ ضرورت مند ہے؟ ان دو سیاہ پہاڑوں کے درمیان (یعنی مدینہ میں) ہمارے گھر سے زیادہ کوئی محتاج نہیں۔ (یہ سن کر) نبی کریم ﷺ اس قدر مسکرائے کہ آپ کی ڈاڑھیں نظر آنے لگیں اور فرمایا: اسے لے جائیں اور اپنے اہل و عیال کو کھلا دیں۔“

(صحيح البخاري: 1936، صحيح مسلم: 1111، المُنتقٰى لابن الجارود: 384)

«أَتَسْتَطِيعُ أَنْ تُطْعِمَ سِتِّينَ مِسْكِينًا؟» کے الفاظ سے بعض یہ ثابت کرتے ہیں کہ کفارہ کا کھانا ساٹھ مسکینوں کو کھلانا ضروری ہے، ایسا نہیں کر سکتے کہ بیس مسکینوں کو تین مرتبہ کھانا کھلا دیا جائے۔ اس بارے میں کیا کہتے ہیں؟

جواب: یہ کہنا کہ کفارہ کا کھانا ساٹھ مسکینوں کو کھلانا ضروری ہے، بیس مسکینوں کو تین مرتبہ کھلانے سے کفارہ ادا نہ ہوگا، درست مؤقف نہیں۔ اگر بغور مذکورہ بالا حدیث کا مطالعہ کیا جائے، تو یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ ساٹھ مساکین کا کھانا چند مساکین کو کئی مرتبہ کھلا دینا جائز ہے، کیونکہ نبی کریم ﷺ نے کھجوروں کا ٹوکرا آنے والے شخص کو دیا اور فرمایا:

خُذْ هٰذَا وَأَطْعِمْهُ عِيَالَكَ.

”لیجئے، اپنے اہل وعیال کو کھلا دیں۔“

یقیناً اس شخص کے اہل خانہ ساٹھ افراد نہیں تھے۔

سوال: سیدنا ثابت بن ضحاک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ لَعَنَ مُؤْمِنًا فَهُوَ كَقَتْلِهِ، وَمَنْ قَذَفَ مُؤْمِنًا بِكُفْرٍ فَهُوَ كَقَتْلِهِ.

”مومن پر لعن طعن کرنا اور اس پر کفر کی تہمت لگانا اسے قتل کرنے کے مترادف ہے۔“

(صحيح البخاري : 6047)

مؤمن پر لعنت کرنا اسے قتل کرنے کے مترادف کیسے ہو سکتا ہے، حالانکہ قتل کرنا لعنت سے کہیں بڑا جرم ہے؟

جواب: یقیناً مؤمن کو قتل کرنا بہت بڑا جرم ہے، اس پر قصاص یا دیت واجب ہے، نیز قتل کرنے پر آخرت میں کڑی سزا ہے، اگر چہ مؤمن پر لعنت کرنا بھی حرام اور ناجائز عمل ہے، مگر اس پر وہ سزا نہیں، جو قتل کرنے پر ہے۔

دراصل حدیث میں مؤمن پر لعنت کی سنگینی اور حرمت کو بیان کرنے کے لیے اسے قتل کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے کہ جیسے آپ قتل کرنے کو بہت بڑا جرم خیال کرتے ہیں، اسی طرح لعنت کو بھی بڑا جرم سمجھیں۔ یہاں مؤمن پر لعنت کی حرمت کو مؤمن کو قتل کرنے کی حرمت سے تشبیہ دی گئی ہے۔

تشبیہ کا یہ قاعدہ ہے کہ وہ ہمیشہ من کل الوجوہ نہیں ہوتی، بسا اوقات مشبہ اور مشبہ بہ کسی ایک اہم شے میں مشترک ہوتے ہیں، تو انہیں ایک دوسرے سے تشبیہ دے دی جاتی ہے۔

مذکورہ حدیث میں لعنت اور قتل میں قدر مشترک یہ ہے کہ دونوں حرام کام ہیں اور مؤمن کی حرمت کے منافی ہیں، لہٰذا مؤمن پر لعنت کرنے کو اسے قتل کرنے کے ساتھ تشبیہ

دی گئی۔

اہل علم نے حدیث کی اور بھی توجیہات بیان کی ہیں۔

سوال: سیدنا مالک بن اوس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

أَرْسَلَ إِلَيَّ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ، فَجِئْتُهُ حِينَ تَعَالَى النَّهَارُ، قَالَ : فَوَجَدْتُهُ فِي بَيْتِهٖ جَالِسًا عَلٰى سَرِيرٍ مُّفْضِيًا إِلٰى رُمَالِهٖ، مُتَّكِئًا عَلٰى وِسَادَةٍ مِّنْ أَدَمٍ، فَقَالَ لِي : يَا مَالُ! إِنَّهٗ قَدْ دَفَّ أَهْلُ أَبْيَاتٍ مِّنْ قَوْمِكَ، وَقَدْ أَمَرْتُ فِيهِمْ بِرَضْخٍ، فَخُذْهُ فَاقْسِمْهُ بَيْنَهُمْ، قَالَ : قُلْتُ : لَوْ أَمَرْتَ بِهٰذَا غَيْرِي! قَالَ : خُذْهُ يَا مَالُ! قَالَ : فَجَاءَ يَرْفَا، فَقَالَ : هَلْ لَكَ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ فِي عُثْمَانَ، وَعَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ، وَالزُّبَيْرِ، وَسَعْدٍ؟ فَقَالَ عُمَرُ : نَعَمْ، فَأَذِنَ لَهُمْ فَدَخَلُوا، ثُمَّ جَاءَ، فَقَالَ : هَلْ لَكَ فِي عَبَّاسٍ، وَعَلِيٍّ؟ قَالَ : نَعَمْ، فَأَذِنَ لَهُمَا، فَقَالَ عَبَّاسٌ : يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ ! اقْضِ بَيْنِي وَبَيْنَ هٰذَا الْكَاذِبِ الْآثِمِ الْغَادِرِ الْخَائِنِ، فَقَالَ الْقَوْمُ : أَجَلْ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ! فَاقْضِ بَيْنَهُمْ وَأَرِحْهُمْ، فَقَالَ مَالِكُ بْنُ أَوْسٍ : يُخَيَّلُ إِلَيَّ أَنَّهُمْ قَدْ كَانُوا قَدَّمُوهُمْ لِذٰلِكَ، فَقَالَ عُمَرُ : اتَّئِدَا، أَنْشُدُكُمْ بِاللّٰهِ الَّذِي بِإِذْنِهٖ تَقُومُ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ، أَتَعْلَمُونَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ

: لاَ نُورَثُ، مَا تَرَكْنَا صَدَقَةٌ، قَالُوا : نَعَمْ، ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَى الْعَبَّاسِ، وَعَلِيٍّ، فَقَالَ : أَنْشُدُكُمَا بِاللّٰهِ الَّذِي بِإِذْنِهٖ تَقُومُ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ، أَتَعْلَمَانِ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : لاَ نُورَثُ، مَا تَرَكْنَاهُ صَدَقَةٌ، قَالاَ : نَعَمْ، فَقَالَ عُمَرُ : إِنَّ اللّٰهَ جَلَّ وَعَزَّ كَانَ خَصَّ رَسُولَهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِخَاصَّةٍ، لَمْ يُخَصِّصْ بِهَا أَحَدًا غَيْرَهٗ، قَالَ : ﴿مَا أَفَاءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُولِهٖ مِنْ أَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُولِ﴾(الحشر : 7)، مَا أَدْرِي هَلْ قَرَأَ الْآيَةَ الَّتِي قَبْلَهَا أَمْ لاَ، قَالَ : فَقَسَمَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَكُمْ أَمْوَالَ بَنِي النَّضِيرِ، فَوَاللّٰهِ! مَا اسْتَأْثَرَ عَلَيْكُمْ، وَلَا أَخَذَهَا دُونَكُمْ، حَتّٰى بَقِيَ هٰذَا الْمَالُ، فَكَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْخُذُ مِنْهُ نَفَقَةَ سَنَةٍ، ثُمَّ يَجْعَلُ مَا بَقِيَ أُسْوَةَ الْمَالِ، ثُمَّ قَالَ : أَنْشُدُكُمْ بِاللّٰهِ الَّذِي بِإِذْنِهٖ تَقُومُ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ، أَتَعْلَمُونَ ذٰلِكَ؟ قَالُوا : نَعَمْ، ثُمَّ نَشَدَ عَبَّاسًا، وَعَلِيًّا، بِمِثْلِ مَا نَشَدَ بِهِ الْقَوْمَ، أَتَعْلَمَانِ ذٰلِكَ؟ قَالاَ : نَعَمْ، قَالَ : فَلَمَّا تُوُفِّيَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ أَبُو بَكْرٍ : أَنَا وَلِيُّ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَجِئْتُمَا تَطْلُبُ مِيرَاثَكَ مِنِ ابْنِ أَخِيكَ، وَيَطْلُبُ هٰذَا مِيرَاثَ امْرَأَتِهٖ مِنْ أَبِيهَا،

فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ : قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : مَا نُورَثُ، مَا تَرَكْنَاهُ صَدَقَةٌ، فَرَأَيْتُمَاهُ كَاذِبًا آثِمًا غَادِرًا خَائِنًا، وَاللّٰهُ يَعْلَمُ إِنَّهُ لَصَادِقٌ بَارٌّ رَّاشِدٌ تَابِعٌ لِلْحَقِّ، ثُمَّ تُوُفِّيَ أَبُو بَكْرٍ وَّأَنَا وَلِيُّ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَوَلِيُّ أَبِي بَكْرٍ، فَرَأَيْتُمَانِي كَاذِبًا آثِمًا غَادِرًا خَائِنًا، وَاللّٰهُ يَعْلَمُ إِنِّي لَصَادِقٌ بَارٌّ رَّاشِدٌ تَابِعٌ لِلْحَقِّ، فَوَلِيتُهَا، ثُمَّ جِئْتَنِي أَنْتَ وَهٰذَا، وَأَنْتُمَا جَمِيعٌ، وَأَمْرُكُمَا وَاحِدٌ، فَقُلْتُمَا : ادْفَعْهَا إِلَيْنَا، فَقُلْتُ : إِنْ شِئْتُمْ دَفَعْتُهَا إِلَيْكُمَا عَلٰى أَنَّ عَلَيْكُمَا عَهْدَ اللّٰهِ أَنْ تَعْمَلَا فِيهَا بِالَّذِي كَانَ يَعْمَلُ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَخَذْتُمَاهَا بِذٰلِكَ، قَالَ : أَكَذٰلِكَ؟ قَالَا : نَعَمْ، قَالَ : ثُمَّ جِئْتُمَانِي لِأَقْضِيَ بَيْنَكُمَا، وَلَا وَاللّٰهِ! لَا أَقْضِي بَيْنَكُمَا بِغَيْرِ ذٰلِكَ حَتّٰى تَقُومَ السَّاعَةُ، فَإِنْ عَجَزْتُمَا عَنْهَا فَرُدَّاهَا إِلَيَّ .

”دن چڑھے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے میری طرف قاصد بھیجا۔ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ سے ملاقات ہوئی، آپ رضی اللہ عنہ کھجور کی چھال سے تیار کردہ ایک چارپائی پر چمڑے کے تکیے پر ٹیک لگائے بیٹھے تھے۔ آپ نے فرمایا: آپ کے خاندان سے کچھ افراد آئے ہیں، میں نے ان کے لئے کچھ مال رکھا ہے، لے جائیں اور ان میں تقسیم کر دیں۔ عرض کیا: یہ ذمہ داری کسی اور کو سونپ دیں۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مالک! اسے پکڑیے۔ اسی

دوران ان کا دربان یرفا آیا اور عرض کیا: امیر المومنین! آپ کی خدمت میں سیدنا عثمان، سیدنا عبد الرحمٰن بن عوف، سیدنا زبیر اور سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم حاضر ہونا چاہتے ہیں؟ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اجازت دے دی۔ سب تشریف لائے۔ یرفا دوبارہ آیا اور عرض کیا: آپ کی خدمت میں سیدنا علی اور سیدنا عباس رضی اللہ عنہما حاضر ہونا چاہتے ہیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں بھی اجازت دی۔ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: امیر المومنین! میرے اور اس جھوٹے، خائن، گناہگار اور دھوکے باز کے درمیان فیصلہ کر دیجئے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھ آنے والوں نے بھی عرض کیا کہ آپ ان کا فیصلہ فرما دیں تا کہ دونوں سکھ کا سانس لیں۔ مالک بن اوس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میرے خیال میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ وغیرہ کو انہوں نے ہی بھیجا تھا۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ذرا نرمی اختیار کیجیے، پھر فرمایا: میں تمہیں اس ذات کی قسم دے کر سوال کرتا ہوں، جس کے حکم سے زمین و آسمان قائم ہیں، کیا آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان جانتے ہیں: ہماری (انبیا کی) وراثت نہیں ہوتی، جو ہم چھوڑ جائیں، وہ سب صدقہ ہوتا ہے؟ سب نے کہا: جی ہاں! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی فرمایا تھا۔ تب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ، سیدنا علی و سیدنا عباس رضی اللہ عنہما کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: میں آپ کو اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ جس کے حکم سے زمین و آسمان قائم ہیں، کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان آپ کے علم میں ہے: ''ہماری (انبیا کی) وراثت نہیں ہوتی، ہمارا چھوڑا ہوا مال صدقہ ہوتا ہے۔'' انہوں نے اس کی تصدیق کی۔ پھر سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: (میں آپ کو مالِ فَے کی

تفصیل بتاتا ہوں) اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر ﷺ کو بعض معاملات میں خصوصیت عطا فرمائی ہے، جو کسی اور کو حاصل نہیں۔ پھر یہ آیت پڑھی: ﴿مَا أَفَاءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُولِهِ مِنْ أَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُولِ﴾(الحشر: 7)''اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو بستیوں سے جو مال دلوایا ہے، وہ اللہ اور اس کے رسول کے لئے ہے۔'' مالک بن اوس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس سے پہلی آیت بھی آپ نے تلاوت کی تھی یا نہیں، مجھے یاد نہیں۔ نبی ﷺ نے بنو نضیر کے مال آپ میں تقسیم فرما دیے۔ آپ ﷺ نے کوئی مال اپنے لیے خاص نہیں کیا، اللہ کی قسم! خود کو ترجیح نہیں دی۔ آپ کو ہی دیا اور آپ ہی پر خرچ کیا، یہاں تک کہ مال بچ گیا۔ نبی کریم ﷺ اس سے گھر کے سالانہ اخراجات پورے فرما کر باقی ماندہ بیت المال میں جمع فرما دیتے تھے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھ آنے والوں سے فرمایا: آپ کو قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ جس کے حکم سے زمین و آسمان قائم ہیں، کیا آپ کو معلوم ہے؟ سب نے ہاں میں جواب دیا۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے سیدنا عباس اور سیدنا علی رضی اللہ عنہما سے بھی یہی سوال کیا۔ انہوں نے بھی یہی جواب دیا۔ پھر فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو اس دنیا سے بلا لیا۔ ان کے بعد سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں رسول اللہ ﷺ کا خلیفہ ہوں۔ آپ ان کے پاس آئے اور ایک (عباس رضی اللہ عنہ) اپنے بھتیجے کی اور یہ دوسرا (علی رضی اللہ عنہ) اپنی زوجہ کے والد کی طرف سے ملنے والی وراثت لینے ان کے پاس گئے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا تھا: ''ہماری (انبیا کی) وراثت نہیں ہوتی، ہم جو کچھ چھوڑ

جائیں، وہ صدقہ ہو جاتا ہے''، لیکن آپ دونوں نے انہیں جھوٹا، گناہگار، دھوکے باز اور خائن سمجھا، حالانکہ اللہ جانتا ہے، وہ اس معاملے میں سچے، مخلص اور برحق تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اپنے پاس بلا لیا۔ ان کے بعد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا جانشین بنا۔ آپ نے مجھے بھی جھوٹا، گناہگار، دھوکے باز اور خائن سمجھا، حالانکہ اللہ جانتا ہے، میں اس میں سچا، مخلص اور برحق ہوں۔ یہ مال میرے تصرف میں آ گیا۔ پھر آپ میرے پاس آئے۔ آپ کا ایک ہی دعویٰ تھا۔ آپ دونوں نے مجھ سے اس مال کا مطالبہ کیا۔ میں نے کہا: اگر آپ چاہو، تو میں یہ مال آپ کو اس شرط پر دے سکتا ہوں کہ آپ مجھے اللہ تعالیٰ کے نام پر عہد و پیمان دیں کہ اس مال کا تصرف اسی طریقے کے مطابق کریں گے، جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بارے میں اختیار کرتے تھے۔ آپ نے اسی شرط پر وہ مال لے لیا۔ کیا بات ایسے ہی ہے؟ دونوں کہنے لگے: جی ہاں! اس پر سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اب آپ مجھ سے اپنے مابین فیصلہ کروانے آ گئے ہیں۔ اللہ کی قسم! میں آپ کے مابین قیامت تک اس سے ہٹ کر کوئی فیصلہ نہیں کروں گا۔ ہاں! اگر آپ اس مال کے انتظام سے عاجز آ چکے ہیں، تو اسے واپس کر دیں، (میں اس کا انتظام خود کر لوں گا)۔''

(صحيح البخاري : 3094، صحيح مسلم : 1757، واللّفظ لهٗ)

جب سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کو حدیث سنا دی اور انہیں واپس بھیج دیا، تو پھر دوبارہ عہد فاروقی میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیدنا عباس رضی اللہ عنہ

وراثت کا مطالبہ کرنے کیوں آئے؟ کیا انہوں نے حدیث رسول ﷺ کو تسلیم نہیں کیا؟

جواب: سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیدنا عباس رضی اللہ عنہ عہد صدیقی میں وراثت کا مطالبہ کرنے آئے، تو سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انہیں حدیث سنائی، وہ مطمئن ہو کر چلے گئے اور انہوں نے حدیث رسول ﷺ پر سر تسلیم خم کر لیا۔ لیکن جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں ان سے مطالبہ کرنے آئے، تو وراثت کا مطالبہ کرنے نہیں آئے، بلکہ مال فے پر نگرانی کا مطالبہ کرنے آئے تھے کہ امیر المومنین! ہم میں سے کون اس مال فے کا نگران بنے گا، اس بارے میں ہمارے درمیان فیصلہ فرما دیں۔

لہٰذا دونوں مرتبہ الگ الگ مطالبہ تھا۔

❁ علامہ نووی رحمہ اللہ (676ھ) فرماتے ہیں:

أَمَّا قَوْلُ عُمَرَ : جِئْتُمَانِي تُكَلِّمَانِي، وَكَلِمَتُكُمَا فِي وَاحِدَةٍ، جِئْتَ يَا عَبَّاسُ تَسْأَلُنِي نَصِيبَكَ مِنَ ابْنِ أَخِيكَ، وَجَاءَنِي هٰذَا يَسْأَلُنِي نَصِيبَ امْرَأَتِهِ مِنْ أَبِيهَا، فِيهِ إِشْكَالٌ مَعَ إِعْلَامِ أَبِي بَكْرٍ لَّهُمْ قَبْلَ هٰذَا الْحَدِيثِ، وَأَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : لَا نُورَثُ، وَجَوَابُهُ أَنَّ كُلَّ وَاحِدٍ إِنَّمَا طَلَبَ الْقِيَامَ وَحْدَهُ عَلٰى ذٰلِكَ، وَيَحْتَجُّ هٰذَا بِقُرْبِهٖ بِالْعُمُومَةِ، وَذٰلِكَ بِقُرْبِ امْرَأَتِهٖ بِالنُّبُوَّةِ، وَلَيْسَ الْمُرَادُ أَنَّهُمَا طَلَبَا مَا عَلِمَا مَنْعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَنَعَهُمَا مِنْهُ أَبُو بَكْرٍ، وَبَيَّنَ لَهُمَا دَلِيلَ الْمَنْعِ، وَاعْتَرَفَا لَهٗ بِذٰلِكَ .

”سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا یہ کہنا کہ پھر آپ دونوں میرے پاس آئے، دونوں کا ایک ہی دعویٰ تھا۔ عباس! آپ مجھ سے اپنے بھتیجے کے ترکہ سے حصہ مانگتے تھے اور یہ (سیدنا علی رضی اللہ عنہ) اپنی زوجہ محترمہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا ان کے والد گرامی کی وراثت سے۔ اس سے اشکال پیدا ہوتا ہے کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انہیں پہلے ہی یہ فرمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم ”ہمارا (انبیا کا) کوئی وارث نہیں ہوتا۔“ سنا دیا تھا، تو دوبارہ کیوں آئے؟ جواب یہ ہے کہ سیدنا علی وعباس رضی اللہ عنہما (وراثت مانگنے نہیں، بلکہ) اس پر نگرانی کا مطالبہ کرنے آئے تھے، ہر ایک کا مطالبہ تھا کہ مال فے کا نگران اسے بنایا جائے۔ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ہونے کی نسبت جتا رہے تھے، جبکہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نسبت دامادی۔ اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ وہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے اس میراث کا مطالبہ کر رہے تھے، جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا تھا اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے روکا تھا اور دونوں نے تسلیم کیا تھا۔“

(شرح صحیح مسلم : 74/12)

✿ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (۸۵۲ھ) فرماتے ہیں:

”اس حدیث میں سخت اشکال ہے، یہاں صراحتا موجود ہے کہ سیدنا عباس اور سیدنا علی رضی اللہ عنہما دونوں اس فرمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے واقف تھے: ہم (انبیا) اپنی کوئی وراثت نہیں چھوڑتے۔ اگر انہوں نے یہ حدیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی تھی، پھر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے وراثت کا مطالبہ کیوں کیا؟ اور اگر سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے سنی یا ان کے دور خلافت میں اس علم سے مستفید ہوئے تھے، تو

انہوں نے بعد میں سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے اس کا مطالبہ کیوں کیا؟ معاملات کی حقیقت اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے، مگر جو بات میری سمجھ میں آئی، وہ یہ ہے کہ جو حدیث اس سے قبل سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں گزری ہے، اسی پر اسے محمول کیا جائے گا، یعنی سیدنا علی، سیدہ فاطمہ اور سیدنا عباس رضی اللہ عنہم تینوں یہ نظریہ رکھتے تھے کہ «لَا نُورَثُ» والی حدیث سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض ورثا کو استثنا حاصل ہے، بعض کو نہیں۔ اس لئے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے سیدنا علی اور سیدنا عباس رضی اللہ عنہما دونوں کی طرف منسوب کیا تھا کہ وہ اپنے سے اختلاف کرنے والے کو ظالم خیال کرتے ہیں (یہ ابن حجر رحمہ اللہ کی رائے ہے، جبکہ درست بات یہ ہے کہ سیدنا علی اور سیدنا عباس وغیرہما رضی اللہ عنہم میراث کا مطالبہ لے کر نہیں آئے، بلکہ باغ فدک کے انتظام وانصرام کا مطالبہ لے کر آئے تھے۔ وہ بھی سمجھتے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا متروکہ مال صدقہ ہے، میراث نہیں۔ غ، م)۔

رہا سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں پیش آنے والا تنازع، تو اس حوالے سے اسماعیل قاضی رحمہ اللہ سنن دارقطنی کی روایت سے دلیل لیتے ہیں کہ ان کا تنازع میراث میں نہیں تھا، یہ جھگڑا صرف فدک وغیرہ کے مال کی نگرانی وتصرف کے بارے میں تھا، البتہ امام نسائی رحمہ اللہ اور عمر بن شبہ رحمہ اللہ نے ابوالبختری سے ایک روایت نقل کی ہے، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اس مال کو بطور وراثت اپنے درمیان تقسیم کرنے کے خواہاں تھے۔ اس حدیث کے آخر میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے الفاظ ہیں کہ ابھی آپ میرے پاس جھگڑا لے آئے ہیں،

یہ (سیدنا عباس رضی اللہ عنہ) بھتیجے کی میراث سے حق مانگتے ہیں اور یہ (سیدنا علی رضی اللہ عنہ) اپنی زوجہ محترمہ کا حق مانگتے ہیں۔ اللہ کی قسم! میں یہ مال صرف اسی قاعدے سے تقسیم کروں گا، جسے آپ اس سے قبل تسلیم کر چکے ہیں، اس پر صرف آپ نگران ہوں گے۔ (یہ روایت انقطاع کی وجہ سے ضعیف ہے، ابو البختری کا سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے سماع نہیں ہے۔) امام نسائی رحمہ اللہ (4148: وسندہ صحیح) نے عکرمہ بن خالد کے ایک دوسرے طریق سے بھی اسی طرح کی بات نقل کی ہے۔ سنن ابی داؤد وغیرہ میں ہے۔ وہ دونوں یہ چاہتے تھے کہ ان کے لئے مال کی نگرانی تقسیم کر دی جائے، جو زمین جس کے حصے میں آئے، وہ اس پر نظر رکھے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے روک دیا، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ چاہتے تھے کہ اس مال پر تقسیم کا لفظ نہ بولا جائے، سو انہوں نے ایسا نہ کرنے کی قسم اٹھائی۔ اکثر شارحین نے اتنی بات پر اکتفا کیا ہے اور اسی کو نگاہِ تحسین سے دیکھا ہے، مگر یہ گزشتہ بات محل نظر ہے، جیسا کہ بیان ہو چکا۔ اس سے بھی قابل تعجب بات حافظ ابن الجوزی رحمہ اللہ اور حافظ نووی رحمہ اللہ کی ہے کہ سیدنا علی اور سیدنا عباس رضی اللہ عنہما دونوں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے یہی مطالبہ کیا تھا، حالانکہ حدیث کے سیاق سے واضح ہے کہ وہ دونوں ہر مرتبہ ایک ہی چیز کا مطالبہ لے کر آئے تھے۔ مگر حافظ ابن الجوزی اور حافظ نووی رحمہما اللہ کی طرف سے یہ عذر مانا جا سکتا ہے کہ انہوں نے شرح کرتے ہوئے صرف صحیح مسلم کے الفاظ مدنظر رکھے تھے اور صحیح بخاری کے الفاظ کی طرف توجہ نہیں کی، واللہ اعلم! رہا سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول کہ عباس! آپ نے میرے پاس آ کر بھتیجے کی میراث سے حصے کا مطالبہ

کیا تھا، تو اس قول سے ان کی مراد صرف میراث کی تقسیم کا بیان تھا کہ اگر یہ واقعی میراث ہے، تو اسے کیسے تقسیم کیا جائے؟ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا مقصد ان دونوں صحابہ کی گفتگو کی تحقیر نہیں تھا۔ امامی نے اس روایت میں کچھ الفاظ زیادہ بیان کیے ہیں، جنہیں عمر بن شبہ نے ابن شہاب سے نقل کیا ہے، اس روایت کے آخری الفاظ ہیں: آپ دونوں اپنے معاملے کی اصلاح کر لیں، ورنہ اللہ کی قسم! دوبارہ یہ مال آپ کے پاس نہیں آئے گا، اس پر وہ دونوں وہاں سے چلے گئے اور اپنے تنازع کو ختم کر دیا۔ اس مال کو بطور صدقہ ہی جاری رکھا گیا۔ اس روایت کے آخر میں راوی شعیب نے یہ الفاظ زائد بیان کیے ہیں: ابن شہاب کا کہنا ہے کہ میں نے عروہ رحمہ اللہ سے یہ حدیث بیان کی، تو انہوں نے فرمایا: سیدنا مالک بن اوس رضی اللہ عنہ نے سچ بیان کیا ہے، میں نے خود سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو فرماتے سنا، پھر انہوں نے حدیث کا پورا قصہ بیان کیا۔ عروہ نے کہا: یہی وہ صدقہ ہے، جس کا انتظام پہلے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کو اس میں شریک نہیں کیا تھا اور وہ اس معاملے میں سیدنا عباس رضی اللہ عنہ پر غالب رہے۔ اس کے بعد یہ صدقہ سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے انتظام میں آ گیا، پھر سیدنا حسین بن علی رضی اللہ عنہما کے انتظام میں آ گیا، پھر امام علی بن حسین رحمہ اللہ پھر امام حسن بن حسن رحمہ اللہ اور پھر امام زید بن حسن رحمہ اللہ کے انتظام میں آ گیا اور یہ یقیناً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا صدقہ تھا۔ امام عبدالرزاق رحمہ اللہ نے معمر کے واسطے سے زہری سے اسی طرح روایت کی ہے، البتہ آخر میں یہ الفاظ زیادہ بیان کیے ہیں کہ معمر نے کہا: پھر وہ مال عبداللہ بن

حسن رحمہ اللہ کے انتظام میں آ گیا، یہاں تک کہ بنوعباس اس کے والی بن گئے۔ اسماعیل قاضی رحمہ اللہ نے یہ الفاظ بڑھائے ہیں کہ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں اس سے اعراض کیا تھا۔ عمر بن شبہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابوغسان محمد بن یحییٰ مدنی کو کہتے سنا: اس وقت مذکورہ صدقہ کا انتظام خلیفہ وقت کے پاس ہے، وہ اسی کے سپرد کر دیتا ہے، جس کے قبضہ میں سابقہ حکمران کے دور میں تھا، وہ شخص شہر کے ضرورت مندوں میں تقسیم کرتا ہے۔ میں (ابن حجر) کہتا ہوں کہ یہ نظام دو صدیوں تک چلتا رہا، پھر اس میں تبدیلی آ گئی۔‘‘

(فتح الباري : 207/6)

سوال: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

لَمَّا تُوُفِّيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاسْتُخْلِفَ أَبُو بَكْرٍ، وَكَفَرَ مَنْ كَفَرَ مِنَ الْعَرَبِ، قَالَ عُمَرُ : يَا أَبَا بَكْرٍ، كَيْفَ تُقَاتِلُ النَّاسَ، وَقَدْ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَقُولُوا : لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، فَمَنْ قَالَ : لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، فَقَدْ عَصَمَ مِنِّي مَالَهٗ وَنَفْسَهٗ إِلَّا بِحَقِّهٖ، وَحِسَابُهٗ عَلَى اللّٰهِ، قَالَ أَبُو بَكْرٍ : وَاللّٰهِ لَأُقَاتِلَنَّ مَنْ فَرَّقَ بَيْنَ الصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ، فَإِنَّ الزَّكَاةَ حَقُّ الْمَالِ، وَاللّٰهِ لَوْ مَنَعُونِي عَنَاقًا كَانُوا يُؤَدُّونَهَا إِلٰى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَاتَلْتُهُمْ

عَلٰی مَنْعِهَا قَالَ عُمَرُ : فَوَاللّٰهِ مَا هُوَ إِلَّا أَنْ قَدْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَ أَبِي بَكْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، فَعَرَفْتُ أَنَّهُ الْحَقُّ .

''نبی کریم ﷺ کی وفات ہوئی اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ منتخب ہوئے، تو عرب کے کچھ لوگ کافر (مرتد) ہو گئے، (تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انہیں قتل کرنے کا ارادہ ظاہر کیا) سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ابوبکر! آپ لوگوں سے قتال کیسے کر سکتے ہیں، جبکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: ''مجھے لوگوں سے تب تک قتال کرنے کا حکم دیا گیا ہے، جب تک وہ لا الہ الا اللہ نہ کہہ دیں، جس نے لا الہ الا اللہ کہہ دیا، اس نے مجھ سے اپنا مال اور جان محفوظ کر لیا، سوائے اس کے حق کے اور اس کا حساب اللہ پر ہے۔''

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! میں ہر اس شخص سے قتال کروں گا، جو نماز اور زکوٰۃ میں فرق کرے، کیونکہ زکوٰۃ مال کا حق ہے، اللہ کی قسم! اگر لوگ بکری کا ایک بچہ دینے سے انکار کریں کہ جو وہ رسول اللہ ﷺ کو دیا کرتے تھے، تو میں اسے روکنے پر بھی ان سے قتال کروں گا، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: اللہ کی قسم! اس مسئلہ میں اللہ تعالیٰ نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو شرح صدر عطا کر دیا تھا، پھر میں بھی جان گیا کہ یہی حق ہے۔''

(صحيح البخاري : 6924، 6925)

بعض اس حدیث کے ظاہر سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جس نے لا الٰہ الا اللہ پڑھ لیا، اس سے قتال نہیں کیا جائے گا، پھر سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے منکرین زکوٰۃ سے قتال کیوں کیا، حالانکہ وہ لا الٰہ الا اللہ پڑھتے تھے؟

جواب: دیگر احادیث میں لا الٰہ الا اللہ کے ساتھ نماز اور زکوٰۃ وغیرہ کا ذکر بھی ہے۔

❁ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَشْهَدُوا أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللّٰهِ، وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ، وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ، فَإِذَا فَعَلُوا ذٰلِكَ عَصَمُوا مِنِّي دِمَاءَ هُمْ وَأَمْوَالَهُمْ إِلَّا بِحَقِّ الْإِسْلَامِ، وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللّٰهِ .

”مجھے لوگوں سے قتال کرنے کا حکم دیا گیا ہے، تا آنکہ وہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہہ دیں، نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں۔ جن لوگوں نے یہ اعمال کر لیے، انہوں نے مجھ سے اپنا خون اور مال محفوظ کرلیا، سوائے اسلام کے حق کے اور ان کا حساب اللہ پر ہے۔“

(صحيح البخاري : 25، صحيح مسلم : 22)

لہٰذا جب تک کوئی ان ارکان کو فرض نہیں مانتا، وہ مسلمان نہیں۔ اس اعتبار سے منکرین زکوٰۃ سے قتال کرنا اس حدیث کے خلاف نہیں۔

نیز حدیث کے الفاظ «إِلَّا بِحَقِّهٖ» ”سوائے اسلام کے حق کے“ سے ثابت ہوا کہ کلمہ پڑھنے والے اور ارکان اسلام کی ادائیگی کرنے والے کے علاوہ بھی کچھ لوگ ہیں، جن کو قتل کرنا اسلام کا حق ہے۔ جن کی تفصیل دیگر احادیث میں مذکور ہے، مثلاً:

❁ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا يَحِلُّ دَمُ امْرِءٍ مُسْلِمٍ، يَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنِّي رَسُولُ

اللّٰهِ، إِلَّا بِإِحْدٰى ثَلَاثٍ؛ النَّفْسُ بِالنَّفْسِ، وَالثَّيِّبُ الزَّانِي، وَالْمَارِقُ مِنَ الدِّينِ التَّارِكُ لِلْجَمَاعَةِ.

''کسی کلمہ گو مسلمان کو قتل کرنا جائز نہیں، سوائے تین صورتوں میں سے کسی صورت میں؛ ① قتل کے قصاص میں ② شادی شدہ زانی (کو رجم کی صورت میں) ③ دین سے مرتد ہونے والا اور مسلمانوں کی جماعت کو چھوڑ دینے والا۔''

(صحيح البخاري : 6878، صحيح مسلم : 1676)

دین سے مرتد ہونے والے کو قتل کرنا اسلام کا حق ہے۔ اس پر اُمت کے علما کا اتفاق ہے کہ دین اسلام کے بنیادی اور ضروری عقائد میں سے کسی ثابت اور متفقہ عقیدہ کا انکار کفر اور ارتداد ہے، اسی طرح دین میں کسی ایسی شے کا کلی طور پر انکار کرنا بھی کفر وارتداد ہے، جو کتاب وسنت کے واضح دلائل سے ثابت ہو۔

یقیناً زکوٰۃ کا حکم متعدد آیات قرآنیہ میں موجود ہے، نبی کریم ﷺ نے زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم بھی دیا ہے اور لوگوں سے زکوٰۃ وصول بھی کی ہے، لہٰذا زکوٰۃ کا انکار کرنا کفر وارتداد ہے۔

عہد صدیقی میں جن لوگوں نے زکوٰۃ کا انکار کیا، وہ مرتد ہو چکے تھے، ان سے قتال کرنا جائز تھا، لہٰذا سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان سے قتال کا حکم دیا اور بالآخر تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کے حکم سے اتفاق کیا، کسی نے اختلاف نہ کیا، یوں اس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہو گیا اور اجماع معصوم دلیل ہے، اس پر اللہ کا ہاتھ ہوتا ہے۔

فتاویٰ امن پوری (قسط ۳۸۷)

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

سوال: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

أَفْضَلُ الصِّيَامِ بَعْدَ رَمَضَانَ، شَهْرُ اللّٰهِ الْمُحَرَّمُ، وَأَفْضَلُ الصَّلَاةِ بَعْدَ الْفَرِيضَةِ، صَلَاةُ اللَّيْلِ .

”رمضان المبارک کے بعد افضل ترین روزے محرم کے ہیں اور فرائض کے بعد افضل ترین نماز تہجد کی۔“

(صحیح مسلم: 202/1163)

اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ رمضان کے بعد سب سے افضل روزے ماہِ محرم کے ہیں، جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے زیادہ روزے شعبان میں رکھے، ایسا کیوں؟

❀ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

لَقَدْ كَانَتْ إِحْدَانَا تُفْطِرُ فِي رَمَضَانَ فَمَا تَقْدِرُ عَلٰى أَنْ تَقْضِيَ حَتّٰى يَدْخُلَ شَعْبَانُ مَا كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصُومُ فِي شَهْرٍ مَّا يَصُومُ فِي شَعْبَانَ كَانَ يَصُومُهٗ كُلَّهٗ إِلَّا قَلِيلًا بَلْ كَانَ يَصُومُهٗ كُلَّهٗ .

”ہم (ازواج رسول صلی اللہ علیہ وسلم بیماری کی وجہ سے) رمضان کے روزے چھوڑتیں،

تو شعبان کا مہینہ آنے تک ان کی قضا نہ دے سکتیں، رسول اللہ ﷺ جتنے روزے شعبان میں رکھا کرتے تھے، اتنے کسی اور مہینے میں نہ رکھتے تھے، چند دن چھوڑ کر آپ شعبان کا پورا مہینہ ہی روزے رکھتے تھے، بلکہ پورا شعبان ہی روزے رکھتے تھے۔‘‘

(صحيح البخاري : 1950 ، صحيح مسلم : 1146 ، المُنتقٰى لابن الجارود : 400)

جواب: ممکن ہے کہ محرم میں روزوں کی افضیلت نبی کریم ﷺ کی آخری عمر میں نازل ہوئی ہو، اس لیے نبی کریم ﷺ محرم میں زیادہ روزے نہ رکھ سکے ہوں، واللہ اعلم!

سوال: کیا زکوٰۃ کی ساری کی ساری رقم ایک ہی مصرف پر خرچ کرنا جائز ہے یا تمام مصارف زکوٰۃ میں خرچ کرنا واجب ہے؟

جواب: زکوٰۃ کے آٹھ مصارف میں سے کسی بھی مصرف پر زکوٰۃ خرچ کی جا سکتی ہے، ہر مصرف میں خرچ کرنا ضروری نہیں۔ بہتر یہی ہے کہ اپنے علاقہ میں جس مصرف یا جن مصارف میں زکوٰۃ خرچ کرنے کی زیادہ ضرورت ہے، ان میں زکوٰۃ خرچ کی جائے۔

✿ حافظ ابن دقیق العید رحمہ اللہ (۷۰۲ھ) فرماتے ہیں:

هُوَ قَوْلُ كَافَّةِ الْعُلَمَاءِ .

’’تمام اہل علم کا یہی مذہب ہے کہ (زکوٰۃ کے کسی مصرف میں خرچ کر دیا جائے، تو جائز ہے)۔‘‘

(إحكام الأحكام شرح عمدة الأحكام :382/1)

سوال: سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

وَقْتُ الظُّهْرِ إِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ ....

”سورج ڈھل جائے، تو ظہر کا وقت شروع ہو جاتا ہے۔“

(صحيح مسلم : 612)

❁ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

كُنَّا إِذَا صَلَّيْنَا خَلْفَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالظَّهَائِرِ، فَسَجَدْنَا عَلٰى ثِيَابِنَا اتِّقَاءَ الْحَرِّ .

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا میں ہم نماز ظہر ادا کرتے، تو گرمی کی سوزش سے بچنے کے لئے کپڑے پر سجدے کرتے تھے۔“

(صحيح البخاري : 542، صحيح مسلم : 620)

❁ سیدنا جناب بن ارت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

شَكَوْنَا إِلٰى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصَّلَاةَ فِي الرَّمْضَاءِ، فَلَمْ يُشْكِنَا .

”ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گرمی میں نماز (ظہر) کی شکایت کی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری شکایت قبول نہیں کی۔“

(صحيح مسلم : 619)

❁ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی طرف خط لکھا:

أَنْ صَلِّ الظُّهْرَ، إِذَا زَاغَتِ الشَّمْسُ .

”زوال کے وقت ظہر کی نماز ادا کریں۔“

(موطأ الإمام مالك : 7/1، وسندهٗ صحيحٌ)

❁ میمون بن مہران رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

إِنَّ سُوَيْدَ بْنَ غَفَلَةَ، كَانَ يُصَلِّي الظُّهْرَ حِينَ تَزُولُ الشَّمْسُ، فَأَرْسَلَ إِلَيْهِ الْحَجَّاجُ : لَا تَسْبِقْنَا بِصَلَاتِنَا، فَقَالَ سُوَيْدٌ : قَدْ صَلَّيْتُهَا مَعَ أَبِي بَكْرٍ، وَعُمَرَ هٰكَذَا، وَالْمَوْتُ أَقْرَبُ إِلَيَّ مِنْ أَنْ أَدَعَهَا .

''عظیم تابعی سوید بن غفلہ رحمہ اللہ زوال کے وقت نماز ظہر ادا کیا کرتے تھے، حجاج بن یوسف نے آپ کی طرف پیغام بھیجا کہ آپ ہم سے پہلے نماز نہ پڑھا کریں، اس پر سوید رحمہ اللہ نے جواب دیا: میں نے سیدنا ابوبکر اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ ایسے ہی نماز ادا کی ہے، لہٰذا میں مرنا تو گوارا کرلوں گا، لیکن تاخیر سے نماز ادا نہیں کروں گا۔''

(كتاب الصلاة للفضل بن دُكين : 344، مصنّف ابن أبي شيبة : ١/٣٢٣، وسندهٗ صحيحٌ)

ان احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ ظہر کا وقت زوال آفتاب کے بعد شروع ہو جاتا ہے اور اول وقت میں ظہر پڑھنا افضل ہے، جبکہ ان کے معارض حدیث میں ظہر کو ٹھنڈا کر کے پڑھنے کا حکم ہے۔

❀ سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفَرٍ، فَأَرَادَ الْمُؤَذِّنُ أَنْ يُؤَذِّنَ لِلظُّهْرِ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : أَبْرِدْ، ثُمَّ أَرَادَ أَنْ يُؤَذِّنَ، فَقَالَ لَهٗ : أَبْرِدْ، حَتّٰى رَأَيْنَا فَيْءَ التُّلُولِ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : إِنَّ شِدَّةَ الْحَرِّ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ،

فَإِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ فَأَبْرِدُوا بِالصَّلَاةِ .

”ہم نبی کریم ﷺ کے ہمراہ ایک سفر پر تھے، مؤذن نماز ظہر کے لیے اذان کہنے لگا، تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: (ظہر کو) ٹھنڈا کیجیے۔ پھر مؤذن اذان کہنے لگا، تو فرمایا: (ظہر کو) ٹھنڈا کیجیے۔ یہاں تک کہ ہم نے ٹیلوں کا سایہ دیکھ لیا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: گرمی کی شدت جہنم کے سانس لینے سے ہوتی ہے، لہٰذا جب گرمی سخت ہو، تو نماز (ظہر) کو ٹھنڈا کر لیا کریں۔“

(صحیح البخاري : 539، صحیح مسلم : 616)

اس تعارض کا کیا جواب ہے؟

جواب: جن احادیث میں نماز ظہر کو گرمی کی وجہ سے ٹھنڈا کرنے کا حکم ہے، ان سے مراد بقدر حاجت اول وقت سے کچھ مؤخر کرنا ہے۔ ہمارے ہاں جو موسم سرما میں بھی ظہر کو مؤخر کیا جاتا ہے، یہ سراسر احادیث کی خلاف ورزی ہے۔

سوال: سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

أَلْحِقُوا الْفَرَائِضَ بِأَهْلِهَا، فَمَا بَقِيَ فَهُوَ لِأَوْلٰى رَجُلٍ ذَكَرٍ .

”حقداروں کو وراثت دینے کے بعد جو باقی بچ جائے وہ اس مرد کو دے دیں، جو میت کا سب سے زیادہ قریبی ہے۔“

(صحیح البخاري : 6732، صحیح مسلم : 1615، المُنتقٰی لابن الجارود : 955)

اس حدیث کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ عصبہ ہونے کے لیے مرد ہونا ضروری ہے، عورت عصبہ نہیں بنتی۔ جبکہ یہ بات ثابت ہے کہ کئی صورتوں میں بہنیں اور بیٹیاں بھی عصبہ بنتی ہیں، جیسا کہ آیت میراث کے عموم سے ثابت ہوتا ہے۔ اس اشکال کا کیا جواب ہے؟

جواب: مذکورہ حدیث کے دو حصے ہیں؛ پہلے جملے میں ہے کہ ''حق داروں کو ان کے (وراثتی) حق ادا کریں۔''

اس جملے میں تمام ورثا کو ان کے متعین حق ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے، خواہ وہ ورثا اصحاب الفروض کے طور پر وارث بنیں یا عصبہ بنفسہٖ کے طور پر یا عصبہ بالغیر اور عصبہ مع الغیر کے طور پر۔ ان سب کو کب، کتنا اور کیسے حصہ ملنا ہے، یہ سب دیگر دلائل میں مذکور ہے۔

جبکہ حدیث کے دوسرے حصہ میں عصبہ بنفسہٖ کو دوبارہ ذکر کر دیا، اگرچہ عصبہ بنفسہٖ حدیث کے پہلے حصہ میں بھی شامل تھے، مگر انہیں خاص طور پر دوبارہ ذکر کر دیا۔

یہ بات طے شدہ ہے کہ عصبہ بنفسہٖ صرف مرد بنتے ہیں، عورت بعض صورتوں میں عصبہ بالغیر اور بعض میں عصبہ مع الغیر بنتی ہے، جس کی تفصیل وراثت کی کتابوں میں مذکور ہے۔

معلوم ہوا کہ حدیث کے پہلے ٹکڑے میں تمام حق داروں کو شامل کیا گیا، جبکہ دوسرے ٹکڑے میں عصبہ بنفسہٖ کا ذکر کیا گیا، اسی لیے اس پر قریبی مرد کا لفظ بولا گیا، واللہ اعلم!

سوال: درج ذیل روایت کی سند کیسی ہے؟

❀ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

مَا رَأَيْتُ أَفْضَلَ مِنْ فَاطِمَةَ غَيْرَ أَبِيهَا .

''میں نے فاطمہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ افضل صرف ان کے بابا جان (محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم) کو ہی پایا ہے۔''

(المُعجم الأوسط للطّبراني :2721)

جواب: سند ضعیف ہے۔ عمرو بن دینار کا سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے سماع معلوم نہیں۔

سوال: سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

لَمَّا كَانَ بيْنَ إِبْرَاهِيمَ وَبَيْنَ أَهْلِهِ مَا كَانَ، خَرَجَ هُوَ وَإِسْمَاعِيلُ وَأُمُّ إِسْمَاعِيلَ، وَمَعَهُمْ شَنَّةٌ يَعْنِى فِيهَا مَاءٌ، فَجَعَلَتْ تَشْرَبُ الْمَاءَ وَيَدِرُّ لَبَنُهَا عَلٰى صَبِيِّهَا، حَتَّى إِذَا دَخَلُوا مَكَّةَ وَضَعَهَا تَحْتَ دَوْحَةٍ، ثُمَّ تَوَلَّى رَاجِعًا، وَتَتْبَعُ أُمُّ إِسْمَاعِيلَ أَثَرَهُ، حَتَّى إِذَا بَلَغَتْ كَدَاءَ نَادَتْهُ : يَا إِبْرَاهِيمُ، إِلَى مَنْ تَتْرُكُنَا؟ قَالَ أَبُو عَامِرٍ : إِلٰى مَنْ تَكِلُنَا؟ قَالَ : إِلَى اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ قَالَتْ : رَضِيتُ بِاللّٰهِ، ثُمَّ رَجَعَتْ، فَجَعَلَتْ تَشْرَبُ مِنْهَا، وَيَدِرُّ لَبَنُهَا عَلَى صَبِيِّهَا، فَلَمَّا فَنِىَ بَلَغَ مِنَ الصَّبِىِّ الْعَطَشُ، قَالَتْ : لَوْ ذَهَبْتُ فَنَظَرْتُ، لَعَلِّي أُحِسُّ أَحَدًا، فَقَامَتْ عَلَى الصَّفَا، فَإِذَا هِىَ لَا تُحِسُّ أَحَدًا، فَنَزَلَتْ فَلَمَّا حَاذَتْ بِالْوَادِى رَفَعَتْ إِزَارَهَا، ثُمَّ سَعَتْ حَتَّى تَأْتِىَ الْمَرْوَةَ، فَنَظَرَتْ فَلَمْ تُحِسَّ أَحَدًا، فَفَعَلَتْ ذٰلِكَ أَشْوَاطًا ثُمَّ قَالَتْ : لَوِ اطَّلَعْتُ حَتَّى أَنْظُرَ مَا فَعَلَ، فَإِذَا هُوَ عَلَى حَالِهِ فَأَبَتْ نَفْسُهَا حَتَّى رَجَعَتْ لَعَلَّهَا تُحِسُّ أَحَدًا، فَصَنَعَتْ ذَلِكَ حَتَّى أَتَمَّتْ سَبْعًا، ثُمَّ قَالَتْ : لَوِ اطَّلَعْتُ حَتَّى أَنْظُرَ مَا فَعَلَ، فَإِذَا هُوَ عَلَى حَالِهِ، وَإِذَا هِىَ تَسْمَعُ صَوْتًا فَقَالَتْ : قَدْ سُمِعْتَ، فَقُلْ تُحَبُّ، أَوْ يَأْتِى مِنْكَ خَيْرٌ، قَالَ أَبُو عَامِرٍ : قَدْ سُمِعْتَ فَأَغِثْ فَإِذَا هُوَ جِبْرِيلُ،

فَرَكَضَ بِقَدَمِهِ فَنبعَ، فَذَهَبَتْ أُمُّ إِسْمَاعِيلَ تَحْفِرُ، قَالَ أَبُو الْقَاسِمِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : لَوْ تَركَتْ أُمُّ إِسْمَاعِيلَ الْمَاءَ كَانَ ظَاهِرًا، فَمَرَّ نَاسٌ مِنْ جُرْهُمَ، فَإِذَا هُمْ بِالطَّيْرِ فَقَالُوا : مَا يَكُونُ هٰذَا الطَّيْرُ إِلَّا عَلَى مَاءٍ، فَأَرْسَلُوا رَسُولَهُمْ وَكَرِيَّهُمْ، فَجَاؤُوا إِلَيْهَا فَقَالُوا : أَلَا نَكُونُ مَعَكِ؟ قَالَتْ : بَلٰى، فَسَكَنُوا مَعَهَا، وَتَزَوَّجَ إِسْمَاعِيلُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ امْرَأَةً مِنْهُمْ ثُمَّ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَدَا لَهُ، قَالَ : إِنِّي مُطَّلِعٌ تَرِكَتِي فَجَاءَ فَسَأَلَ عَنْ إِسْمَاعِيلَ أَيْنَ هُوَ؟ فَقَالُوا : يَصِيدُ، وَلَمْ يَعْرِضُوا عَلَيْهِ شَيْئًا، قَالَ : إِذَا جَاءَ فَقُولُوا لَهُ : يُغَيِّرُ عَتبَةَ بَيْتِهِ، فَجَاءَ فَأَخْبَرَتْهُ فَقَالَ : أَنْتِ ذٰلِكَ، فَانْطَلِقِي إِلَى أَهْلِكِ، ثُمَّ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَدَا لَهُ فَقَالَ : إِنِّي مُطَّلِعٌ تَرِكَتِي، فَجَاءَ أَهْلَ إِسْمَاعِيلَ فَقَالَ : أَيْنَ هُوَ؟ قَالُوا : ذَهَبَ يَصِيدُ وَقَالُوا لَهُ : انْزِلْ فَاطْعَمْ، وَاشْرَبْ قَالَ : وَمَا طَعَامُكُمْ وَشَرَابُكُمْ؟ قَالُوا : طَعَامُنَا اللَّحْمُ، وَشَرَابُنَا الْمَاءُ قَالَ : اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَهُمْ فِي طَعَامِهِمْ وَشَرَابِهِمْ، قَالَ أَبُو الْقَاسِمِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : فَلَا تَزَالُ فِيهِ بَرَكَةٌ بِدَعْوَةِ إِبْرَاهِيمَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ثُمَّ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَدَا لَهُ

فَقَالَ : إِنِّي مُطَّلِعٌ تَرِكَتِي، فَجَاءَ فَإِذَا إِسْمَاعِيلُ وَرَاءَ زَمْزَمَ، يُصْلِحُ نَبْلًا لَهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ : يَا إِسْمَاعِيلُ، إِنَّ رَبَّكَ عَزَّ وَجَلَّ قَدْ أَمَرَنِي أَنْ أَبْنِيَ لَهُ بَيْتًا قَالَ : أَطِعْ رَبَّكَ، قَالَ : وَقَدْ أَمَرَنِي أَنْ تُعِينَنِي عَلَيْهِ قَالَ : فَجَعَلَ إِسْمَاعِيلُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُنَاوِلُ إِبْرَاهِيمَ الْحِجَارَةَ وَيَقُولَانِ : ﴿رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ﴾(البقرة : ١٢٧) فَلَمَّا أَنْ رُفِعَ الْبُنْيَانُ، وَضَعُفَ الشَّيْخُ عَنْ رَفْعِ الْحِجَارَةِ فَقَامَ عَلَى الْمَقَامِ، وَجَعَلَ إِسْمَاعِيلُ يُنَاوِلُهُ الْحِجَارَةَ وَيَقُولَانِ : ﴿رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ﴾(البقرة : ١٢٧) .

”جب ابراہیم علیہ السلام اور ان کی بیوی (سارہ رضی اللہ عنہا) کے مابین کچھ جھگڑا ہوا، تو ابراہیم علیہ السلام، اسماعیل اور ان کی والدہ (ہاجر رضی اللہ عنہا) گھر سے نکلے، ان کے پاس صرف پانی کا ایک مشکیزہ تھا، سیدہ ہاجر رضی اللہ عنہا اس مشکیزے سے پانی پیتی رہیں اور ان کا دودھ بچے کے لیے اترتا رہا، یہاں تک کہ جب وہ مکہ مکرمہ آئے، تو ابراہیم علیہ السلام نے دونوں کو ایک بڑے درخت کے پاس بٹھا دیا، اب وہ واپس جانے لگے، ام اسماعیل رضی اللہ عنہا مقام کداء تک پیچھے آگئیں، آواز دی : ابراہیم ! آپ ہمیں کس کے رحم وکرم پر چھوڑ کے جا رہے ہیں؟ فرمایا: اللہ کے، کہا: ہم اللہ کے فیصلے پہ راضی ہیں۔ ہاجر رضی اللہ عنہا واپس چلی آئیں اور اپنے بیٹے کو دودھ پلانے لگیں اور خود پانی پینے لگیں۔ پانی جب ختم ہو گیا، تو بچے کو پیاس لگی،

کسی کو ڈھونڈنے چل نکلیں اور صفا پر چڑھی، مگر کوئی نہ ملا، تو نیچے اتر آئیں اور وادی پر آ کر دامن اٹھا لیا اور مروہ تک دوڑیں، دیکھا، تو کوئی نظر نہ آیا، اس طرح انہوں نے کئی چکر لگائی، کہنے لگیں: اسماعیل کی خبر تو لوں؟ دیکھا، تو اسماعیل اسی حالت میں تھے، واپس آئیں، کہ شاید کوئی نظر آئے، بار بار ایسا کرتی رہیں، یہاں تک کہ سات چکر مکمل ہوئے، تو کہنے لگیں: اسماعیل کی خبر تو لوں؟ دیکھا، تو اسماعیل اسی حالت میں تھے، پھر انہیں اچانک ایک آواز سنائی دی، کہا: میں نے آواز سن لی ہے، کیا آپ میری مدد کریں گے؟ وہ جبریل علیہ السلام تھے، انہوں نے ایڑی ماری اور پانی جاری ہوگیا۔ سیدہ ہاجر رضی اللہ عنہا نے اس کے اردگرد منڈیر بنا دی، کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ ہاجر پر رحم کرے، اگر وہ پانی کو کھلا چھوڑ دیتیں، تو یہ ظاہر (جاری چشمہ) ہو جاتا۔'' پھر قبیلہ جرہم کے کچھ لوگ وہاں سے گزرے، انہوں نے پرندے اڑتے ہوئے دیکھے، کہنے لگے: یہ تو پانی کے پرندے ہیں، انہوں نے اپنے قاصد کو بھیجا، وہ سیدہ ہاجر رضی اللہ عنہا کے پاس آئے اور ان سے پوچھا کہ کیا ہم آپ کے پاس سکونت اختیار کر سکتے ہیں، سیدہ نے کہا: کیوں نہیں، ضرور۔ پھر وہ یہاں رہنے لگے، اسماعیل علیہ السلام کی اس قبیلے کی ایک عورت سے شادی ہوگئی، اب ابراہیم علیہ السلام نے سوچا کہ میں ذرا اپنے بچے کی خبر لے آؤں، ابراہیم علیہ السلام آئے اور اسماعیل علیہ السلام کے بارے میں پوچھا، بیوی نے کہا: وہ شکار کرنے جاتے ہیں اور تو کچھ انہیں جیسے یاد ہی نہیں۔ ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: وہ آئیں، تو انہیں میرا پیغام دیجیے کہ گھر کی چوکھٹ تبدیل کر لیں، بیوی نے واپسی پر یہ پیغام دیا، تو اسماعیل علیہ السلام کہنے لگے: وہ

چوکھٹ آپ ہی ہیں، جائیے اپنے گھر، آپ کو طلاق ہے۔ پھر سیدنا ابراہیم علیہ السلام دوبارہ چاہا کہ اپنے بچے کی خبر گیری کروں، تو اسماعیل علیہ السلام کی بیوی کے پاس آئے اور پوچھا، کہا: شکار پر گئے ہیں، آپ بیٹھئے، کچھ کھا پی لیجئے۔ پوچھا: آپ کی خوراک کیا ہے؟ کہا: گوشت اور پانی، تو ابراہیم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی کہ اللہ ان کے گوشت اور پانی میں برکت فرما۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی دعا کی وجہ سے مکہ میں آج تک برکت ہے۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام تیسری دفعہ آئے، سیدنا اسماعیل صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ زمزم کے قریب اپنا تیر درست کر رہے تھے، فرمایا: اسماعیل! اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں اس کا گھر تعمیر کروں، اسماعیل صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رب کا حکم بجا لائیے، تو ابراہیم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ آپ میری مدد کریں، تو اسماعیل صلی اللہ علیہ وسلم انہیں پتھر پکڑانے لگے، دونوں باپ بیٹا ساتھ دعا کرتے: ﴿رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ﴾(البقرۃ: ۱۲۷) ''اللہ ہمارا یہ عمل قبول فرما، تو خوب سننے والا اور خوب دیکھنے والا ہے۔'' جب بنیادیں اٹھائی جا چکیں، تو سیدنا ابراہیم علیہ السلام کمزوری کی وجہ سے پتھر نہ اٹھا سکے، تو وہ اپنی جگہ کھڑے ہو گئے، اسماعیل علیہ السلام انہیں پتھر پکڑاتے اور دونوں باپ بیٹا ساتھ دعا کرتے: ﴿رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ﴾(البقرۃ: ۱۲۷) ''اللہ ہمارا یہ عمل قبول فرما، تو خوب سننے والا اور خوب دیکھنے والا ہے۔''

(صحيح البخاري: 3365، السّنن الكبرىٰ للنّسائي: 8321)

اس حدیث پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کیسے اپنے بیٹے اور بیوی کو

بیابان میں چھوڑ کر آ سکتے ہیں، نیز کیسے ان کا حال واحوال دریافت کرنے سے پیچھے رہ سکتے ہیں؟ اس حدیث میں بعض اسرائیلی روایات شامل ہوگئی ہیں، کیونکہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو براق دیا گیا تھا اور ان کے لیے زمین لپیٹ دی گئی تھی، اس کے باوجود ابراہیم علیہ السلام نے اپنے اہل خانہ کا صرف دو تین مرتبہ حال دریافت کیا، ایسا کیوں؟

جواب: پہلی بات؛ یہ ثابت نہیں کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو براق کی سواری دی گئی تھی اور ان کے لیے زمین لپیٹ دی گئی تھی۔ قرآن اور صحیح حدیث میں ایسا کچھ نہیں۔

بے سر و پا روایات کو بنیاد بنا کر صحیح بخاری کی متفق علیہ صحیح روایت پر اعتراض کرنا درست نہیں، نہ ہی اس صحیح ترین روایت سے معارضہ ہوسکتا ہے۔

دوسرے یہ کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام اپنے بیٹے اور بیوی کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے بیابان میں چھوڑ کر آئے تھے۔ وہ ایک والد اور شوہر ہونے کے ساتھ ساتھ نبی بھی تھے، وہ وحی کے تابع تھے، جس کی پیروی میں انہوں نے ایسا کیا۔ پھر دو تین مرتبہ حال دریافت کرنے کے لیے بھی تشریف لائے۔

سوال: سیدہ کبشہ بنت کعب بن مالک رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

إِنَّ أَبَا قَتَادَةَ، رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ دَخَلَ عَلَيْهَا فَسَكَبَتْ لَهٗ وَضُوءً فَجَاءَ تْ هِرَّةٌ تَشْرَبُ مِنْهُ فَأَصْغٰى لَهَا الْإِنَاءَ حَتّٰى شَرِبَتْ قَالَتْ كَبْشَةُ : فَرَآنِي أَنْظُرُ إِلَيْهِ فَقَالَ : أَتَعْجَبِينَ يَا ابْنَةَ أَخِي؟ قَالَتْ : فَقُلْتُ : نَعَمْ فَقَالَ : إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : إِنَّهَا لَيْسَتْ بِنَجَسٍ، إِنَّهَا مِنَ الطَّوَّافِينَ عَلَيْكُمْ أَوِ الطَّوَّافَاتِ .

''سیدنا ابو قتادہ رضی اللہ عنہ میرے پاس آئے، تو میں نے انہیں وضو کے لیے پانی

ڈال کر دیا۔ بلی آئی اور پینے لگی۔ انہوں نے اس کی طرف برتن جھکا دیا حتی کہ اس نے سیر ہو کر پی لیا۔ انہوں نے مجھے اپنی طرف متوجہ دیکھا، تو فرمایا: بھتیجی! کیا آپ تعجب کر رہی ہیں؟ میں نے کہا: جی ہاں! کہنے لگے: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: بلی پلید نہیں ہے، یہ تم پر گھومنے پھرنے والا جانور ہے۔"

(موطأ الإمام مالك : 22/1، سنن أبي داوٗد : 75، سنن النّسائي : 68، سنن التّرمذي : 92، سنن ابن ماجه : 367، وسندهٗ صحيحٌ)

اس حدیث کو امام ترمذی رحمہ اللہ نے "حسن صحیح"، امام ابن الجارود (۶۰)، امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ (۱۰۴)، امام ابن حبان رحمہ اللہ (۱۲۹۹) اور امام حاکم رحمہ اللہ (۱۶۰/۱) نے "صحیح" کہا ہے، حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے ان کی موافقت کی ہے۔

❀ امام عقیلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

هٰذَا إِسْنَادٌ ثَابِتٌ صَحِيحٌ .

"یہ سند صحیح ثابت ہے۔"

(الضّعفاء الكبير : 141/2)

حافظ نووی رحمہ اللہ (المجموع: ۱/ ۱۱۸) اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (المطالب العالیۃ: ۲/ ۱۱۱) نے "صحیح" کہا ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بلی کا جھوٹا پاک ہے، برتن میں منہ ڈال دے، تو اسے دھونے کی ضرورت نہیں، جبکہ اس کے معارض حدیث میں بلی کے برتن میں منہ ڈالنے سے دھونے کا حکم ہے۔

❀ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

إِذَا وَلَغَتْ فِيهِ الْهِرَّةُ غُسِلَ مَرَّةً .

”جب برتن میں بلی منہ ڈال دے، تو اسے ایک مرتبہ دھویا جائے۔“

(سنن التّرمذي :91، وسندهٗ صحيحٌ)

امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو ”حسن صحیح“ کہا ہے۔

❀ اسی طرح سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا فتویٰ ہے:

إِذَا وَلَغَ الْهِرُّ فِي الْإِنَاءِ فَاهْرِقْهُ وَاغْسِلْهُ مَرَّةً .

”جب برتن میں بلی منہ ڈال دے، تو وہ چیز انڈیل دی جائے اور برتن کو ایک مرتبہ دھولیں۔“

(سنن الدّارقطني : 200، وسندهٗ صحيحٌ)

اس تعارض کا کیا جواب ہے؟

جواب: دونوں احادیث میں کوئی تعارض نہیں۔ اصلاً بلی کا جھوٹا پاک ہے، اس پر اجماع ہے، البتہ بلی کے منہ ڈالنے سے ایک مرتبہ دھونا مستحب ہے، نیز اگر بلی کے منہ کو گندگی لگی ہو اور وہ برتن میں منہ ڈال دے، تو برتن میں موجود شے کو انڈیل دیا جائے اور برتن کو ایک مرتبہ دھولیا جائے۔

یوں دونوں احادیث میں تطبیق ہو جائے گی۔

❀ حافظ نووی رحمہ اللہ (٦٧٦ھ) فرماتے ہیں:

إِنَّ ظَاهِرَهٗ يَقْتَضِي وُجُوبَ غَسْلِ الْإِنَاءِ مِنْ وُلُوغِ الْهِرَّةِ وَلَا يَجِبُ ذٰلِكَ بِالْإِجْمَاعِ .

”(مذکورہ بالا) حدیث کے ظاہر کا تقاضا تو یہ ہے کہ جس برتن میں بلی منہ ڈال

دے، اسے دھونا واجب ہے، لیکن اجماع ہے کہ دھونا واجب نہیں۔‘‘

(المَجموع شرح المهذّب :228/1)

❁ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بلی کے بارے میں فرماتے ہیں:

هِيَ مِنْ مَتَاعِ الْبَيْتِ .

’’یہ گھریلو جانور ہے۔‘‘

(الطّهور لأبي عبيد : 210، وسندهٗ صحيحٌ)

❁ میمون بن مہران رحمہ اللہ سے بلی کے جھوٹے کے متعلق پوچھا گیا، تو فرمایا:

إِنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ، كَانَ لَا يَرٰى بِهٖ بَأْسًا وَرُبَّمَا كَفَأَ لَهُ الْإِنَاءَ، وَقَالَ :

إِنَّمَا هُوَ مِنْ أَهْلِ الْبَيْتِ .

’’سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بلی کے جھوٹے میں حرج خیال نہیں کرتے تھے، بسا اوقات تو اس کی طرف برتن جھکا دیتے، نیز فرماتے: یہ گھریلو جانور ہے۔‘‘

(الطّهور لأبي عبيد : 209، وسندهٗ صحيحٌ)

راوی حدیث سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ خود بھی بلی کے جھوٹے کو ناپاک نہیں سمجھتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے جو دھونے کا فتویٰ دیا ہے، وہ استحباب پر محمول ہے۔

سوال: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِذَا شَرِبَ الْكَلْبُ فِي إِنَاءِ أَحَدِكُمْ فَلْيَغْسِلْهُ سَبْعًا .

’’جب کتا کسی کے برتن سے پی جائے، تو اس برتن کو سات دفعہ دھوئیں۔‘‘

(صحيح البخاري : 172، صحيح مسلم : 279)

اشکال پیش کیا جاتا ہے کہ کتے کے منہ ڈالنے سے سات مرتبہ برتن دھونے کی علت یہ

ہے کہ اس کے منہ یا لعاب میں ناپاکی ہوتی ہے، اگر اس کے منہ کو اچھی طرح دھولیا جائے یا کسی طرح پاک کرلیا جائے، تو اس کے برتن میں منہ ڈالنے سے سات مرتبہ دھونے کا حکم ختم ہو جاتا ہے، کیونکہ اب اس کا منہ ناپاک نہیں تھا۔

اس اعتراض کا کیا جواب ہے؟

جواب: کتے کے منہ میں ناپاکی اور پلیدی ہوتی ہے، جس بنا پر یہ حکم ہے کہ اگر کتا برتن میں منہ ڈال جائے، تو برتن کو سات مرتبہ دھویا جائے گا۔

کتا نجس العین ہے، اس کا منہ پاک نہیں ہوسکتا، اگر کوئی دعویٰ کرے کہ کتے کا منہ کسی طرح پاک کرلیا گیا ہے، تب بھی کتے کے منہ ڈالنے سے برتن کو سات مرتبہ ہی دھویا جائے گا، کیونکہ اگر دھونے کی علت منہ کی ناپاکی بھی تھی، تب بھی یہ علت نہ رہی، بلکہ سات مرتبہ دھونے کی علت کتے کے منہ ڈالنے کو ہی قرار دے دیا گیا۔ ایسا کئی شرعی احکام میں ہوتا ہے، مثلاً؛ سفر میں نماز قصر کرنے اور روزہ چھوڑنے کی علت سفر کی تکلیف اور خوف تھا، مگر شریعت نے محض سفر کو ہی نماز قصر کرنے اور روزہ چھوڑنے کی علت قرار دے دیا۔

لہٰذا اگر کسی کا سفر آرام دہ بھی ہو یا کسی مزدور کی تکلیف مسافر سے زیادہ بھی ہو، تب بھی مسافر کے لیے نماز قصر کرنے اور روزہ چھوڑنے کی رخصت ہوگی اور مشقت والا کام کرنے والے مزدور کے لیے یہ رخصت نہ ہوگی۔

کتے کے منہ ڈالنے سے برتن کو سات مرتبہ دھونے کا حکم بھی ایسا ہی ہے، اس کی علت محض کتے کے منہ ڈالنے کو ہی قرار دے دیا گیا۔

نیز سدھارا ہوا شکاری کتا اگر بسم اللہ پڑھ کر شکار پر چھوڑا جائے اور وہ منہ سے شکار پکڑ کر لے آئے اور شکار ذبح سے پہلے ہی مر جائے، تو وہ حلال ہے، اسے کھایا جا سکتا ہے، لیکن

اگر یہی کام عام کتا کرے، تو اس کے منہ میں مرا ہوا شکار حلال نہ ہوگا، حالانکہ دونوں کتے ہیں اور دونوں نے منہ سے شکار کو پکڑا ہے۔

ثابت ہوا کہ تمام احکام شریعت کے امر یا نہی پر موقوف ہیں، خواہ ان کی علت سمجھ آئے یا نہ آئے۔

سوال: سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

كَانَ النَّبِيُّ يُبْعَثُ إِلٰى قَوْمِهٖ خَاصَّةً، وَبُعِثْتُ إِلَى النَّاسِ عَامَّةً.

”پہلے انبیا علیہم السلام صرف اپنی قوم کی طرف بھیجے جاتے تھے، لیکن مجھے تمام انسانوں کی طرف مبعوث کیا گیا ہے۔“

(صحیح البخاري : 335، صحیح مسلم :521)

❀ صحیح مسلم (521/ 3) میں ہے:

كَانَ كُلُّ نَبِيٍّ يُبْعَثُ إِلٰى قَوْمِهٖ خَاصَّةً، وَبُعِثْتُ إِلٰى كُلِّ أَحْمَرَ وَأَسْوَدَ.

”پہلے انبیا کو ان کی قوموں کی طرف بھیجا جاتا تھا، لیکن مجھے ہر سرخ و سیاہ کی طرف مبعوث کیا گیا ہے۔“

اس حدیث میں اعتراض کیا جاتا ہے کہ تمام لوگوں کی طرف مبعوث ہونا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خاصہ کیسے ہوسکتا ہے، کیونکہ سیدنا نوح علیہ السلام کی قوم پر جب سیلاب کا عذاب آیا، تو صرف وہی بچا، جو کشتی میں سوار تھا، باقی سب ہلاک ہو گئے اور سیدنا نوح علیہ السلام کشتی میں موجود سارے لوگوں کے نبی تھے، یوں وہ بھی تمام لوگوں کی طرف مبعوث قرار پائے۔

اس اعتراض کا کیا جواب ہے؟

جواب: طوفان سے جو لوگ باقی بچے، وہ کشتی میں سوار لوگ تھے، اس اعتبار سے

اگر چہ سیدنا نوح علیہ السلام کی بعثت ان تمام لوگوں کی طرف تھی، مگر یہ بعثت حادثہ سے بچنے والے تمام افراد کی طرف تھی، اصلاً یہ بعثت تمام اہل زمین کی طرف نہ تھی، بعثت تو اپنے علاقہ کے لوگوں کی طرف ہی تھی، مگر چونکہ زمین پر زندہ وہی لوگ رہ گئے تھے، جو نوح علیہ السلام کی کشتی پر سوار تھے۔ اس کے برعکس ہمارے نبی محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اصلاً تمام اہل زمین کی طرف ہے، خواہ وہ ابھی پیدا ہوئے ہوں یا نہ ہوئے ہوں، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں اور قیامت تک پیدا ہونے والے ہر ہر انسان اور جن کی طرف مبعوث ہیں۔

اس وضاحت سے حدیث بالا پر کوئی اعتراض باقی نہیں رہا، وللہ الحمد!

سوال: سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

إِنَّ مُعَاذَ بْنَ جَبَلٍ كَانَ يُصَلِّي مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعِشَاءَ الْآخِرَةَ، ثُمَّ يَرْجِعُ إِلٰى قَوْمِهٖ، فَيُصَلِّي بِهِمْ تِلْكَ الصَّلَاةَ.

”سیدنا معاذ بن جبل رحمہ اللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز عشاء ادا کرتے، پھر اپنی قبیلہ میں واپس جاتے اور انہیں نماز عشاء کی امامت کراتے۔“

(صحیح مسلم: 465)

جو اہل علم مفترض کے لیے متنفل کی اقتدا کو جائز نہیں سمجھتے، ان کا کہنا کہ سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا میں نفل نماز پڑھتے تھے اور اپنی قوم کے لوگوں کو فرض پڑھاتے تھے۔ اس بارے میں کیا فرماتے ہیں؟

جواب: متنفل اور مفترض کے لیے ایک دوسرے کی اقتدا جائز ہے۔ سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز عشاء ہی پڑھتے تھے اور اپنی قوم کو جو نماز پڑھتے تھے، وہ

ان کی نفل ہوتی تھی۔ مذکورہ حدیث اگرچہ مجمل ہے، مگر اس کی وضاحت دوسری حدیث میں موجود ہے، ملاحظہ ہو:

❀ سیدنا جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں:

كَانَ مُعَاذٌ يُصَلِّي مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ثُمَّ يَأْتِي فَيَؤُمُّ قَوْمَهُ، فَصَلَّى لَيْلَةً مَّعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعِشَاءَ، ثُمَّ أَتٰى قَوْمَهُ فَأَمَّهُمْ، فَافْتَتَحَ بِسُورَةِ الْبَقَرَةِ، فَانْحَرَفَ رَجُلٌ فَسَلَّمَ، ثُمَّ صَلّٰى وَحْدَهُ وَانْصَرَفَ، فَقَالُوا لَهُ: أَنَافَقْتَ يَا فُلَانُ؟ قَالَ: لَا وَاللّٰهِ، وَلَآتِيَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَأُخْبِرَنَّهُ، فَأَتٰى رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، إِنَّا أَصْحَابُ نَوَاضِحَ نَعْمَلُ بِالنَّهَارِ، وَإِنَّ مُعَاذًا صَلّٰى مَعَكَ الْعِشَاءَ، ثُمَّ أَتٰى فَافْتَتَحَ بِسُورَةِ الْبَقَرَةِ، فَأَقْبَلَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى مُعَاذٍ، فَقَالَ: يَا مُعَاذُ أَفَتَّانٌ أَنْتَ؟ اقْرَأْ بِكَذَا وَاقْرَأْ بِكَذَا.

”سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا میں نماز ادا کرتے، پھر آ کر اپنی قوم کی امامت فرماتے۔ ایک رات انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا میں عشا کی نماز ادا کی اور اپنی قوم کو آ کر یہی نماز پڑھائی اور سورت بقرہ کی قرأت شروع کر دی۔ ایک آدمی نماز توڑ کر پیچھے پلٹا اور اکیلے اپنی نماز ادا کر کے چلا گیا۔ دوسرے صحابہ نے کہا: اے فلاں! کیا تو منافق ہو گیا ہے؟ اس نے جواباً کہا:

اللہ کی قسم ایسا نہیں ہے، البتہ میں یہ قصہ نبی اکرم ﷺ کے گوش گزار ضرور کروں گا۔ چنانچہ اس نے رسول اکرم ﷺ کے پاس حاضر ہو کر عرض کیا: اللہ کے رسول ﷺ! ہم سارا دن اونٹوں کے ذریعے کھیت سیراب کرتے ہیں۔ معاذ نے آپ کے ساتھ عشا کی نماز پڑھی اور ہمارے پاس آ کر سورت بقرہ شروع کر دی۔ رسول اکرم ﷺ نے معاذ رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: معاذ! کیا آپ لوگوں کو دین سے متنفر کرتے ہیں؟ فلاں فلاں سورت پڑھا کیجیے۔''

(صحيح البخاري : 700؛ صحيح مسلم : 465، واللّفظ لهٗ)

❀ سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یہ الفاظ بھی ہیں:

يُصَلِّي بِهِمْ تِلْكَ الصَّلَاةَ، هِيَ لَهٗ نَافِلَةٌ، وَلَهُمْ فَرِيْضَةٌ.

''سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ اپنی قوم کو وہی نماز پڑھاتے، جو ان کے لئے نفل ہوتی اور قوم کے لئے فرض۔''

(السّنن الكبرىٰ للبَيهقي : 86/3، الأم للشافعي : 173/1، سنن الدّارقطني : 374/1، شرح معاني الآثار للطّحاوي :409/1، وسندهٗ صحيحٌ)

ابن جریج رحمہ اللہ نے سماع کی تصریح کی ہے۔ دوسرے راویوں کی طرف سے ان الفاظ کا عدمِ ذکر عدمِ وجود پر دلالت نہیں کرتا، ثقہ کی زیادت بالاتفاق مقبول ہے، کیونکہ یہ ثقات کی مخالفت نہیں ہے۔

معلوم ہوا کہ سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ جو نماز پڑھتے تھے، وہ عشاء کے فرائض تھے اور اپنی قوم کو نفل کی نیت سے نماز عشاء پڑھاتے تھے۔

یہ حدیث دلیل ہے کہ متنفل اور مفترض ایک دوسرے کی اقتدا کر سکتے ہیں۔

فتاویٰ امن پوری (قسط ۳۸۸)

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

سوال: سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَعَنَ اللّٰهُ الْوَاصِلَةَ وَالْمُسْتَوْصِلَةَ، وَالْوَاشِمَةَ وَالْمُسْتَوْشِمَةَ .

''اللہ تعالیٰ نے مصنوعی بال (Wig) لگانے اور لگوانے والیوں اور جسم کو گود کر نشان بنانے اور بنوانے والی عورتوں پر لعنت فرمائی ہے۔''

(صحيح البخاري : 5937، صحيح مسلم : 2124)

❀ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

لَعَنَ اللّٰهُ الْوَاشِمَاتِ وَالْمُسْتَوْشِمَاتِ، وَالْمُتَنَمِّصَاتِ، وَالْمُتَفَلِّجَاتِ لِلْحُسْنِ، الْمُغَيِّرَاتِ خَلْقَ اللّٰهِ مَا لِي لَا أَلْعَنُ مَنْ لَعَنَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَهُوَ فِي كِتَابِ اللّٰهِ .

''اللہ تعالیٰ نے جسم کو گود کر نشان بنانے اور بنوانے والیوں پر، بھوؤں کے بال نوچنے والیوں پر اور خوبصورتی کے لیے دانتوں کے درمیان فاصلہ کرنے والیوں پر، اللہ تعالیٰ کی تخلیق کو بدلنے والیوں پر لعنت فرمائی ہے۔ مجھے کیا ہے کہ میں اس پر لعنت نہ کروں، جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے، یہ بات کتاب اللہ میں بھی ہے۔''

(صحيح البخاري : 5948، صحيح مسلم : 2125)

ان احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ جسم کو گودنا اور گدوانا دونوں حرام اور باعث لعنت عمل ہیں، مگر اس کے معارض روایت میں ہے کہ سیدہ اسماء بن عمیس رضی اللہ عنہا کے ہاتھوں پر گودنے کے نشانات تھے۔

❀ قیس بن ابی حازم رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

دَخَلْتُ أَنَا وَأَبِي عَلٰى أَبِي بَكْرٍ، وَإِذَا هُوَ رَجُلٌ أَبْيَضُ، خَفِيفُ الْجِسْمِ، عِنْدَهٗ أَسْمَاءُ ابْنَةُ عُمَيْسٍ تَذُبُّ عَنْهُ، وَهِيَ مَوْشُومَةُ الْيَدَيْنِ كَانُوا وَشَمُوهَا فِي الْجَاهِلِيَّةِ نَحْوَ وَشْمِ الْبَرْبَرِ .

”میں اور میرے والد سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوئے، آپ رضی اللہ عنہ کی رنگت سفید اور جسم دبلا پتلا تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ کے پاس اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا موجود تھیں، جو آپ سے مکھیاں اڑا رہی تھیں، ان کے ہاتھوں پر گودنے کے نشانات تھے، جو ان کے گھر والوں نے دور جاہلیت میں اہل مغرب کی طرز پر گودے تھے۔“

(تهذيب الآثار للطّبري : 154، وسندهٗ صحيحٌ)

❀ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کی سند کو ”صحیح“ کہا ہے۔

(فتح الباري : 376/10)

اس کا کیا جواب ہے؟

جواب: سیدہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کے ہاتھوں پر گودنے کے نشانات دور جاہلیت سے تھے، جیسا کہ صراحت موجود ہے، یہ ثابت نہیں کہ انہوں نے قبول اسلام کے بعد ایسا کیا ہو، لہٰذا کوئی اعتراض نہیں۔

شرعی طور پر جسم کو گود کر نشان بنانا اور بنوانا گناہِ کبیرہ ہے، اسی طرح وِگ لگانا اور لگوانا بھی حرام ہے، کیونکہ یہ دھوکہ ہے۔ البتہ (Hair transplant) کے ذریعے بال اُگائے جاسکتے ہیں۔ یہ طریقہ علاج ہے۔

سوال: قبلہ رخ قضائے حاجت کا کیا حکم ہے؟

جواب: قبلہ رخ ہو کر پیشاب کرنے کا جواز اس صورت میں ہے، جب سامنے کوئی اوٹ، دیوار یا پردہ وغیرہ حائل ہو۔ اس مسئلہ میں وارد احادیث ملاحظہ ہوں:

❁ سیدنا ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِذَا أَتَيْتُمُ الْغَائِطَ فَلَا تَسْتَقْبِلُوا الْقِبْلَةَ، وَلَا تَسْتَدْبِرُوهَا وَلٰكِنْ شَرِّقُوا أَوْ غَرِّبُوا، قَالَ أَبُو أَيُّوبَ : فَقَدِمْنَا الشَّأْمَ فَوَجَدْنَا مَرَاحِيضَ بُنِيَتْ قِبَلَ الْقِبْلَةِ فَنَنْحَرِفُ، وَنَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ تَعَالٰى .

”(مدینہ والو!) قضائے حاجت کے وقت قبلہ کی طرف منہ کریں نہ پیٹھ، بلکہ مشرق یا مغرب کی طرف رخ کرلیں۔ سیدنا ابوایوب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم شام کے علاقہ میں گئے، دیکھا کہ وہاں باتھ روم قبلہ رُو بنے ہوئے تھے۔ ہم نے تو اپنا رخ قبلہ سے پھیر لیتے اور ”استغفر اللہ“ پڑھتے۔“

(صحيح البخاري : 394، صحيح مسلم : 264)

❁ سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

قِيلَ لَهٗ : قَدْ عَلَّمَكُمْ نَبِيُّكُمْ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلَّ شَيْءٍ حَتَّى الْخِرَاءَةَ قَالَ : فَقَالَ : أَجَلْ لَقَدْ نَهَانَا أَنْ نَّسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةَ لِغَائِطٍ، أَوْ بَوْلٍ، أَوْ أَنْ نَّسْتَنْجِيَ بِالْيَمِينِ، أَوْ أَنْ نَّسْتَنْجِيَ بِأَقَلَّ

مِنْ ثَلَاثَةِ أَحْجَارٍ، أَوْ أَنْ نَّسْتَنْجِيَ بِرَجِيعٍ أَوْ بِعَظْمٍ .

”انہیں کہا گیا کہ تمہارا نبی تو تمہیں ہر چیز ہی سکھاتا ہے، حتی کہ قضائے حاجت کا طریقہ بھی سمجھاتا ہے۔ سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: جی ہاں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں قضائے حاجت کے لیے قبلہ رخ ہو کر بیٹھنے، دائیں ہاتھ، تین پتھروں سے کم اور لید یا ہڈی سے استنجا کرنے سے منع فرمایا ہے۔“

(صحیح مسلم: 262)

❁ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِذَا جَلَسَ أَحَدُكُمْ عَلٰى حَاجَتِهٖ، فَلَا يَسْتَقْبِلِ الْقِبْلَةَ، وَلَا يَسْتَدْبِرْهَا .

”قضائے حاجت کے لیے کوئی قبلہ کی طرف منہ کرے نہ پیٹھ۔“

(صحیح مسلم: 265)

❁ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

إِنَّ نَاسًا يَّقُولُونَ : إِذَا قَعَدْتَّ عَلٰى حَاجَتِكَ فَلَا تَسْتَقْبِلِ الْقِبْلَةَ وَلَا بَيْتَ الْمَقْدِسِ، فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ : لَقَدِ ارْتَقَيْتُ يَوْمًا عَلٰى ظَهْرِ بَيْتٍ لَّنَا، فَرَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى لَبِنَتَيْنِ، مُسْتَقْبِلًا بَيْتَ الْمَقْدِسِ لِحَاجَتِهٖ .

”لوگ ایسے ہی کہتے ہیں کہ قضائے حاجت کے لیے بیت اللہ اور بیت المقدس کی طرف منہ نہیں کیا جا سکتا، جبکہ میں ایک دن اپنے گھر کی چھت پر چڑھا، تو دیکھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بیت المقدس کی طرف منہ کر کے دو اینٹوں پر قضائے حاجت کے لیے بیٹھے تھے۔“

(صحيح البخاري : 145، صحيح مسلم : 266)

❁ ایک روایت ہے:

اِرْتَقَيْتُ فَوْقَ ظَهْرِ بَيْتِ حَفْصَةَ لِبَعْضِ حَاجَتِي، فَرَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْضِي حَاجَتَهٗ مُسْتَدْبِرَ الْقِبْلَةِ، مُسْتَقْبِلَ الشَّامِ.

''اپنے کسی کام کی غرض سے میں سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے گھر کی چھت پر چڑھا۔ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ شام کی طرف رخ اور قبلہ کی طرف پیٹھ کر کے قضائے حاجت کر رہے تھے۔''

(صحيح البخاري : 148، صحيح مسلم : 266)

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ان لوگوں کو جواب دیا، جو قبلہ رخ ہو کر پیشاب کرنا جائز نہیں سمجھتے تھے، کیوں کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے خود نبی کریم ﷺ کو قبلہ رخ ہو کر پیشاب کرتے دیکھا تھا۔

سیدنا ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے ممانعت والی حدیث سن رکھی تھی اور نبی کریم ﷺ کا عمل ان کے علم میں نہ آسکا، اسی لیے بیان کرتے ہیں:

مَا أَصْنَعُ بِهٰذِهِ الْكَرَابِيسِ، وَقَدْ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا ذَهَبَ أَحَدُكُمُ الْغَائِطَ أَوِ الْبَوْلَ فَلَا تَسْتَقْبِلُوا الْقِبْلَةَ أَوْ قَالَ الْكَعْبَةَ بِفَرْجٍ.

''میں ان باتھ روموں کا کیا کروں؟ جب کہ میں نے تو نبی کریم ﷺ کا فرمانِ عالی شان سن رکھا ہے: قضائے حاجت کے وقت کوئی قبلہ رخ نہ ہو۔''

(الموطأ للإمام مالك :193/1، مصنّف ابن أبي شيبة :139/1، وسندهٗ صحيحٌ)

❁ سیدنا جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ نَهَانَا أَنْ نَّسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةَ وَنَسْتَدْبِرَهَا بِفُرُوجِنَا لِلْبَوْلِ، ثُمَّ رَأَيْتُهٗ قَبْلَ مَوْتِهٖ بِعَامٍ يَّبُولُ مُسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةِ .

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں قبلہ کی طرف منہ اور پیٹھ کر کے پیشاب کرنے سے منع فرماتے تھے۔ پھر میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو موت سے ایک برس پہلے قبلہ رخ پیشاب کرتے دیکھا۔''

(مسند الإمام أحمد : 360/3، سنن أبي داوٗد : 13، سنن التّرمذي : 9، سنن ابن ماجه :31، شرح مَعاني الآثار للطّحاوي : 234/4، وسندهٗ حسنٌ)

اس حدیث کو امام ابن خزیمہ (۵۸)، امام ابن حبان (۱۴۲۰) اور امام ابن الجارود رحمہم اللہ (۳۱) نے ''صحیح''، امام حاکم رحمہ اللہ نے ''امام مسلم کی شرط پر صحیح'' کہا ہے۔ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے ان کی موافقت کی ہے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ اور امام بزار رحمہ اللہ (التلخیص الحبیر لابن حجر: ۱/ ۱۲۸) نے ''حسن'' کہا ہے۔ حافظ نووی رحمہ اللہ (شرح مسلم: ۳/ ۱۵۵) نے سند کو ''حسن'' کہا ہے۔ حافظ ابن ملقن رحمہ اللہ (البدر المنیر: ۲/ ۳۰۷) نے ''صحیح'' قرار دیا ہے۔

❁ امام دارقطنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

كُلُّهُمْ ثِقَاتٌ .

''اس حدیث کے سارے راوی ثقہ ہیں۔''

(سنن الدّارقُطني :59/1)

✿ سلیمان بن زیاد مصری رحمہ اللہ کہتے ہیں:

دَخَلْنَا عَلٰى عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ جَزْءٍ الزُّبَيْدِيِّ فِي يَوْمِ جُمُعَةٍ، فَدَعَا بِطَسْتٍ، وَقَالَ لِلْجَارِيَةِ : اسْتُرِينِي، فَسَتَرَتْهُ، فَبَالَ فِيهِ، ثُمَّ قَالَ : سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْهٰى أَنْ يَّبُولَ أَحَدُكُمْ مُّسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةِ .

''ایک جمعہ ہم سیدنا عبداللہ بن حارث بن جزء زبیدی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، انہوں نے سلفچی (ہاتھ وغیرہ دھونے کا برتن) منگوایا اور ایک بچی سے کہا: مجھے پردہ کریں، اس نے پردہ کیا، آپ نے اس برتن میں پیشاب کیا۔ اور کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رو بہ قبلہ پیشاب کرنے سے منع فرمایا۔''

(صحيح ابن حبّان : 1419، وسندهٗ حسنٌ)

ان احادیث کی رو سے اکثر محدثین قبلہ کی طرف کر کے پیشاب کرنے کے بارے میں ممانعت والی روایات کو فضا اور صحرا پر محمول کرتے ہیں کہ پردہ یا اوٹ ہو، تو جائز ہے۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ نہی کراہت تنزیہی پر محمول ہو، کیونکہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے قبلہ کی طرف منہ کر کے پیشاب کرنا ثابت ہے۔

✿ سید الفقہاء امام بخاری رحمہ اللہ یوں باب قائم کرتے ہیں:

بَابٌ : لَا تُسْتَقْبَلُ الْقِبْلَةُ بِغَائِطٍ أَوْ بَوْلٍ إِلَّا عِنْدَ الْبِنَاءِ، جِدَارٍ أَوْ نَحْوِهٖ .

''اس بات کا بیان کہ قضائے حاجت کے لیے قبلہ رخ نہ ہوا جائے الا کہ دیوار وغیرہ کی صورت میں کوئی عمارت حائل ہو۔''

حافظ نووی رحمہ اللہ (٦٧٦ھ) فرماتے ہیں:

وَرَدَتْ بِالنَّهْيِ فَيُحْمَلُ عَلَى الصَّحْرَاءِ لِيُجْمَعَ بَيْنَ الْأَحَادِيثِ وَلَا خِلَافَ بَيْنَ الْعُلَمَاءِ أَنَّهُ إِذَا أَمْكَنَ الْجَمْعُ بَيْنَ الْأَحَادِيثِ لَا يُصَارُ إِلٰى تَرْكِ بَعْضِهَا بَلْ يَجِبُ الْجَمْعُ بَيْنَهَا وَالْعَمَلُ بِجَمِيعِهَا وَقَدْ أَمْكَنَ الْجَمْعُ عَلٰى مَا ذَكَرْنَاهُ فَوَجَبَ الْمَصِيرُ إِلَيْهِ وَفَرَّقُوا بَيْنَ الصَّحْرَاءِ وَالْبُنْيَانِ مِنْ حَيْثُ الْمَعْنٰى بِأَنَّهُ يَلْحَقُهُ الْمَشَقَّةُ فِي الْبُنْيَانِ فِي تَكْلِيفِهٖ تَرْكَ الْقِبْلَةِ بِخِلَافِ الصَّحْرَاءِ.

”جو احادیث قبلہ رخ پیشاب کرنے کی ممانعت میں آئیں ہیں، انہیں صحرا پر محمول کریں گے اور یہ بات علمائے کرام رحمہم اللہ کے ہاں طے شدہ ہے کہ جب جمع و تطبیق ممکن ہو، ترجیح پر عمل نہیں کیا جائے گا، بلکہ جمع و توفیق اور تمام احادیث پر عمل واجب ہوگا۔ اس مسئلہ میں جمع و توفیق ممکن ہے، لہٰذا اسی پر عمل کیا جائے گا۔ اہل علم نے صحرا اور عمارتوں میں اس لحاظ سے بھی فرق کیا ہے کہ عمارتوں میں قبلہ رخ نہ ہونے کا کہا جائے، تو اس سے مشقت لاحق ہوگی، جبکہ صحرا میں ایسا کچھ نہیں ہے۔“

(شرح مسلم: 155/3)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (٨٥٢ھ) فرماتے ہیں:

بِالتَّفْرِيقِ بَيْنَ الْبُنْيَانِ وَالصَّحْرَاءِ مُطْلَقًا قَالَ الْجُمْهُورُ وَهُوَ مَذْهَبُ مَالِكٍ وَّالشَّافِعِيِّ وَإِسْحَاقَ وَهُوَ أَعْدَلُ الْأَقْوَالِ لِإِعْمَالِهٖ

جَمِيعَ الْأَدِلَّةِ .

''پیشاب کرتے وقت قبلہ رخ ہونے کے حوالہ سے عمارت اور صحرا میں فرق جمہور کا موقف ہے۔ امام مالک، شافعی اور اسحاق بن راہویہ رحمہم اللہ کا یہی مذہب ہے۔ نیز تمام دلائل پر عمل اسی صورت میں ممکن ہے۔''

(فتح الباري :246/1)

تنبیہ نمبر ①:

❀ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

ذُكِرَ عِنْدَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَوْمٌ يَّكْرَهُونَ أَنْ يَّسْتَقْبِلُوا بِفُرُوجِهِمُ الْقِبْلَةَ، فَقَالَ : أُرَاهُمْ قَدْ فَعَلُوهَا، اسْتَقْبِلُوا بِمَقْعَدَتِي الْقِبْلَةَ .

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا گیا کہ ایک قوم قبلہ رخ ہو کر پیشاب کرنا حرام سمجھتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ لوگ ایسا ہی کرتے ہوں گے، آپ قبلہ رخ پیٹھ پھیر لیا کریں۔''

(مسند الإمام أحمد : 184/6، مسند الطّيالسي : 1541، سنن ابن ماجه : 324، شرح مَعاني الآثار للطّحاوي : 234/4)

سند ضعیف ہے۔ اس روایت کا مرفوع ہونا خطا ہے۔

① خالد بن ابی صلت کا عراک سے سماع نہیں۔

❀ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

خَالِدُ بْنُ أَبِي صَلْتٍ عَنْ عِرَاكٍ مُّرْسَلٌ .

”خالد بن ابی صلت کی عراک سے روایت مرسل ہوتی ہے۔“

(التّاریخ الکبیر : 155/3)

② خالد بن ابی صلت مجہول الحال ہے، اسے صرف امام ابن حبان رحمہ اللہ نے ”الثقات:٦/٢٥٢“ میں ذکر کیا ہے۔

③ عراک کا سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے سماع نہیں ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے اسے مرسل قرار دیا ہے، وہ عراک کا سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے سماع کا انکار کرتے ہیں۔ جس سند میں عراک نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے سماع کی تصریح کی ہے، وہ خطا ہے، نیز اس میں علی بن عاصم واسطی ضعیف ہے۔

④ سنن دارقطنی (١/٦٠) میں «خالد الحذاء عن رجل عن عراك» کی سند سے خالد حذا اور عراک کے درمیان جو ”رجل“ ہے، وہ خالد بن ابی صلت ہے۔ خالد نے عراک سے سماع کی تصریح نہیں کی۔ یہ ”المزید فی متصل الاسانید“ کی قبیل سے ہے، لہٰذا سند ضعیف ہے۔

❁ حافظ ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

أَمَّا حَدِيثُ عَائِشَةَ فَهُوَ سَاقِطٌ ...... خَالِدُ بْنُ أَبِي الصَّلْتِ وَهُوَ مَجْهُولٌ لَّا يُدْرٰى مَنْ هُوَ .

”حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا ساقط ہے۔ ...... خالد بن ابی صلت مجہول ہے، اس کا کوئی اتہ پتہ نہیں۔“

(المُحلّٰی :261/1)

تنبیہ نمبر ②:

❀ مروان اصفر رحمہ اللہ سے مروی ہے:

رَأَيْتُ ابْنَ عُمَرَ أَنَاخَ رَاحِلَتَهُ مُستَقبِلَ الْقِبْلَةِ، ثُمَّ جَلَسَ يَبُولُ إِلَيْهَا، فَقُلْتُ : يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، أَلَيْسَ قَدْ نُهِيَ عَنْ هٰذَا؟ قَالَ : بَلٰى، إِنَّمَا نُهِيَ عَنْ ذٰلِكَ فِي الْفَضَاءِ، فَإِذَا كَانَ بَيْنَكَ وَبَيْنَ الْقِبْلَةِ شَيْءٌ يَّسْتُرُكَ فَلَا بَأْسَ .

''میں نے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھا کہ انہوں نے اپنی اونٹنی قبلہ رخ بٹھائی اور اس کی طرف منہ کر کے پیشاب کرنے لگے۔ میں نے پوچھا: ابوعبد الرحمٰن! (عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی کنیت) قبلہ رخ پیشاب کرنا منع نہیں ہے؟ فرمایا: کیوں نہیں، لیکن یہ ممانعت فضا سے متعلق ہے، جب درمیان میں کوئی اوٹ ہو، تو کوئی مضائقہ نہیں۔''

(سنن أبي داوٗد : 11، السُّنن الكُبرىٰ للبَيْهقي : 92/1)

سند ضعیف ہے۔ حسن بن ذکوان ضعیف اور مدلس ہے۔

❀ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ضَعَّفَهُ الْأَكْثَرُونَ .

''اسے جمہور نے ضعیف قرار دیا ہے۔''

(جامع المَسانيد والسّنن : 565/4، اللآلي المَنثورة للزّركشي، ص 143)

الحاصل:

اگر سامنے دیوار یا پردہ حائل ہو، تو قبلہ رخ پیشاب کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ اکثر

ائمہ سلف کا یہی مؤقف ہے۔احادیث اسی مؤقف کو تقویت دیتی ہیں، واللہ اعلم!

سوال: سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

أُمِرْتُ أَنْ أَسْجُدَ عَلٰى سَبْعَةِ أَعْظُمٍ؛ عَلَى الْجَبْهَةِ، وَأَشَارَ بِيَدِهٖ عَلٰى أَنْفِهٖ وَالْيَدَيْنِ وَالرُّكْبَتَيْنِ، وَأَطْرَافِ الْقَدَمَيْنِ …… .

''مجھے (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) حکم دیا گیا ہے کہ میں سات اعضا پر سجدہ کروں؛ ماتھے پر، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے ناک کی طرف اشارہ فرمایا، دو ہاتھ، دو گھٹنے، دو پاؤں کے پنجے……۔''

(صحيح البخاري : 812، صحيح مسلم : 490)

❁ سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

صَلّٰى بِنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى رَأَيْتُ أَثَرَ الطِّينِ وَالْمَاءِ عَلٰى جَبْهَةِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَرْنَبَتِهٖ .

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں نماز پڑھائی، تو میں نے (سجدہ کی وجہ سے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی اور ناک کے نتھنے پر گارے اور پانی کے نشان دیکھے۔''

(صحيح البخاري : 813، صحيح مسلم : 1167)

❁ سیدنا ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا سَجَدَ أَمْكَنَ أَنْفَهٗ وَجَبْهَتَهٗ مِنَ الْأَرْضِ .

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب سجدہ کرتے، تو ناک اور ماتھے کو زمین پر ٹکاتے تھے۔''

(سنن التّرمذي : 270، وسندهٗ حسنٌ)

اس حدیث کو امام ترمذی رحمہ اللہ نے ''حسن صحیح'' کہا ہے۔

❁ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا صَلَاةَ لِمَنْ لَمْ يَضَعْ أَنْفَهٗ عَلَى الْأَرْضِ .

''جو (سجدہ میں) ناک زمین پر نہیں رکھتا، اس کی نماز نہیں۔''

(سنن الدّارقطني : 1318، وسندہٗ حسنٌ)

ان احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ سجدہ میں ناک اور پیشانی زمین پر ٹکانا واجب ہے، جبکہ بعض اس کی فرضیت اور وجوب کا انکار کرتے ہیں اور اسے مستحب سمجھتے ہیں، ان کے مطابق اگر سات اعضا میں بعض اعضا زمین پر نہ لگائے جائیں، تو سجدہ صحیح ہے۔

❁ فقہ حنفی کی معتبر کتب میں ہے:

لَوْ تَرَكَ وَضْعَ الْيَدَيْنِ وَالرُّكْبَتَيْنِ جَازَتْ صَلَاتُهٗ بِالْإِجْمَاعِ، كَذَا فِي السِّرَاجِ الْوَهَّاجِ .

''اگر نمازی دونوں ہاتھ اور دونوں گھٹنے زمین پر نہ رکھے، تو اس کی نماز بالاجماع (یعنی امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد بن حسن شیبانی کے نزدیک) جائز ہے، ''السراج الوہاج'' میں ایسا ہی لکھا ہے۔''

(فتاویٰ عالمگیری:70/1، العِناية في شرح الهِداية :496/1)

❁ صاحب ہدایہ لکھتے ہیں:

وَضْعُ الْيَدَيْنِ وَالرُّكْبَتَيْنِ سُنَّةٌ عِنْدَنَا لِتَحَقُّقِ السُّجُودِ بِدُونِهِمَا .

''(سجدے میں) ہاتھوں اور گھٹنوں کو (زمین پر) رکھنا ہمارے نزدیک سنت ہے، کیونکہ ان کے بغیر سجدہ ہو جاتا ہے۔''

(الهِداية :47/1)

❀ علمائے احناف نے لکھا ہے:

اَلسُّجُودُ بِوَضْعِ الْجَبْهَةِ وَإِحْدَى الْيَدَيْنِ وَإِحْدَى الرُّكْبَتَيْنِ وَشَيْءٍ مِنْ أَطْرَافِ أَصَابِعِ إِحْدَى الْقَدَمَيْنِ .

''پیشانی، ایک ہاتھ، ایک گھٹنا، ایک پاؤں کی کچھ انگلیاں زمین پر رکھنے سے سجدہ ہو جاتا ہے۔''

(اللُّباب في شرح الكتاب :65/1، مَراقي الفلاح، ص 86)

جواب: علمائے احناف کی یہ آرا انتہائی غیر محتاط ہیں، صحیح احادیث کی رو سے سجدے میں ناک اور پیشانی رکھنا فرض ہے، اس کے بغیر سجدہ نہیں، کیونکہ اس کا رسول اللہ ﷺ کو بھی حکم دیا گیا تھا، جیسا کہ صحیحین کی حدیث سے واضح ہو چکا ہے۔

بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ پیشانی اور ناک میں سے کسی ایک پر سجدہ کر لیا جائے، تو بھی کافی ہے، یہ بات بھی صحیح احادیث اور اجماع کے خلاف ہے۔

❀ علامہ ابن نجیم حنفی رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

...... اَلِاقْتِصَارُ عَلَى الْأَنْفِ فَعِنْدَهٗ يَجُوزُ مُطْلَقًا وَعِنْدَهُمَا لَا يَجُوزُ إِلَّا مِنْ عُذْرٍ بِالْجَبْهَةِ كَمَا صَرَّحَ بِهٖ صَاحِبُ الْهِدَايَةِ .

''......(سجدہ میں) ناک پر اکتفا کرنا امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ہر حالت میں جائز ہے، جبکہ امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک پیشانی میں تکلیف کی وجہ سے صرف ناک پر سجدہ کرنا جائز ہے، جیسا کہ صاحب ہدایہ نے اس بات کی صراحت کی ہے۔''

(البحر الرّائق : 358/2)

❁ صاحب ہدایہ لکھتے ہیں:

إِنِ اقْتَصَرَ عَلٰى أَحَدِهِمَا جَازَ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى، وَقَالَا : لَا يَجُوزُ الْاِقْتِصَارُ عَلَى الْأَنْفِ إِلَّا مِنْ عُذْرٍ .

''اگر نمازی (سجدہ میں پیشانی اور ناک میں سے) کسی ایک پر اکتفا کر لے، تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک جائز ہے، جبکہ امام ابو یوسف اور امام محمد کہتے ہیں کہ ناک پر اکتفا کرنا صرف عذر کی صورت میں جائز ہے۔''

(الهداية : 47/1)

❁ اس کے رد میں امام ابن منذر رحمہ اللہ (۳۱۹ھ) فرماتے ہیں:

هٰذَا قَوْلُ النُّعْمَانِ، وَهُوَ قَوْلٌ لَا أَحْسِبُ أَحَدًا سَبَقَهُ إِلَيْهِ، وَلَا تَبِعَهُ عَلَيْهِ .

''یہ نعمان (بن ثابت ابوحنیفہ رحمہ اللہ) کا قول ہے، میں نہیں جانتا کہ کسی نے ان سے پہلے ایسی بات کہی ہو، یا بعد والوں میں سے کسی نے ان کی موافقت کی ہو۔''

(الأوسط : 175/3)

❁ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ امام ابن منذر رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہیں:

إِجْمَاعُ الصَّحَابَةِ عَلٰى أَنَّهُ لَا يُجْزِءُ السُّجُودُ عَلَى الْأَنْفِ وَحْدَهُ .

''صحابہ کرام کا اجماع ہے کہ سجدوں میں صرف ناک پر اکتفا کرنا جائز نہیں۔''

(فتح الباري : 296/2)

❁ علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ (٦٢٠ھ) فرماتے ہیں:

رُوِيَ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ، أَنَّهٗ إِنْ سَجَدَ عَلٰى أَنْفِهٖ دُونَ جَبْهَتِهٖ، أَجْزَأَهُ ...... وَهٰذَا قَوْلٌ يُخَالِفُ الْحَدِيثَ الصَّحِيحَ وَالْإِجْمَاعَ.

”امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ اگر نمازی سجدہ میں ناک زمین پر لگائے اور پیشانی نہ لگائے، تو اس کا سجدہ درست ہے۔...... یہ قول صحیح حدیث اور اجماع کے مخالف ہے۔“

(المُغني: 371/1)

خلاصہ بحث:

سجدہ سات اعضا پر واجب ہے، ناک اور پیشانی دونوں پر سجدہ کرنا واجب ہے، کسی ایک پر اکتفا کرنا جائز نہیں۔

سوال: سیدنا ابوقتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِذَا دَخَلَ أَحَدُكُمُ الْمَسْجِدَ، فَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ أَنْ يَّجْلِسَ.

”مسجد میں داخل ہوں، تو بیٹھنے سے پہلے دو رکعت ادا کر لیں۔“

(صحيح البخاري: 444، صحيح مسلم: 714)

✿ ایک روایت میں ہے:

لَا يَجْلِسْ حَتّٰى يَرْكَعَ رَكْعَتَيْنِ.

”اس وقت تک نہ بیٹھئے، جب تک دو رکعت نہ پڑھ لیں۔“

(صحيح البخاري: 444، صحيح مسلم: 714)

ان احادیث کے ظاہر سے ثابت ہوتا ہے کہ جب بھی مسجد میں داخل ہوں، تو دو رکعت پڑھنا مشروع ہے، خواہ طلوع آفتاب یا غروب آفتاب کا وقت ہی ہو۔

جبکہ اس کے معارض حدیث میں طلوع آفتاب اور غروب آفتاب کے وقت نماز پڑھنا ممنوع ہے۔

❀ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنِ الصَّلَاةِ بَعْدَ الْعَصْرِ حَتّٰى تَغْرُبَ الشَّمْسُ، وَعَنِ الصَّلَاةِ بَعْدَ الصُّبْحِ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ.

''رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کے بعد سورج غروب ہونے اور فجر کے بعد سورج طلوع ہونے تک نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔''

(صحيح البخاري: 588، صحيح مسلم: 825)

اس کا کیا جواب ہے؟

جواب: طلوع آفتاب اور غروب آفتاب کے وقت اگرچہ نماز ممنوع ہے، مگر اس سے مراد عام نوافل ہیں۔ تحیۃ المسجد، تحیۃ الوضو، نمازِ طواف اور نمازِ کسوف یہ سببی نمازیں ہیں جو کہ ایک سبب کے تحت ادا کی جاتی ہیں، مثلاً مسجد میں داخل ہونا تحیۃ المسجد کا سبب ہے۔ اگر سبب نہیں تو نماز بھی نہیں۔ یہ نمازیں ممنوع اوقات میں بھی ادا کی جا سکتی ہیں۔ سببی نمازیں نہی کے عموم سے مستثنیٰ ہیں۔

❀ حافظ نووی رحمہ اللہ (٦٧٦ھ) فرماتے ہیں:

اَلْمُسْتَنْبَطُ مِنْ هٰذِهِ الْأَحَادِيثِ أَنَّ تَحِيَّةَ الْمَسْجِدِ لَا تُتْرَكُ فِي أَوْقَاتِ النَّهْيِ عَنِ الصَّلَاةِ، وَأَنَّهَا ذَاتُ سَبَبٍ تُبَاحُ فِي كُلِّ وَقْتٍ.

''ان احادیث سے ثابت ہوا کہ تحیۃ المسجد ممنوع اوقات میں بھی پڑھی جا سکتی

ہے، یہ سببی نماز ہے اور سببی نماز ہر وقت ادا کی جا سکتی ہے۔“

(شرح مسلم: 164/6)

سوال: درج ذیل روایت کی سند کیسی ہے؟

❀ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

قَالَ الْحَوَارِيُّونَ لِعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ: لَوْ بَعَثْتَ لَنَا رَجُلًا شَهِدَ السَّفِينَةَ فَحَدَّثَنَا عَنْهَا قَالَ: فَانْطَلَقَ بِهِمْ حَتَّى انْتَهٰى بِهِمْ إِلٰى كَثِيبٍ مِّنْ تُرَابٍ، فَأَخَذَ كَفًّا مِّنْ ذٰلِكَ التُّرَابِ بِكَفِّهٖ، قَالَ: أَتَدْرُونَ مَا هٰذَا؟ قَالُوا: اَللّٰهُ وَرَسُولُهٗ أَعْلَمُ، قَالَ: هٰذَا كَعْبُ حَامِ بْنِ نُوحٍ، قَالَ: فَضَرَبَ الْكَثِيبَ بِعَصَاهُ، قَالَ: قُمْ بِإِذْنِ اللّٰهِ فَإِذَا هُوَ قَائِمٌ يَنْفُضُ التُّرَابَ عَنْ رَأْسِهٖ قَدْ شَابَ، قَالَ لَهٗ عِيسٰى: هٰكَذَا هَلَكْتَ؟ قَالَ: لَا، وَلٰكِنْ مِتُّ وَأَنَا شَابٌّ، وَلٰكِنِّي ظَنَنْتُ أَنَّهَا السَّاعَةُ، فَمِنْ ثَمَّ شِبْتُ، قَالَ: حَدِّثْنَا عَنْ سَفِينَةِ نُوحٍ قَالَ: كَانَ طُولُهَا أَلْفَ ذِرَاعٍ وَمِئَتَيْ ذِرَاعٍ، وَعَرْضُهَا سِتَّ مِائَةِ ذِرَاعٍ، وَكَانَتْ ثَلَاثَ طَبَقَاتٍ، فَطَبَقَةٌ فِيهَا الدَّوَابُّ وَالْوَحْشُ، وَطَبَقَةٌ فِيهَا الْإِنْسُ، وَطَبَقَةٌ فِيهَا الطَّيْرُ، فَلَمَّا كَثُرَ أَرْوَاثُ الدَّوَابِّ، أَوْحَى اللّٰهُ إِلٰى نُوحٍ أَنِ اغْمِزْ ذَنَبَ الْفِيلِ فَغَمَزَهٗ فَوَقَعَ مِنْهُ خِنْزِيرٌ وَخِنْزِيرَةٌ، فَأَقْبَلَا عَلَى الرَّوْثِ، فَلَمَّا وَقَعَ الْفَأْرُ بِحَبْلِ السَّفِينَةِ يَقْرِضُهٗ، أَوْحَى

اللّٰهُ إِلٰى نُوحٍ أَنِ اضْرِبْ بَيْنَ عَيْنَيِ الْأَسَدِ فَخَرَجَ مِنْ مَنْخَرِهٖ سِنُّورٌ وَسِنُّورَةٌ، فَأَقْبَلَا عَلَى الْفَأْرِ، فَقَالَ لَهٗ عِيسٰى : كَيْفَ عَلِمَ نُوحٌ أَنَّ الْبِلَادَ قَدْ غَرِقَتْ؟ قَالَ : بَعَثَ الْغُرَابَ يَأْتِيهِ بِالْخَبَرِ، فَوَجَدَ جِيفَةً فَوَقَعَ عَلَيْهَا، فَدَعَا عَلَيْهِ بِالْخَوْفِ، فَلِذٰلِكَ لَا يَأْلَفُ الْبُيُوتَ، قَالَ : ثُمَّ بَعَثَ الْحَمَامَةَ فَجَاءَ تْ بِوَرَقِ زَيْتُونٍ بِمِنْقَارِهَا وَطِينٍ بِرِجْلَيْهَا، فَعَلِمَ أَنَّ الْبِلَادَ قَدْ غَرِقَتْ، قَالَ : فَطَوَّقَهَا الْخُضْرَةَ الَّتِي فِي عُنُقِهَا، وَدَعَا لَهَا أَنْ تَكُونَ فِي أُنْسٍ وَأَمَانٍ، فَمِنْ ثَمَّ تَأْلَفُ الْبُيُوتَ، قَالَ : فَقُلْنَا : يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَلَا نَنْطَلِقُ بِهٖ إِلٰى أَهْلِينَا، فَيَجْلِسُ مَعَنَا، وَيُحَدِّثُنَا؟ قَالَ : كَيْفَ يَتَّبِعُكُمْ مَنْ لَا رِزْقَ لَهٗ؟ قَالَ : فَقَالَ لَهٗ : عُدْ بِإِذْنِ اللّٰهِ، قَالَ : فَعَادَ تُرَابًا .

”حواریوں نے سیدنا عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام سے کہا: براہِ کرم! آپ ہمارے لیے ایسے آدمی کو زندہ کر دیں، جو (نوح علیہ السلام کی) کشتی میں موجود تھا، وہ ہمیں کشتی کے متعلق بیان کرے۔ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام ان کے ساتھ چلے اور انہیں مٹی کی ایک چٹان کے پاس لے آئے، آپ علیہ السلام نے ایک مٹھی مٹی اٹھائی اور فرمایا: کیا آپ جانتے ہیں کہ یہ کیا ہے؟ کہنے لگے: اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا: یہ حام بن نوح کے ٹخنے ہیں۔ پھر عیسیٰ علیہ السلام نے چٹان پر اپنا عصا مارا اور فرمایا: اللہ کے حکم سے اٹھ جائیے! تو وہ سیدھا کھڑا ہو گیا اور سر سے

مٹی جھاڑنے لگا، وہ اب بوڑھا ہو چکا تھا۔ عیسیٰ علیہ السلام نے اس سے فرمایا: آپ اسی حالت میں فوت ہوئے تھے؟ کہنے لگا: نہیں، جب میں فوت ہوا، تب تو جوان تھا، لیکن میں نے سمجھا کہ قیامت آچکی ہے، اس غم سے میں بوڑھا ہو گیا ہوں۔ عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ہمیں سفینہ نوح کے متعلق کچھ بیان فرمائیے۔ اس نے کہا: کشتی کی لمبائی بارہ سو ہاتھ اور چوڑائی چھ سو ہاتھ تھی۔ اس کی تین منزلیں تھیں، ایک منزل میں چوپائے اور وحشی جانور تھے، دوسری منزل میں انسان تھے اور تیسری منزل میں پرندے تھے۔ جب چوپائیوں کی لید اور گوبر بہت زیادہ جمع ہو گیا، تو اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ ہاتھی کی دُم ہلائیے، تو انہوں نے دُم ہلائی، جس سے نر اور مادہ خنزیر پیدا ہوئے، دونوں نے لید اور گوبر کھالیا۔ جب چوہا کشتی کی لکڑی کاٹنے لگا، تو اللہ تعالیٰ نے سیدنا نوح علیہ السلام کو وحی کی کہ شیر کی دونوں آنکھوں کے درمیان (ماتھے پر) ضرب لگائیں، تو شیر کے نتھنوں سے بلی اور بلا پیدا ہوئے، دونوں چوہے پر جھپٹ پڑے۔ عیسیٰ علیہ السلام نے اس شخص (حام بن نوح) سے پوچھا: نوح علیہ السلام کو کیسے معلوم ہوا کہ تمام علاقے ڈھوپ چکے ہیں؟ کہنے لگے: نوح علیہ السلام نے کوے کو بھیجا کہ خبر معلوم کرے، وہ گیا، اس نے ایک مردار دیکھا، وہ اس پر جھپٹ پڑا، تو نوح علیہ السلام نے اسے ہمیشہ خوفزدہ رہنے کی بددعا دے دی، اسی لیے وہ کبھی گھروں سے مانوس نہیں ہوتا۔ حام بن نوح کہنے لگے: پھر نوح علیہ السلام نے کبوتر کو بھیجا، تو وہ اپنی چونچ میں زیتون کا پتا اور پاؤں میں گارا لے کر آیا، اس سے نوح علیہ السلام کو علم ہو گیا کہ تمام علاقے ڈوب چکے ہیں۔ نوح علیہ السلام نے اس پتے کو

کبوتر کے گلے کا ہار بنا دیا اور اس کے لیے دعا فرمائی کہ وہ سدا اُنس و امان میں رہے، اسی لیے کبوتر گھروں سے مانوس ہوتا ہے۔ حواری کہنے لگے: اللہ کے رسول (عیسیٰ)! کیا ہم اس شخص (حام بن نوح) کو اپنے ساتھ گھر نہ لے جائیں، یہ ہمارے ساتھ بیٹھیں اور ہمیں مزید باتیں بیان کریں؟ عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: وہ شخص آپ کے ساتھ کیسے جا سکتا ہے، جس کا رزق (اب دنیا میں) نہیں ہے؟ پھر عیسیٰ علیہ السلام نے اس شخص سے فرمایا: اللہ کے حکم سے واپس لوٹ جائیے! تو وہ دوبارہ مٹی بن گیا۔"

(تفسير الطبري: 395/12)

جواب: سند باطل ہے۔

① علی بن زید بن جدعان ضعیف ہے۔

② مفضل بن فضالہ ضعیف ہے۔

③ قاسم بن حسن کے حالات زندگی نہیں ملے۔

فتاویٰ امن پوری (قسط ۳۸۸)

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

سوال: سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

قَدِمَ أُنَاسٌ مِنْ عُكْلٍ أَوْ عُرَيْنَةَ، فَاجْتَوَوُا الْمَدِينَةَ فَأَمَرَهُمُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، بِلِقَاحٍ، وَأَنْ يَشْرَبُوا مِنْ أَبْوَالِهَا وَأَلْبَانِهَا فَانْطَلَقُوا، فَلَمَّا صَحُّوا، قَتَلُوا رَاعِيَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَاسْتَاقُوا النَّعَمَ، فَجَاءَ الْخَبَرُ فِي أَوَّلِ النَّهَارِ، فَبَعَثَ فِي آثَارِهِمْ، فَلَمَّا ارْتَفَعَ النَّهَارُ جِيءَ بِهِمْ، فَأَمَرَ فَقَطَعَ أَيْدِيَهُمْ وَأَرْجُلَهُمْ، وَسُمِرَتْ أَعْيُنُهُمْ، وَأُلْقُوا فِي الْحَرَّةِ، يَسْتَسْقُونَ فَلَا يُسْقَوْنَ . قَالَ أَبُو قِلَابَةَ : فَهٰؤُلَاءِ سَرَقُوا وَقَتَلُوا، وَكَفَرُوا بَعْدَ إِيمَانِهِمْ، وَحَارَبُوا اللّٰهَ وَرَسُولَهُ .

”قبیلہ عکل یا عرینہ کے کچھ لوگ آئے، ان کو مدینہ کی آب و ہوا موافق نہ آئی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بیت المال کی اونٹنیوں کے پاس جانے اور ان کا پیشاب اور دودھ پینے کا حکم دیا۔ چنانچہ وہ چلے گئے، جب وہ تندرست ہو گئے تو انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چرواہے کو قتل کر دیا اور اونٹ ہانک کر لے گئے۔ یہ خبر صبح ہی پہنچ گئی، آپ نے ان کے پیچھے صحابہ کو بھیجا، جب دن چڑھ آیا

تو ان کو پکڑ لایا گیا۔ آپ نے حکم دیا اور ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے گئے، ان کی آنکھیں نکال دی گئیں اور ان کو پتھریلی زمین میں پھینک دیا گیا۔ وہ پانی مانگتے تھے لیکن ان کو پانی دیا نہ گیا۔ ابوقلابہ تابعی فرماتے ہیں کہ ان لوگوں کا یہ انجام اس لئے ہوا کہ انہوں نے قتل کیا، چوری کی، ایمان لانے کے بعد مرتد ہوئے اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے خلاف اعلان جنگ کیا۔''

(صحيح البخاري : 233، صحيح مسلم : 1671)

❁ صحیح مسلم کے الفاظ ہیں:

إِنْ شِئْتُمْ أَنْ تَخْرُجُوا إِلٰى إِبِلِ الصَّدَقَةِ، فَتَشْرَبُوا مِنْ أَلْبَانِهَا وَأَبْوَالِهَا .

''اگر آپ چاہیں، تو صدقہ کی اونٹیوں کی طرف جائیں اور ان کا پیشاب اور دودھ (ملا کر) پئیں۔''

جو اہل علم حلال جانوروں کے پیشاب کو ناپاک اور نجس قرار دیتے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ مذکورہ احادیث میں جو اونٹوں کا پیشاب پینے کا حکم دیا گیا ہے، وہ ابتدا میں تھا، بعد میں اسے منسوخ کر دیا گیا۔

❁ علامہ محمد سرفراز خاں صفدر دیوبندی صاحب نے لکھا ہے:

''دوسرا جواب علامہ عینی ہی نے یہ دیا ہے کہ یہ منسوخ ہے اور دلیل نسخ یہ ہے کہ اس میں مثلہ کا ذکر ہے اور بعد میں آپ نے مثلہ سے منع فرما دیا تھا، چنانچہ ابو داؤد (۲/۶) میں روایت ہے: حضرت سمرۃ بن جندب اور عمران بن الحصین فرماتے ہیں: كَانَ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَحُثُّنَا (برانگیختہ کرتے تھے) عَلَى

الصَّدَقَةِ وَيَنْهَانَا عَنِ الْمُثْلَةِ، مَوارِدُ الظَّمْآنِ (٣٦٢)، وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ الْحُصَيْنِ : إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُومُ فِينَا، فَيَأْمُرُ بِالصَّدَقَةِ وَيَنْهَانَا عَنِ الْمُثْلَةِ . انتهى......

(آپ ﷺ ہمیں صدقہ کرنے کی ترغیب دیتے اور مثلہ سے منع کرتے تھے۔ سیدنا عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے درمیان کھڑے ہوتے اور صدقہ کا حکم دیتے اور مثلہ سے منع کرتے تھے)......۔''

(خزائن السنن:1/154-155)

اس بارے میں کیا فرماتے ہیں؟

جواب: حلال جانوروں کا پیشاب نجس نہیں، ماہر طبیب اسے علاج میں استعمال کرے، تو جائز ہے۔ اس حدیث سے اہل علم نے حلال جانوروں کے پاک ہونے کا استدلال کیا ہے، اسے منسوخ قرار دینے کا دعویٰ محتاجِ دلیل ہے۔ احناف اور دیگر فقہا اکثر ایسے بلا دلیل دعوی ہائے نسخ کرتے رہتے ہیں۔

✿ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (۷۲۸ھ) فرماتے ہیں:

نَجِدُ كَثِيرًا مِنْ النَّاسِ مِمَّنْ يُخَالِفُ الْحَدِيثَ الصَّحِيحَ مِنْ أَصْحَابِ أَبِي حَنِيفَةَ أَوْ غَيْرِهِمْ يَقُولُ : هٰذَا مَنْسُوخٌ، وَقَدْ اتَّخَذُوا هٰذَا مَجْنَةً؛ كُلُّ حَدِيثٍ لَا يُوَافِقُ مَذْهَبَهُمْ يَقُولُونَ : هُوَ مَنْسُوخٌ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَعْلَمُوا أَنَّهُ مَنْسُوخٌ وَلَا يُثْبِتُوا مَا الَّذِي نَسَخَهُ .

’’ہم نے بہت سے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے پیروکاروں وغیرہم کو دیکھا ہے، جو صحیح حدیث کی مخالفت یہ کہہ کر کرتے ہیں کہ یہ منسوخ ہے۔ ایسا کرنا انہوں نے اپنا وطیرہ بنالیا ہے۔ ہر وہ حدیث جو ان کے مذہب کے خلاف ہو، اس کے بارے میں کہہ دیتے ہیں کہ یہ منسوخ ہے، حالانکہ انہیں اس کے نسخ کا پتا بھی نہیں ہوتا، نہ وہ دلیل سے اس کا ناسخ ثابت کر سکتے ہیں۔‘‘

(مَجموع الفتاوی: 150/21)

❀ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ امام طحاوی حنفی رحمہ اللہ کے بارے میں کہتے ہیں:

لٰكِنَّهٗ يُكْثِرُ مِنِ ادِّعَاءِ النَّسْخِ بِالِاحْتِمَالِ .

’’محض احتمال کی بنا پر وہ اکثر نسخ کا دعوی کر جاتے ہیں۔‘‘

(فتح الباري: 487/9)

اس حدیث کو امام طحاوی حنفی رحمہ اللہ نے بھی منسوخ نہیں کہا۔

❀ علامہ محمد تقی عثمانی دیوبندی صاحب لکھتے ہیں:

’’تیسرا جواب بعض حضرات نے یہ دیا ہے کہ یہ حدیث منسوخ ہے۔ اس کی ناسخ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اِسْتَنْزِهُوا مِنَ الْبَوْلِ والی حدیث ہے۔ نسخ کی دلیل یہ ہے کہ مؤرخین کی تصریح کے مطابق عرنیین کا یہ واقعہ ۶ ہجری میں پیش آیا اور حدیث اِسْتَنْزِهُوا مِنَ الْبَوْلِ لازماً اس سے مؤخر ہے، کیونکہ اس کے راوی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں، جو ۷ ہجری میں اسلام لائے۔ اس کے علاوہ اسی حدیث میں مذکور ہے کہ آپ نے عرنیین کا مثلہ فرمایا اور مثلہ باتفاق منسوخ ہے۔ لہٰذا ظاہر یہ ہے کہ یہ حکم بھی منسوخ ہوگا۔ لیکن یہ جواب بہتر نہیں، اس

لئے کہ اصول حدیث میں یہ بات طے ہو چکی ہے کہ محض راوی کا متاخر الاسلام ہونا حدیث کے متاخر ہونے کی دلیل نہیں، کیونکہ ہو سکتا ہے کہ حدیث ان کے اسلام لانے سے پہلے کی ہو اور راوی نے اسلام لانے کے بعد کسی اور صحابی سے اسے سن کر روایت کر دیا ہو۔ایسی حدیث کو اصولِ حدیث میں مرسل صحابی کہتے ہیں۔ کتبِ حدیث میں اس کی بہت سی نظائر موجود ہیں۔ لہٰذا حدیث عرنیین کو منسوخ کہنا مشکل ہے......۔"

(درسِ ترمذی:1/291)

ثابت ہوا کہ مذکورہ بالا حدیث کو کسی طور منسوخ قرار دینا درست نہیں۔

فقہائے امت نے اس حدیث سے یہی سمجھا ہے کہ حلال جانوروں کا پیشاب وغیرہ پاک ہوتا ہے، محدثین کے فہم سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث منسوخ نہیں ہے۔

سوال: سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى يَوْمَ خَيْبَرَ عَنْ لُحُومِ الْحُمُرِ، وَأَذِنَ فِي لُحُومِ الْخَيْلِ.

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے روز گدھے کے گوشت سے منع فرمایا اور گھوڑے کے گوشت (کھانے) کی اجازت دی۔"

(صحيح البخاري: 4219، صحيح مسلم: 1941، المنتقى لابن الجارود: 885)

بعض کہتے ہیں کہ خیبر کے موقع پر گھوڑا اس لیے نہیں کھایا کہ وہ حلال تھا، بلکہ اس لیے کھایا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس کھانے کے لیے کچھ نہ تھا، لہٰذا انہوں نے جان بچانے کے لیے گھوڑے کا گوشت کھایا۔

اس بارے میں کیا کہتے ہیں؟

جواب: یہ کہنا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جان بچانے کے لیے گھوڑا کھایا، کیونکہ ان کے پاس کچھ کھانے کے لیے نہیں تھا، بے دلیل بات ہے۔ دیگر روایات سے یہ احتمال بالکل ختم ہو جاتا ہے، کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کئی مرتبہ گھوڑا ذبح کر کے کھایا۔ علمائے امت نے مذکورہ حدیث کو گھوڑے کی حلت پر دلیل بنایا ہے۔

❁ سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

نَحَرْنَا فَرَسًا عَلٰى عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَكَلْنَاهُ .

''ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں گھوڑا ذبح کیا اور اس کا گوشت کھایا۔''

(صحيح البخاري : 5519، صحيح مسلم : 1942)

❁ سنن نسائی (۴۴۲۶، وسندہ صحیح) میں ہے:

نَحْنُ بِالْمَدِينَةِ، فَأَكَلْنَاهُ .

''ہم اس وقت مدینہ میں تھے، ہم نے اسے کھایا۔''

❁ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (۷۷۴ھ) فرماتے ہیں:

هٰذِهٖ أَدَلُّ وَأَقْوٰى وَأَثْبَتُ، وَإِلٰى ذٰلِكَ صَارَ جُمْهُورُ الْعُلَمَاءِ؛ مَالِكٌ، وَالشَّافِعِيُّ، وَأَحْمَدُ، وَأَصْحَابُهُمْ، وَأَكْثَرُ السَّلَفِ وَالْخَلَفِ .

''یہ حدیث زیادہ بہتر دلیل، زیادہ قوی اور زیادہ ثابت ہے، جمہور اہل علم جیسے امام مالک، امام شافعی، امام احمد اور ان کے اصحاب رحمۃ اللہ علیہم اسی طرف گئے ہیں اور اکثر سلف و خلف کا یہی مذہب ہے۔''

(تفسير ابن كثير : 34/4)

❁ سیدہ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما فرماتی ہیں:

كَانَ لَنَا فَرَسٌ عَلٰى عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَرَادَتْ أَنْ تَمُوتَ فَذَبَحْنَاهَا فَأَكَلْنَاهَا .

''رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک میں ہمارا ایک گھوڑا تھا، وہ مرنے لگا، تو ہم نے اسے ذبح کرلیا، پھر اسے کھالیا۔''

(سنن الدّارقطني : 4784، وسندهٗ حسنٌ)

❁ نیز سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا ہی بیان کرتی ہیں:

ذَبَحْنَا فَرَسًا عَلٰى عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَكَلْنَا نَحْنُ وَأَهْلُ بَيْتِهٖ .

''ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں گھوڑا ذبح کیا، پھر ہم نے بھی اسے کھایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت نے بھی۔''

(سنن الدّارقطني : 4786، وسندهٗ حسنٌ)

❁ عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

رَأَيْتُ أَصْحَابَ الْمَسْجِدِ أَصْحَابَ ابْنِ الزُّبَيْرِ يَأْكُلُونَ الْفَرَسَ، وَالْبِرْذَوْنَ قَالَ : وَأَخْبَرَنِي أَبُو الزُّبَيْرِ، أَنَّهٗ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ يَقُولُ : أَكَلْنَا زَمَنَ خَيْبَرَ الْخَيْلَ، وَحَمِيرَ الْوَحْشِ، وَنَهَانَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ أَكْلِ الْحِمَارِ الْأَهْلِيِّ .

''میں نے اس مسجد والوں، یعنی (صحابیٔ رسول) سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ

کے اصحاب کو دیکھا ہے کہ وہ عربی اور عجمی گھوڑا کھاتے تھے، نیز مجھے ابوالزبیر نے بتایا کہ انہوں نے سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کو یہ بیان کرتے ہوئے سنا کہ ہم خیبر کے زمانے میں گھوڑے اور وحشی (جنگلی) گدھے کھاتے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں گھریلو گدھے کھانے سے منع فرمایا تھا۔"

(مصنّف عبد الرزاق : 8737، صحیح مسلم : 1941، وسندہٗ صحیحٌ)

ان احادیث سے تمام اعتراضات رفع ہو جاتے ہیں، کیونکہ اہل بیت عظام اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جب گھوڑے کا گوشت کھایا، اس وقت وہ اضطراری حالت میں نہ تھے۔

✿ علامہ قرطبی رحمہ اللہ (۶۷۱ھ) فرماتے ہیں:

إِنْ قِيلَ : الرِّوَايَةُ عَنْ جَابِرٍ بِأَنَّهُمْ أَكَلُوهَا فِي خَيْبَرَ حِكَايَةُ حَالٍ وَقَضِيَّةٌ فِي عَيْنٍ، فَيُحْتَمَلُ أَنْ يَكُونُوا ذَبَحُوا لِضَرُورَةٍ، وَلَا يُحْتَجُّ بِقَضَايَا الْأَحْوَالِ، قُلْنَا : الرِّوَايَةُ عَنْ جَابِرٍ وَإِخْبَارِهِ بِأَنَّهُمْ كَانُوا يَأْكُلُونَ لُحُومَ الْخَيْلِ عَلٰى عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُزِيلُ ذٰلِكَ الِاحْتِمَالَ، وَلَوْ سَلَّمْنَاهُ فَمَعَنَا حَدِيثُ أَسْمَاءَ قَالَتْ : نَحَرْنَا فَرَسًا عَلٰى عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ بِالْمَدِينَةِ فَأَكَلْنَاهُ، رَوَاهُ مُسْلِمٌ، وَكُلُّ تَأْوِيلٍ مِنْ غَيْرِ تَرْجِيحٍ فِي مُقَابَلَةِ النَّصِّ فَإِنَّمَا هُوَ دَعْوًى، لَا يُلْتَفَتُ إِلَيْهِ وَلَا يُعَرَّجُ عَلَيْهِ، وَقَدْ رَوَى الدَّارَقُطْنِيُّ زِيَادَةً حَسَنَةً تَرْفَعُ كُلَّ تَأْوِيلٍ فِي حَدِيثِ أَسْمَاءَ،

قَالَتْ أَسْمَاءُ : كَانَ لَنَا فَرَسٌ عَلٰى عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَرَادَتْ أَنْ تَمُوتَ فَذَبَحْنَاهَا فَأَكَلْنَاهَا، فَذَبْحُهَا إِنَّمَا كَانَ لِخَوْفِ الْمَوْتِ عَلَيْهَا لَا لِغَيْرِ ذٰلِكَ مِنَ الْأَحْوَالِ .

''اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ خیبر میں گھوڑے کو کھانے والی سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث حکایت حال ہے اور ایک خاص واقعہ ہے۔ممکن ہے کہ صحابہ کرام نے گھوڑے کو ضرورت کی بنا پر ذبح کیا ہو، لہٰذا مخصوص حالات میں پیش آنے والے واقعات سے دلیل نہیں لی جاتی ۔ ہماری طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کی روایت اور یہ بیان کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک میں گھوڑے کا گوشت کھاتے تھے، اس احتمال کو دور کردیتا ہے۔اگر پھر بھی اس احتمال کو تسلیم کرلیا جائے ،تو ہمارے پاس سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے، انہوں نے بیان کیا ہے کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ مبارک میں مدینہ میں ایک گھوڑا ذبح کیا، پھر اسے کھایا، یہ صحیح مسلم کی حدیث ہے۔

نص کے مقابلہ میں بغیر کسی وجہ ترجیح کے کی گئی ہر تاویل محض دعویٰ ہے، جس کی طرف التفات نہیں کیا جائے گا اور اس کا کوئی اعتبار نہ ہوگا۔امام دارقطنی رحمہ اللہ نے اس حدیث میں ایک خوبصورت زیادت بیان کی ہے، جو سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہونے والی ہر تاویل کو ختم کرتی ہے، سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک میں ہمارا ایک گھوڑا تھا، وہ مرنے لگا، تو ہم نے اسے ذبح کرلیا، پھر ہم نے اسے کھایا، چنانچہ اس کو ذبح کرنا صرف اس کے مرنے کے ڈر سے تھا، کسی اور وجہ سے نہ تھا۔''

(تفسير القُرطبي : 76/10)

✿ امام طحاوی حنفی رحمہ اللہ (۳۲۱ھ) فرماتے ہیں:

ذَهَبَ قَوْمٌ إِلٰى هٰذِهِ الْآثَارِ، فَأَجَازُوا أَكْلَ لُحُومِ الْخَيْلِ وَمِمَّنْ ذَهَبَ إِلٰى ذٰلِكَ أَبُو يُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ وَاحْتَجُّوا بِذٰلِكَ بِتَوَاتُرِ الْآثَارِ فِي ذٰلِكَ وَتَظَاهُرِهَا، وَلَوْ كَانَ ذٰلِكَ مَأْخُوذًا مِنْ طَرِيقِ النَّظَرِ لَمَا كَانَ بَيْنَ الْخَيْلِ الْأَهْلِيَّةِ وَالْحُمُرِ الْأَهْلِيَّةِ فَرْقٌ، وَلٰكِنَّ الْآثَارَ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا صَحَّتْ وَتَوَاتَرَتْ أَوْلٰى أَنْ يُقَالَ بِهَا مِنَ النَّظَرِ، وَلَا سِيَّمَا إِذْ قَدْ أَخْبَرَ جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا فِي حَدِيثِهٖ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَبَاحَ لَهُمْ لُحُومَ الْخَيْلِ فِي وَقْتِ مَنْعِهٖ إِيَّاهُمْ مِنْ لُحُومِ الْحُمُرِ الْأَهْلِيَّةِ فَدَلَّ ذٰلِكَ عَلَى اخْتِلَافِ حُكْمِ لُحُومِهِمَا.

''ایک گروہ کا مذہب ان آثار کے مطابق ہے، لہٰذا انہوں نے گھوڑے کے گوشت کو حلال قرار دیا ہے، ان اہل علم میں سے امام ابو یوسف رحمہ اللہ اور محمد بن حسن شیبانی رحمہ اللہ بھی ہیں، ان لوگوں نے ان احادیث کے متواتر ومتظاہر ہونے کی وجہ سے (گھوڑے کی حلت پر) استدلال کیا ہے، اگر یہ معاملہ عقل وقیاس سے طے کیا گیا ہوتا، تو گھریلو گھوڑوں اور گھریلو گدھوں میں کوئی فرق نہ ہوتا، لیکن رسول اللہ ﷺ کی احادیث جب صحیح ثابت ہو جائیں اور تواتر کو پہنچ

جائیں، تو قیاس کرنے سے ان پر عمل کرنا اولیٰ ہے، خصوصاً جب سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما نے ایک حدیث میں بتایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے گھوڑے کے گوشت کو اسی وقت حلال قرار دیا تھا، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے گھریلو گدھے کے گوشت سے منع کیا تھا، اس سے معلوم ہوا کہ ان دونوں کے گوشت میں فرق ہے۔''

(شرح مَعاني الآثار للطّحاوي : 4/210)

سوال: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں):

اِنْتَدَبَ اللّٰهُ لِمَنْ خَرَجَ فِي سَبِيلِهِ، لَا يُخْرِجُهُ إِلَّا إِيمَانٌ بِي وَتَصْدِيقٌ بِرُسُلِي، أَنْ أُرْجِعَهُ بِمَا نَالَ مِنْ أَجْرٍ أَوْ غَنِيمَةٍ، أَوْ أُدْخِلَهُ الْجَنَّةَ .

''جو شخص راہِ خدا میں نکلا، مجھ پر ایمان اور میرے رسولوں کی تصدیق ہی اسے (میری راہ میں) نکلنے پر مجبور کرتی ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کا ذمہ لے لیتا ہے کہ میں اسے اجر وثواب اور مال غنیمت کے ساتھ لوٹاتا ہوں یا اسے (شہادت دے کر) جنت میں داخل کرتا ہوں۔''

(صحيح البخاري : 36، صحيح مسلم : 1876)

اس حدیث میں مال غنیمت حاصل کرنے والوں کی بھی تعریف وستائش ہے اور شہادت کا رتبہ پانے والوں کی بھی۔ جبکہ دوسری حدیث میں ہے کہ جو جماعت غزوہ میں مال غنیمت حاصل کرتی ہے، ان کا اجر دو تہائی کم ہو جاتا ہے۔

❁ سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَا مِنْ غَازِيَةٍ، أَوْ سَرِيَّةٍ، تَغْزُو فَتَغْنَمُ وَتَسْلَمُ، إِلَّا كَانُوا قَدْ تَعَجَّلُوا ثُلُثَيْ أُجُورِهِمْ، وَمَا مِنْ غَازِيَةٍ، أَوْ سَرِيَّةٍ، تُخْفِقُ وَتُصَابُ، إِلَّا تَمَّ أُجُورُهُمْ.

”کوئی بھی چھوٹی بڑی جماعت، جو غزوہ پر جاتی ہے، مال غنیمت حاصل کرتی ہے اور صحیح سلامت لوٹ آتی ہے، وہ اپنے (آخرت کے) اجر و ثواب کا دو تہائی حصہ (دنیا میں ہی) حاصل کر لیتی ہے اور جو چھوٹی بڑی جماعت (غزوہ کرتے ہوئے) کچھ مال غنیمت حاصل نہیں کر پاتی اور مصائب و آلام برداشت کرتی ہے، تو انہیں غزوہ کا مکمل اجر ملتا ہے۔“

(صحيح مسلم : 1906)

ان احادیث کا صحیح مفہوم کیا ہے؟

(جواب): درست اور صحیح بات یہ ہے کہ جو جماعت غزوہ اور معرکہ میں صحیح سلامت لوٹ آتی ہے، مال غنیمت حاصل کرتی ہے اور کسی تکلیف یا مصیبت سے دوچار نہیں ہوتی، ان کا اجر ان لوگوں سے نسبتاً کم ہے، جو غزوہ میں مصائب و آلام کا سامنا کرتے ہیں، شہادت نوش کرتے ہیں یا زخموں اور تھکاوٹوں کی تکالیف اٹھاتے ہیں۔

اس کا مفہوم مندرجہ ذیل حدیث سے بالکل واضح ہو جاتا ہے۔

❁ سیدنا خباب بن ارت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

هَاجَرْنَا مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ نَبْتَغِي وَجْهَ اللّٰهِ فَوَجَبَ أَجْرُنَا عَلَى اللّٰهِ فَمِنَّا مَنْ مَضَى لَمْ

يَأْكُلْ مِنْ أَجْرِهِ شَيْئًا مِّنْهُمْ مُصْعَبُ بْنُ عُمَيْرٍ قُتِلَ يَوْمَ أُحُدٍ فَلَمْ يُوجَدْ لَهُ شَيْءٌ يُكَفَّنُ فِيهِ إِلَّا نَمِرَةٌ فَكُنَّا إِذَا وَضَعْنَاهَا عَلٰى رَأْسِهِ خَرَجَتْ رِجْلَاهُ وَإِذَا وَضَعْنَاهَا عَلٰى رِجْلَيْهِ خَرَجَ رَأْسُهُ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : ضَعُوهَا مِمَّا يَلِي رَأْسَهُ وَاجْعَلُوا عَلٰى رِجْلَيْهِ مِنَ الْإِذْخَرِ، وَمِنَّا مَنْ أَيْنَعَتْ لَهُ ثَمَرَتُهُ فَهُوَ يَهْدِبُهَا .

”ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اللہ کی راہ میں رضائے الٰہی کے حصول کے لیے ہجرت کی، چنانچہ ہمارا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمہ واجب ہو گیا، ہم میں سے کچھ تو اس طرح فوت ہو گئے کہ انہوں نے (دنیا میں) اپنے اجر کا کچھ بھی حصہ حاصل نہیں کیا، سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ بھی انہی میں شامل ہیں، جو جنگ احد میں شہید ہوئے، تو انہیں کفن دینے کے لیے ایک دھاری دار چادر کے علاوہ کوئی چیز نہ ملی، اگر ہم وہ چادر آپ کے سر پر ڈالتے، تو پاؤں ننگے ہو جاتے اور اگر پاؤں پر ڈالتے، تو سر ننگا ہو جاتا۔ (یہ صورت حال دیکھ کر) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: چادر سر کی طرف ڈال دو اور پاؤں پر اذخر گھاس ڈال دو۔ ہم میں سے کچھ ایسے ہیں، جن کا پھل پک چکا ہے اور وہ اسے کاٹ رہے ہیں۔“

(صحيح البخاري : 1276، صحيح مسلم : 940، المُنتقٰى لابن الجارود : 522)

سوال: سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

رَمَقْتُ الصَّلَاةَ مَعَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَوَجَدْتُ

قِيَامَهُ فَرَكْعَتَهُ، فَاعْتِدَالَهُ بَعْدَ رُكُوعِهِ، فَسَجْدَتَهُ، فَجَلْسَتَهُ بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ، فَسَجْدَتَهُ، فَجَلْسَتَهُ مَا بَيْنَ التَّسْلِيمِ وَالْانْصِرَافِ، قَرِيبًا مِّنَ السَّوَاءِ .

”میں نے محمد کریم ﷺ کی نماز کو بغور دیکھا، تو میں نے آپ ﷺ کا قیام کرنے، رکوع کرنے، رکوع کے بعد سیدھا کھڑا ہونے، سجدہ کرنے، دو سجدوں کے درمیان بیٹھنے اور سلام اور اٹھنے کے درمیان فاصلے کو قریب برابر پایا۔“

(صحیح البخاري : 792، صحیح مسلم : 471، واللّفظ لهٗ)

اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ مذکورہ تمام ارکان کا فاصلہ تقریباً برابر ہوتا تھا، جبکہ دیگر احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نماز فجر میں ساٹھ سے سو آیات کی قرأت کرتے تھے، جبکہ دیگر ارکان کو اتنا طویل کرنا ثابت نہیں۔

اس اشکال کا کیا جواب ہے؟

جواب: نبی کریم ﷺ تمام احوال میں ان ارکان کی ادائیگی میں برابر وقت نہیں لگاتے تھے، بلکہ مختلف احوال میں آپ ﷺ کا عمل مختلف تھا۔ سیدنا براء رضی اللہ عنہ نے بعض احوال کا عمل بیان کیا ہے، نیز ایسا اکثر آپ ﷺ نفل نماز میں کرتے تھے۔

❀ سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک رات نبی کریم ﷺ کے ساتھ تہجد ادا کی۔ آپ ﷺ نے قیام کے برابر سجدہ کیا اور یہ دعا پڑھی:

سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلٰى .

”پاک ہے میرا رب، جو سب سے بلند ہے۔“

(صحيح مسلم : 772)

سوال: سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ يَوْمَ الْفِطْرِ فَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ لَمْ يُصَلِّ قَبْلَهَا وَلَا بَعْدَهَا .

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عیدالفطر کے دن باہر تشریف لائے، دو رکعات (نماز عید) ادا کی، نہ ان سے پہلے کوئی نماز ادا کی اور نہ بعد میں۔''

(صحيح البخاري : 989، صحيح مسلم : 884، المُنتقٰى لابن الجارود : 261)

اس حدیث میں ہے کہ نماز عید سے پہلے نفل نماز نہیں۔ اگر نماز عید مسجد میں ادا کی جائے، تو کیا مسجد میں داخل ہونے پر تحیۃ المسجد ادا کیے جا سکتے ہیں، کیونکہ مسجد میں داخل ہونے پر تحیۃ المسجد مشروع و مستحب ہیں۔

❀ سیدنا ابو قتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِذَا دَخَلَ أَحَدُكُمُ الْمَسْجِدَ، فَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ أَنْ يَّجْلِسَ .

''مسجد میں داخل ہوں، تو بیٹھنے سے پہلے دو رکعت ادا کر لیں۔''

(صحيح البخاري : 444، صحيح مسلم : 714)

❀ ایک روایت میں ہے:

لَا يَجْلِسْ حَتّٰى يَرْكَعَ رَكْعَتَيْنِ .

''اس وقت تک نہ بیٹھیے، جب تک دو رکعت نہ پڑھ لیں۔''

(صحيح البخاري : 444، صحيح مسلم : 714)

اس تعارض اور اشکال کا کیا جواب ہے؟

(جواب): اگر نماز عید مسجد میں ادا کی جائے، تو مسجد میں داخل ہونے پر تحیۃ المسجد ادا کیے جا سکتے ہیں، کیونکہ تحیۃ المسجد سببی نماز ہے، جو مسجد میں داخل ہونے پر مشروع ہوتی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے نماز عید سے پہلے نفل ادا نہیں کیے، کیونکہ آپ ﷺ نے ہمیشہ نماز عید صحرا اور عید گاہ میں ادا کی۔ اس لیے نماز عید سے پہلے نفل مشروع نہیں، لیکن اگر کسی دوسرے سبب مثلاً تحیۃ المسجد کی وجہ سے دو نفل مشروع ہو جائیں، تو انہیں ادا کیا جا سکتا ہے۔

(سوال): سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

نَهَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُصَلِّيَ الرَّجُلُ فِي الثَّوْبِ الْوَاحِدِ لَيْسَ عَلٰى عَاتِقِهٖ مِنْهُ شَيْءٌ.

”نبی کریم ﷺ نے منع کیا ہے کہ کوئی شخص ایک کپڑے میں اس طرح نماز پڑھے کہ اس کے کندھے پر کپڑے کا کچھ حصہ بھی نہ ہو۔“

(صحيح البخاري : 359، صحيح مسلم : 516، المُنتقٰى لابن الجارود : 171)

اس حدیث کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز میں کندھے ڈھانپنا ضروری ہیں، جبکہ اس کے معارض حدیث میں ہے:

❁ عبادہ بن ولید رحمہ اللہ کہتے ہیں:

خَرَجْتُ أَنَا وَأَبِي حَتّٰى أَتَيْنَا جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُما فِي مَسْجِدِهٖ، وَذَكَرَ بَعْضَ الْحَدِيثِ، قَالَ : وَقَامَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي، فَكَانَتْ عَلَيَّ بُرْدَةٌ ذَهَبْتُ أَنْ أُخَالِفَ بَيْنَ طَرَفَيْهَا فَلَمْ تَبْلُغْ لِي، وَكَانَتْ لَهَا ذَبَاذِبُ

فَنَكَّسْتُهَا، ثُمَّ خَالَفْتُ بَيْنَ طَرَفَيْهَا، ثُمَّ تَوَاقَصْتُ عَلَيْهَا، فَجِئْتُ فَقُمْتُ عَنْ يَّسَارِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَخَذَ بِيَدِي فَأَدَارَنِي حَتّٰى أَقَامَنِي عَنْ يَّمِينِهٖ، وَجَاءَ جَبَّارُ بْنُ صَخْرٍ، فَتَوَضَّأَ ثُمَّ جَاءَ، فَقَامَ عَنْ يَّسَارِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَخَذْنَا بِيَدَيْهِ جَمِيعًا، فَدَفَعَنَا حَتّٰى أَقَامَنَا خَلْفَهٗ، فَجَعَلَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرْمُقُنِي وَأَنَا لَا أَشْعُرُ، ثُمَّ فَطِنْتُ، فَقَالَ : هٰكَذَا بِيَدِهٖ يَعْنِي شُدَّ وَسَطَكَ، فَلَمَّا فَرَغَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : يَا جَابِرُ، قُلْتُ : لَبَّيْكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ قَالَ : إِذَا كَانَ وَاسِعًا فَخَالِفْ بَيْنَ طَرَفَيْهِ، وَإِذَا كَانَ ضَيِّقًا فَاشْدُدْهُ عَلٰى حِقْوِكَ.

''میں اور میرے والد ایک دن سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کے پاس ان کی مسجد میں آئے، حدیث بیان کرتے ہوئے انہوں نے بتایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لیے کھڑے ہوئے، میرے اوپر دھاری دار چادر تھی۔ میں اس کے کنارے الٹنے لگا (تا کہ گردن سے باندھ لوں) لیکن وہ وہاں تک نہ پہنچ سکی، اس کے پھندنے تھے، میں نے اسے الٹ کر اس کے کناروں کو مخالف سمت کر لیا، میں نے اسے (گرنے سے بچانے کے لیے) گردن سے روکے رکھا، پھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بائیں جانب آ کر کھڑا ہو گیا، تو آپ نے میرے ہاتھ سے پکڑ کر مجھے گھمایا اور اپنی دائیں جانب کھڑا کر دیا، اتنے میں سیدنا جبار بن

صخر رضی اللہ عنہ آئے اور وضو کر کے رسول اللہ ﷺ کی بائیں جانب کھڑے ہو گئے۔ آپ نے اپنے ہاتھوں سے پکڑ کر ہمیں دھکیلا اور اپنے پیچھے کھڑا کر دیا، رسول اللہ ﷺ مسلسل مجھے دیکھ رہے تھے، لیکن مجھے پتہ نہ چلا، پھر مجھے پتہ چلا، تو آپ ہاتھ (کے اشارے) سے کہہ رہے تھے: ایسے کرو، یعنی درمیان میں باندھ لیں۔ جب رسول اللہ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: جابر! عرض کیا: اللہ کے رسول! حاضر ہوں، فرمایا: جب کپڑا وسیع ہو، تو دایاں کنارہ بائیں کندھے پر اور بایاں کنارہ دائیں کندھے پر ڈال لیا کریں اور اگر تنگ ہو، تو اسے کمر پر باندھ لیا کریں۔''

(صحیح مسلم: 3008، المُنتقٰی لابن الجارود: 172)

جواب: نماز میں کندھے ڈھانپنا مستحب اور مستحسن ہے، ممانعت والی حدیث نہی تنزیہی پر محمول ہے۔ اس سے تمام احادیث میں جمع وتوفیق ہو جائے گی۔

سوال: سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَنْ أَكَلَ الْبَصَلَ وَالثُّومَ وَالْكُرَّاثَ فَلَا يَقْرَبَنَّ مَسْجِدَنَا، فَإِنَّ الْمَلَائِكَةَ تَتَأَذّٰى مِمَّا يَتَأَذّٰى مِنْهُ بَنُو آدَمَ.

''جس نے پیاز، لہسن یا گیندنا (بدبودار سبزی) کھایا، وہ ہماری مسجد کے قریب نہ پھٹکے، کیونکہ جس چیز سے انسان اذیت محسوس کرتے ہیں، اس سے فرشتے بھی اذیت محسوس کرتے ہیں۔'' (صحیح مسلم: 564)

بعض نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ کچا لہسن اور پیاز کھا کر مسجد آنے کی ممانعت صرف مسجد نبوی کے ساتھ خاص ہے، کسی دوسری مسجد میں کچا پیاز اور لہسن کھا کر آنا

ممنوع نہیں، کیونکہ اس میں نبی کریم ﷺ نے «مَسْجِدَنَا» ''ہماری مسجد'' فرمایا ہے، جس سے مسجد نبوی مراد ہے۔

اس اشکال کا کیا جواب ہے؟

جواب: کچا لہسن اور پیاز کھا کر مسجد آنے کی ممانعت تمام مساجد کے لیے ہے، اسے بلا دلیل مسجد نبوی کے ساتھ خاص کرنا درست نہیں۔

اگر اس مضمون کی دیگر روایات پر غور کیا جائے، تو اشکال رفع ہو جاتا ہے، کیونکہ نبی کریم ﷺ نے غزوہ خیبر میں بھی کچا لہسن اور پیاز کھا کر مسجد آنے سے منع فرمایا تھا اور یہ بات تو طے ہے کہ غزوہ خیبر کے موقع پر مسلمان مسجد نبوی میں نماز پڑھنے نہیں آتے تھے۔

❁ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے غزوہ خیبر کے موقع پر فرمایا:

مَنْ أَكَلَ مِنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ، يَعْنِي الثُّومَ، فَلَا يَقْرَبَنَّ مَسْجِدَنَا .

''جس نے (کچا) تھوم کھایا، وہ (نماز کے لیے) ہماری مسجد کے قریب نہ پھٹکے۔''

(صحيح البخاري : 853، صحيح مسلم :561)

بعض روایات میں «مَسْجِدَنَا» ''ہماری مسجد'' کے بجائے «مَسَاجِدَنَا» ''ہماری مساجد'' کے الفاظ بھی وارد ہیں، جس سے مسجد نبوی کی تخصیص کا دعویٰ زائل ہو جاتا ہے۔

❁ سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَنْ أَكَلَ مِنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ، يُرِيدُ الثُّومَ، فَلَا يَغْشَانَا فِي مَسَاجِدِنَا .

''جس نے (کچا) تھوم کھایا، وہ (نماز کے لیے) ہماری مساجد میں نہ آئے۔''

(صحيح البخاري : 854، صحيح مسلم : 564)

«مَسْجِدَنَا» ''ہماری مسجد'' اگرچہ واحد کا صیغہ ہے، مگر کبھی واحد کا صیغہ جنس پر بھی بولا جاتا ہے، اس پر سہاگہ یہ ہے کہ دیگر روایات میں جمع کا لفظ وارد ہوا ہے۔

مزید یہ کہ مسجد میں کچا لہسن اور پیاز کھا کر آنے کی ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ کچے لہسن اور پیاز سے منہ میں بدبو پیدا ہو جاتی ہے، جو مسجد میں آنے والے فرشتوں اور لوگوں کے لیے باعث اذیت ہوتی ہے، جیسا کہ حدیث بالا میں ہے۔

معلوم ہوا کہ ممانعت کی علت لوگوں اور فرشتوں کا اذیت محسوس کرنا ہے۔ لوگ اور فرشتے ہر مسجد میں حاضر ہوتے ہیں، لہٰذا ممانعت بھی ہر مسجد کے لیے ہے۔

❀ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

يَتَعَاقَبُونَ فِيكُمْ مَلَائِكَةٌ بِاللَّيْلِ وَمَلَائِكَةٌ بِالنَّهَارِ، وَيَجْتَمِعُونَ فِي صَلَاةِ الْفَجْرِ وَصَلَاةِ الْعَصْرِ، ثُمَّ يَعْرُجُ الَّذِينَ بَاتُوا فِيكُمْ، فَيَسْأَلُهُمْ، وَهُوَ أَعْلَمُ بِهِمْ : كَيْفَ تَرَكْتُمْ عِبَادِي؟ فَيَقُولُونَ : تَرَكْنَاهُمْ وَهُمْ يُصَلُّونَ، وَأَتَيْنَاهُمْ وَهُمْ يُصَلُّونَ .

''رات اور دن کے فرشتے آپ کے پاس آتے جاتے رہتے ہیں۔ فجر اور عصر کی نماز میں وہ اکٹھے ہو جاتے ہیں، پھر رات کو آپ کے ساتھ رہنے والے فرشتے اوپر چڑھ جاتے ہیں، اللہ ان سے پوچھتا ہے، گو کہ وہ ان سے بہتر جانتا ہوتا ہے، میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑ آئے؟ عرض کرتے ہیں: ہم ان کے پاس گئے تھے، تو وہ نماز میں مشغول تھے اور جب ان کو چھوڑ کر آئے ہیں، تب بھی نماز ادا کر رہے تھے۔''

(صحيح البخاري : 7429، صحيح مسلم : 632)

فتاویٰ امن پوری (قسط ۳۹۰)

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

سوال: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهُ إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ وَّقُرْآنٌ مُّبِينٌ﴾

(یٰس : ٦٩)

''ہم نے نبی کو شعر نہیں سکھائے اور نہ یہ ان کے شایان شان ہے۔ یہ تو نصیحت ہے اور قرآن مبین ہے۔''

اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ شاعر ہونا نبی کریم ﷺ کے شایان شان نہیں، لیکن احادیث میں ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے کئی اشعار کہے ہیں۔

❁ سیدنا سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْخَنْدَقِ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : اَللّٰهُمَّ لَا عَيْشَ إِلَّا عَيْشُ الْآخِرَةِ، فَاغْفِرْ لِلْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ .

''ہم نبی کریم ﷺ کے ہمراہ خندق میں تھے اور آپ ﷺ فرما رہے تھے: اللہ! حیات وہی ہے، جو آخرت کی ہے، تو مہاجرین وانصار کی مغفرت فرما۔''

(صحيح البخاري : 4098، صحيح مسلم : 1804)

❀ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَللّٰهُمَّ إِنَّ الْخَيْرَ خَيْرُ الْآخِرَة فَأَصْلِحِ الْأَنْصَارَ وَالْمُهَاجِرَةَ.

”اللہ! اصل بھلائی تو آخرت میں ہے، مہاجرین وانصار کی اصلاح فرما۔“

(صحيح البخاري : 6413، صحيح مسلم : 1805)

قرآنی آیت اور احادیث مبارکہ کا کیا مفہوم ہے؟

(جواب): اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی اور رسول بنایا ہے، شاعر نہیں بنایا، نہ ہی شعر کہنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جبلت اور فطرت ہے۔ بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو بھی قرآنی آیات سناتے ہیں، وہ من جانب اللہ ہیں۔ قرآن کریم منظوم کلام نہیں ہو سکتا، کیونکہ شعر گوئی میں عموماً مبالغہ آرائی اور باطل کا سہارا لیا جاتا ہے، قرآن میں حرف بہ حرف حق اور سچ ہے۔

باقی جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض اشعار اور منظوم کلام کیا ہے، وہ اتفاقی اور غیر ارادی طور پر کیا ہے، نیز یہ حق پر مبنی اشعار ہیں، ان میں مبالغہ اور باطل بات شامل نہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اصل منصب شعر گوئی یا عربی ادب نہ تھا، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے نبی اور رسول تھے، اس سے بڑا منصب کوئی نہیں۔

فائدہ:

❀ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

مَا جَمَعَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْتَ شِعْرٍ قَطُّ، إِلَّا بَيْتًا وَاحِدًا.

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی شعر کے دو مصرعے نہیں کہے۔“

(السّنن الكُبرىٰ للبَيْهقي : 34/7)

روایت ضعیف و منکر ہے۔

① ابو محمد عبد اللہ بن ہلال ضریر کے حالات زندگی نہیں ملے۔

② سفیان بن عیینہ کا عنعنہ ہے۔

③ زہری کا عنعنہ ہے۔

✿ حافظ بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

فِيهِمْ مَنْ يُجْهَلُ حَالُهٗ.

”سند کے راویوں میں مجہول الحال راوی ہے۔“

(السّنن الکُبریٰ: 34/7)

✿ حافظ مزی رحمہ اللہ نے اس روایت کو ”منکر“ کہا ہے۔

(تفسیر ابن کثیر: 590/6)

سوال: سیدنا حذیفہ بن اسید غفاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ہاں تشریف لائے، ہم آپس میں مذاکرہ کر رہے تھے، آپ نے پوچھا: کیا مذاکرہ چل رہا ہے؟ حاضرین نے عرض کیا: قیامت کے متعلق گفتگو کر رہے ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّهَا لَنْ تَقُومَ حَتّٰى تَرَوْنَ قَبْلَهَا عَشْرَ آيَاتٍ، فَذَكَرَ الدُّخَانَ، وَالدَّجَّالَ، وَالدَّابَّةَ، وَطُلُوعَ الشَّمْسِ مِنْ مَغْرِبِهَا، وَنُزُولَ عِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَيَأَجُوجَ وَمَأْجُوجَ، وَثَلَاثَةَ خُسُوفٍ؛ خَسْفٌ بِالْمَشْرِقِ، وَخَسْفٌ بِالْمَغْرِبِ، وَخَسْفٌ بِجَزِيرَةِ الْعَرَبِ، وَآخِرُ ذٰلِكَ نَارٌ تَخْرُجُ مِنَ الْيَمَنِ، تَطْرُدُ النَّاسَ إِلٰى مَحْشَرِهِمْ.

”قیامت تب تک قائم نہیں ہوگی، جب تک دس نشانیاں ظاہر نہ ہو جائیں، پھر آپ ﷺ نے دھواں، دجال، دابۃ الارض، سورج کا مغرب سے طلوع ہونا، نزول عیسیٰ، یاجوج ماجوج کا خروج، تین مقامات سے خسف (زمین کا نیچے دھنس جانا)، مشرق کا خسف، مغرب کا خسف، جزیرہ عرب کا خسف اور ان سب سے آخری نشانی یہ ہے کہ یمن سے آگ نکلے گی، جو لوگوں کو ان کے محشر کی طرف ہانک لائے گی۔“

(صحيح مسلم: 2901)

❁ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ مِنْ مَغْرِبِهَا .

”اس وقت تک قیامت قائم نہ ہوگی، جب تک سورج مغرب سے طلوع نہ ہو جائے۔“

(صحيح البخاري : 6506، صحيح مسلم : 157)

❁ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

بَادِرُوا بِالْأَعْمَالِ سِتًّا؛ طُلُوعَ الشَّمْسِ مِنْ مَغْرِبِهَا، أَوِ الدُّخَانَ، أَوِ الدَّجَّالَ، أَوِ الدَّابَّةَ، أَوْ خَاصَّةَ أَحَدِكُمْ أَوْ أَمْرَ الْعَامَّةِ .

”چھ چیزوں کے ظاہر ہونے سے پہلے پہلے اعمال میں جلدی کر لیں: ① سورج کا مغرب سے طلوع ہونا ② دھوئیں کا ظاہر ہونا ③ دجال کا خروج ④ دابۃ الارض (زمین سے جانور) کا نکلنا ⑤ موت طاری ہونا ⑥ قیامت قائم ہونا۔“

(صحيح مسلم : 2947)

ملحدین کہتے ہیں کہ سورج مغرب سے طلوع نہیں ہو سکتا، کیونکہ سورج کے طلوع

ہونے کا محل مشرق ہے، نہ کہ مغرب۔

اس بارے میں کیا فرماتے ہیں؟

(جواب): قیامت کی نشانیوں میں سے ایک بڑی نشانی سورج کا مغرب سے طلوع ہونا ہے۔اس بارے میں متواتر احادیث وارد ہوئی ہیں۔

❀ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے سورج کے مغرب سے طلوع ہونے پر وارد احادیث کو ''متواتر'' کہا ہے۔

(البداية والنّهاية : 263/19)

اللہ تعالیٰ ساری کائنات کا خالق و مالک ہے، اس کے لیے سورج کو مغرب سے طلوع کرنا بڑی بات نہیں، جو مالک سورج کو مشرق سے طلوع کرنے پر قادر ہے، وہ مغرب سے طلوع کرنے پر بھی قادر ہے۔

سورج کا مغرب سے طلوع ہونے ان لوگوں کے لیے باعث عبرت ہوگا، جو سورج کی عبادت کرتے ہیں، اسے معبود اور مشکل کشا سمجھتے ہیں، جب وہ اپنے معبود میں تصرف ہوتا دیکھیں گے، تو جان لیں گے کہ سورج کا بھی خالق اور مالک ہے، جو سورج جیسی بڑی مخلوق پر بھی تصرف کرسکتا ہے۔ یہ سب دیکھ کر کئی کفار و مشرکین ایمان قبول کریں گے، مگر اب بہت دیر ہو چکی ہوگی، اب ان کی توبہ اور ایمان قبول نہ ہوگا۔

❀ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا أَنْ تَأْتِيَهُمُ الْمَلَائِكَةُ أَوْ يَأْتِيَ رَبُّكَ أَوْ يَأْتِيَ بَعْضُ آيَاتِ رَبِّكَ يَوْمَ يَأْتِي بَعْضُ آيَاتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا إِيمَانُهَا لَمْ تَكُنْ آمَنَتْ مِنْ قَبْلُ أَوْ كَسَبَتْ فِي إِيمَانِهَا خَيْرًا

قُلِ انْتَظِرُوا إِنَّا مُنْتَظِرُونَ﴾(الأنعام : ١٥٨)

''وہ صرف اس بات کا انتظار کرتے ہیں کہ ان کے پاس فرشتے (عذاب لے کر) آئیں یا تیرا رب یا تیرے رب کی کوئی نشانی آ جائے۔ جس دن آپ کے رب کی کوئی نشانی آ جائے گی، اس دن کسی کو اس کا ایمان فائدہ نہ دے گا، جو اس سے پہلے ایمان نہیں لایا ہوگا یا اس نے اپنے ایمان میں کوئی نیکی نہ کی ہو گی۔ (اے نبی!) کہہ دیجئے کہ تم بھی انتظار کرو، ہم بھی انتظار کر رہے ہیں۔''

❀ سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

أَتَدْرُونَ أَيْنَ تَذْهَبُ هٰذِهِ الشَّمْسُ؟ قَالُوا : اَللّٰهُ وَرَسُولُهٗ أَعْلَمُ قَالَ : إِنَّ هٰذِهٖ تَجْرِي حَتّٰى تَنْتَهِيَ إِلٰى مُسْتَقَرِّهَا تَحْتَ الْعَرْشِ، فَتَخِرُّ سَاجِدَةً، فَلَا تَزَالُ كَذٰلِكَ حَتّٰى يُقَالَ لَهَا : ارْتَفِعِي، ارْجِعِي مِنْ حَيْثُ جِئْتِ، فَتَرْجِعُ فَتُصْبِحُ طَالِعَةً مِنْ مَطْلِعِهَا، ثُمَّ تَجْرِي حَتّٰى تَنْتَهِيَ إِلٰى مُسْتَقَرِّهَا تَحْتَ الْعَرْشِ، فَتَخِرُّ سَاجِدَةً، وَلَا تَزَالُ كَذٰلِكَ حَتّٰى يُقَالَ لَهَا : ارْتَفِعِي، ارْجِعِي مِنْ حَيْثُ جِئْتِ، فَتَرْجِعُ فَتُصْبِحُ طَالِعَةً مِنْ مَطْلِعِهَا، ثُمَّ تَجْرِي لَا يَسْتَنْكِرُ النَّاسُ مِنْهَا شَيْئًا حَتّٰى تَنْتَهِيَ إِلٰى مُسْتَقَرِّهَا ذَاكَ تَحْتَ الْعَرْشِ، فَيُقَالُ لَهَا : ارْتَفِعِي أَصْبِحِي طَالِعَةً مِّنْ مَغْرِبِكِ، فَتُصْبِحُ طَالِعَةً مِّنْ مَغْرِبِهَا، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : أَتَدْرُونَ مَتٰى ذَاكُمْ؟

ذَاكَ حِينَ : ﴿لَا يَنْفَعُ نَفْسًا إِيمَانُهَا لَمْ تَكُنْ آمَنَتْ مِنْ قَبْلُ أَوْ كَسَبَتْ فِي إِيمَانِهَا خَيْرًا﴾(الأنعام : ۱۵۸)

''کیا آپ جانتے ہیں کہ یہ سورج کہاں جاتا ہے؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا: یہ سورج چلتا رہتا ہے، یہاں تک کہ عرش کے نیچے اپنے ٹھکانے پر پہنچ جاتا ہے، وہاں سجدے میں گر جاتا ہے اور اسی حالت میں ہی رہتا ہے، تا آنکہ اسے کہا جاتا ہے: اٹھو اور جہاں سے آئے ہو، وہیں واپس چلے جاؤ۔ سورج واپس ہو جاتا ہے اور صبح کے وقت اپنے طلوع ہونے والی جگہ سے طلوع ہوتا ہے۔ پھر چلتا رہتا ہے، یہاں تک کہ عرش کے نیچے اپنے ٹھکانے پر پہنچ جاتا ہے، سجدے میں گر جاتا ہے اور سجدے میں ہی رہتا ہے، یہاں تک کہ اسے کہا جاتا ہے: اٹھو اور اسی جگہ واپس چلے جاؤ، جہاں سے آئے تھے، سورج لوٹ جاتا ہے اور صبح کے وقت اپنے طلوع ہونے والی جگہ سے طلوع ہوتا ہے۔ پھر چلتا رہتا ہے، لوگوں کو اس میں کوئی بات عجیب نہیں لگتی، یہاں تک کہ (قرب قیامت) سورج عرش کے نیچے اپنے اسی ٹھکانے پر پہنچ جائے۔ پھر اسے کہا جائے گا: اٹھو اور صبح مغرب سے طلوع ہونا، تو وہ صبح مغرب سے طلوع ہوگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جانتے ہیں کہ یہ کب ہوگا؟ اس وقت جب: ﴿لَا يَنْفَعُ نَفْسًا إِيمَانُهَا لَمْ تَكُنْ آمَنَتْ مِنْ قَبْلُ أَوْ كَسَبَتْ فِي إِيمَانِهَا خَيْرًا﴾ ''کسی کو اس کا ایمان لانا فائدہ نہ دے گا، جو اس سے پہلے ایمان نہیں لایا ہوگا یا اس نے اپنے ایمان میں کوئی نیکی نہ کی ہوگی۔''

(صحيح البخاري : 7424، صحيح مسلم : 159)

سوال: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ﴾ (آل عمران : 110)

”تم بہترین امت ہو، لوگوں کے لئے نکالے گئے ہو۔“

جو لوگ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے منکر ہیں، وہ مذکورہ آیت سے استدلال کرتے ہوئے اعتراض کرتے ہیں کہ اگر اس امت کے لئے ہادی کسی دوسری امت ہی سے بھیجا جانا تھا، تو ہماری امت ”خیر“ کیونکر ہوئی؟

جواب: یہ ایک دھوکہ ہے، یا ایک شبہ، سیدنا عیسیٰ علیہ السلام ہوں گے تو نبی، لیکن امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں ایک امتی بن کر نازل ہوں گے، آپ بنی اسرائیل کے لئے نبی تھے، لیکن اس امت کے ایک فرد کی حیثیت سے نازل ہوں گے۔ یہ چیز امت کے خیر ہونے کے منافی ہرگز نہیں، بلکہ امت کا اعزاز ہے کہ سابقہ امتوں کا ایک نبی بھی اس امت کا ایک فرد ہے۔

اُمت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی افضلیت کا اقرار سیدنا عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام بھی کریں گے۔

❀ سیدنا جابر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا:

لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي يُقَاتِلُونَ عَلَى الْحَقِّ ظَاهِرِينَ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ، قَالَ : فَيَنْزِلُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَيَقُولُ أَمِيرُهُمْ : تَعَالَ صَلِّ لَنَا، فَيَقُولُ : لَا، إِنَّ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ أُمَرَاءُ تَكْرِمَةَ اللّٰهِ هٰذِهِ الْأُمَّةَ .

”میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ حق کے لیے لڑتا رہے گا اور قیامت تک حق پر قائم رہے گا۔ نیز عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں گے اور اس طائفہ (گروہ) کے امیر

(مہدی) کہیں گے: آیئے! ہمیں نماز پڑھایئے، آپ فرمائیں گے: نہیں، آپ لوگ ایک دوسرے کے امیر وامام ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس امت پر اعزاز واکرام ہے۔"

(صحيح مسلم: 156)

❁ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

يَنْزِلُ عِيسَى بْنُ مَرْيَمَ فَيَقُولُ أَمِيرُهُمُ الْمَهْدِيُّ : تَعَالَ صَلِّ بِنَا فَيَقُولُ : لَا، إِنَّ بَعْضَهُمْ أَمِيرُ بَعْضٍ تَكْرِمَةُ اللّٰهِ لِهٰذِهِ الْأُمَّة .

"عیسیٰ بن مریم علیہما السلام نازل ہوں گے، تو مسلمانوں کے امیر مہدی کہیں گے: آیئے، ہمیں نماز پڑھایئے، تو عیسیٰ علیہ السلام فرمائیں گے: نہیں، آپ ایک دوسرے کے امیر ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس امت کا اعزاز ہے۔"

(المَنار المُنيف لابن القيم، ص 147، وسندهٗ حسنٌ)

❁ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

هٰذَا إِسْنَادٌ جَيِّدٌ .

"یہ سند جید (حسن) ہے۔"

(المَنار المُنيف، ص 148)

سوال: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿قَالُوا رَبَّنَا أَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَأَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ﴾

"(کفار) کہیں گے: ہمارے رب! تو نے ہمیں دو زندگیاں اور دو موتیں دیں۔"

❁ اس آیت کی تفسیر بالقرآن یہ ہے:

﴿كَيْفَ تَكْفُرُونَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ أَمْوَاتًا فَأَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ﴾(البقرة : 28)

"تم اللہ کے ساتھ کفر کیسے کر سکتے ہو، جبکہ (پہلے) تم مردہ تھے، اس نے تمہیں زندہ کیا، پھر مارے گا، پھر زندہ کرے گا، پھر اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔"

جو لوگ عذاب قبر کے منکر ہیں، وہ ان آیات سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہر انسان کو دو مرتبہ زندگی ملتی ہے اور دو مرتبہ موت آتی ہے، قرآن نے یہی ثابت کیا ہے، لہٰذا اگر یہ مانا جائے کہ قبر میں روح لوٹائی جاتی ہے اور سوال و جواب ہوتے ہیں، تو اس اعتبار سے ہر انسان کی تین زندگیاں اور تین موتیں بنتی ہیں، لہٰذا مذکورہ آیات کی رو سے عذاب قبر نہیں ہوتا۔

اس اشکال کا کیا جواب ہے؟

(جواب): مذکورہ آیت میں دو زندگیوں اور دو موتوں سے مراد یہ ہے کہ ماں کے پیٹ میں حالت نطفہ میں ہر کوئی مردہ تھا، پھر اللہ تعالیٰ نے ایک عرصہ کے بعد اس میں روح پھونکی اور اسے زندہ کر دیا، پھر زندگی کا ایک عرصہ گزارنے کے بعد اسے موت دی، پھر روز قیامت اسے دوبارہ زندہ کرے گا۔

❀ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ (۷۵۱ھ) فرماتے ہیں:

كَانُوا أَمْوَاتًا وَّهُمْ نُطَفٌ فِي أَصْلَابِ آبَائِهِمْ وَفِي أَرْحَامِ أُمَّهَاتِهِمْ ثُمَّ أَحْيَاهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ ثُمَّ أَمَاتَهُمْ ثُمَّ يُحْيِيهِمْ يَوْمَ النُّشُورِ.

"وہ اپنے باپ کی پیٹھ اور ماں کے رحم میں نطفہ کی صورت میں مردہ تھے، اس کے بعد اللہ نے انہیں زندہ کیا، پھر انہیں موت دی، پھر روز قیامت انہیں زندہ کرے گا۔"

(كتاب الرّوح، ص 35، شرح العقيدة الطّحاوية لابن أبي العز، ص 396)

مگر اس سے قبر میں روح لوٹنے کی نفی نہیں ہوتی، کیونکہ جسم میں روح کا لوٹنا چند لمحات کے لیے ہوتا ہے، اسے مستقل زندگی شمار نہیں کیا گیا، بلکہ یہ عارضی حیات ہوتی ہے۔

معلوم ہوا کہ آیت میں مذکور دو زندگیوں اور دو موتوں سے مراد دو مستقل زندگیاں اور دو موتیں ہیں۔

❀ علامہ مازری رحمہ اللہ (۵۳۶ھ) فرماتے ہیں:

عَذَابُ الْقَبْرِ ثَابِتٌ عِنْدَ أَهْلِ السُّنَّةِ وَقَدْ وَرَدَتْ بِهِ الْآثَارُ وَقَالَ تَعَالٰى : ﴿اَلنَّارُ يُعْرَضُونَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ﴾ وَقَالَ : ﴿قَالُوا رَبَّنَا أَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَأَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ﴾ وَلَا يَبْعُدُ فِي الْعَقْلِ أَنْ يُّعِيدَ الْبَارِي الْحَيَاةَ فِي بَعْضِ أَجْزَاءِ الْجَسَدِ وَلَا يُدْفَعُ هٰذَا بِالِاسْتِبْعَادِ لِمَا بَيَّنَّاهُ وَلَا بِقَوْلِهٖ تَعَالٰى ﴿لَا يَذُوقُونَ فِيهَا الْمَوْتَ إِلَّا الْمَوْتَةَ الْأُولٰى﴾ لِأَنَّهٗ يَحْتَمِلُ أَنْ يُّرِيدَ الْمَوْتَةَ الَّتِي فِيهَا جُرَعٌ وَّغُصَصٌ، وَّمَوْتَةُ الْقَبْرِ لَيْسَتْ كَذٰلِكَ وَيَحْتَمِلُ أَيْضًا أَنْ يُّرِيدَ جِنْسَ الْمَوْتِ وَلَمْ يُرِدْ مَوتَةً وَّاحِدَةً وَّإِذَا احْتَمَلَ لَمْ يُرَدَّ بِهٖ مَا قَدَّمْنَاهُ مِنَ الظَّوَاهِرِ وَالْأَخْبَارِ.

''اہل سنت کا مذہب ہے کہ عذابِ قبر ثابت ہے۔ بے شمار احادیث سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔ اللہ تعالی کا فرمان ہے: ﴿اَلنَّارُ يُعْرَضُونَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا﴾ (غافر : ٢٥) ''وہ صبح وشام جہنم پر پیش کئے جاتے ہیں۔'' اسی طرح

فرمان ہے:﴿قَالُوا رَبَّنَا أَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَأَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ﴾ ”کہیں گے: ہمارے رب تو نے ہمیں دو زندگیاں اور دو موتیں دیں۔“ یہ بات عقلا بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ بدن کے بعض اجزاء میں زندگی لوٹا دے۔ اسے ناممکن کہہ کر ٹھکرایا نہیں جا سکتا، نہ ہی قرآن کی یہ آیت:﴿لَا يَذُوقُونَ فِيهَا الْمَوْتَ إِلَّا الْمَوْتَةَ الْأُولٰى﴾ ”انہیں صرف ایک ہی موت آئے گی۔“ منکرین عذاب قبر کی دلیل بن سکتی ہے، کیونکہ اس میں احتمال ہے کہ ممکن ہے کہ اس سے مراد یہ ہو کہ قبر میں وہ موت نہیں آئے گی، جس میں تکلیف اور غصہ شامل ہوتا ہے۔ اس موت سے جنس موت بھی مراد ہو سکتی ہے، لہٰذا اس محتمل دلیل کی بنا پر واضح احادیث ٹھکرائی نہیں جا سکتیں۔“

(المُعلِم بفوائد مسلم : 365/3)

❁ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ (۷۵۱ھ) فرماتے ہیں:

أَمَّا اسْتِدْلَالُهُ بِقَوْلِهِ تَعَالٰى : ﴿قَالُوا رَبَّنَا أَمِتْنَا اثْنَتَيْنِ وَأَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ﴾، فَلَا يَنْفِي ثُبُوتُ هٰذِهِ الْإِعَادَةِ الْعَارِضَةِ لِلرُّوحِ فِي الْجَسَدِ كَمَا أَنَّ قَتِيلَ بَنِي إِسْرَائِيلَ الَّذِي أَحْيَاهُ اللّٰهُ بَعْدَ قَتْلِهِ ثُمَّ أَمَاتَهُ، لَمْ تَكُنْ تِلْكَ الْحَيَاةُ الْعَارِضَةُ لَهُ لِلْمَسْئَلَةِ مُعْتَدًّا بِهَا فَإِنَّهُ يَحْيٰى لَحْظَةً ...... قَوْلُهُ : ثُمَّ تُعَادُ رُوحُهُ فِي جَسَدِهِ، لَا يَدُلُّ عَلٰى حَيَاةٍ مُّسْتَقِرَّةٍ وَّإِنَّمَا يَدُلُّ عَلٰى إِعَادَةٍ لَّهَا إِلَى الْبَدَنِ وَتَعَلُّقٍ بِهِ وَالرُّوحُ لَمْ تَزَلْ مُتَعَلَّقَةٌ بِبَدَنِهَا وَإِنْ بَلٰى وَتَمَزَّقَ .

”رہا آیت مبارکہ: ﴿قَالُوا رَبَّنَا أَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَأَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ﴾
”(کفار) کہیں گے: ہمارے رب! تو نے ہمیں دو زندگیاں اور دو موتیں دیں۔“
سے استدلال، تو اس سے یہ نفی نہیں ہوتی کہ روح وقتی طور پر بدن میں نہیں لوٹ سکتی، جیسا کہ بنی اسرائیل کے ایک مقتول کو اللہ تعالیٰ نے دوبارہ زندہ کیا تھا، پھر اسے موت دے دی، اس شخص کو جو (قاتل کا نام) پوچھنے کے لیے وقتی طور پر زندگی دی گئی، اس کو (مستقل زندگی پر) دلیل نہیں بنایا جاتا، کیونکہ وہ شخص ایک لمحہ کے لیے زندہ ہوا تھا۔...... فرمان نبوی: ”پھر اس کی روح اس کے جسم میں لوٹائی جاتی ہے۔“ یہ مستقل زندگی پر دلیل نہیں، بلکہ یہ تو روح کا بدن میں لوٹنے اور اس سے تعلق قائم ہونے پر دلیل ہے، بدن چاہے کتنا بھی بوسیدہ ہو جائے اور گل سڑ جائے، روح کا اس کے ساتھ تعلق قائم رہتا ہے۔“

(کتاب الرّوح، ص 43)

سوال: بعض ملحدین مسخ کا انکار کرتے ہیں، اس بارے میں کیا فرماتے ہیں؟

جواب: مسخ ثابت ہے۔ پہلی اُمتوں میں کئی لوگوں کو مسخ کر دیا گیا، ان کی شکلوں کو بدل کر جانوروں کی شکلوں میں تبدیل کر دیا گیا۔ جس کا ذکر قرآن اور صحیح احادیث میں موجود ہے۔

❁ سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

أُتِيَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِضَبٍّ، فَأَبٰى أَنْ يَأْكُلَ مِنْهُ، وَقَالَ: لَا أَدْرِي لَعَلَّهٗ مِنَ الْقُرُونِ الَّتِي مُسِخَتْ.

”رسول اللہ ﷺ کے پاس ساہنہ (سانڈا) لایا گیا، تو آپ ﷺ نے یہ کہہ کر

کھانے سے انکار کر دیا کہ مجھے نہیں معلوم، شاید یہ پہلی قوموں میں سے ہو، جنہیں مسخ کر دیا گیا تھا۔“

(صحیح مسلم : 1949)

✿ علامہ ابن العربی مالکی رحمہ اللہ (۵۴۳ھ) فرماتے ہیں:

فِي هٰذَا الْحَدِيثِ رَدٌّ عَلَى الْمُلْحِدَةِ فِي إِنْكَارِ الْمَمْسُوخِ .

”اس حدیث میں ملحدین کا رد ہے، جو مسخ کا انکار کرتے ہیں۔“

(المَسالك في شرح موطأ مالك : 523/7)

اللہ تعالیٰ نے حقیقت میں کئی قوموں کی شناخت بدل دی، ان کے چہروں اور جسموں کو جانوروں کے جسموں سے تبدیل کر دیا، مسخ کو بلا دلیل مجازی معنی پر محمول کرنا درست نہیں۔

✿ سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ اللّٰهَ لَعَنَ ـأَوْ غَضِبَ ـ عَلٰى سِبْطٍ مِّنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ فَمَسَخَهُمْ دَوَابَّ، يَدِبُّونَ فِي الْأَرْضِ .

”اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کی ایک قوم پر لعنت کی یا ان پر غضب کیا اور انہیں رینگنے والے جانور بنا دیا، جو زمین پر رینگنے لگے۔“

(صحیح مسلم :1951)

مسخ پر کئی احادیث ہیں۔ اُمت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں بھی بعض قوموں کا چہرہ مسخ ہوگا۔

✿ سیدنا ابو عامر یا ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

...... يَمْسَخُ آخَرِينَ قِرَدَةً وَخَنَازِيرَ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ .

”......اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کو مسخ کر دے گا اور انہیں قیامت تک کے لیے بندر اور خنزیر بنا دے گا۔“

(صحيح البخاري : 5590)

❁ حافظ خطابی رحمہ اللہ (۳۸۸ھ) فرماتے ہیں:

فِيهِ بَيَانٌ أَنَّ الْمَسْخَ قَدْ يَكُونُ فِي هٰذِهِ الْأُمَّةِ وَكَذٰلِكَ الْخَسْفُ، كَمَا كَانَا فِي سَائِرِ الْأُمَمِ، خِلَافَ قَوْلِ مَنْ زَعَمَ أَنَّ ذٰلِكَ لَا يَكُونُ وَإِنَّمَا مَسْخُهَا بِقُلُوبِهَا .

”اس حدیث میں بیان ہے کہ اس اُمت میں بھی مسخ ہوگا اور خسف (زمین میں دھنسنا) بھی۔ جیسے مسخ اور خسف پہلے تمام اُمتوں میں ہوتے رہے ہیں۔ اس کے برعکس بعض کہتے ہیں کہ (اُمت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں چہروں اور وجود کا) مسخ نہیں ہوگا، بلکہ (برے اعمال کی وجہ سے) دل مسخ ہوں گے۔“

(أعلام الحديث : 2098/3)

سوال: بعض ملحدین کہتے ہیں کہ سورت فلق اور سورت ناس قرآن کا حصہ نہیں تھیں، بلکہ یہ دَم کے لیے پڑھی جاتی تھیں، مگر بعض لوگوں نے غلطی سے اسے قرآن کریم کا حصہ بنا دیا، اصلاً یہ قرآن کریم نہیں ہیں۔

اس بارے میں کیا کہتے ہیں؟

جواب: سورت فلق اور سورت ناس کو معوذتین کہتے ہیں، یہ بالاتفاق قرآن کریم کا حصہ ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم انہیں نماز میں بھی قرأت کرتے تھے۔

معوذتین سے دَم بھی مشروع ہے، مگر یہ کہنا کہ بعض لوگوں نے اسے قرآن کا حصہ بنا

دیا، بے اصل اور بے حقیقت بات ہے۔

اہل اسلام کا اتفاق و اجماع ہے کہ مصحف قرآنی میں مذکور تمام سورتیں اللہ تعالیٰ کا منزل کلام ہیں، قرآن میں کسی حرف کا اضافہ یا کمی نہیں ہوئی۔ یہ اللہ تعالیٰ کی حفاظت کے ساتھ محفوظ ہے۔ کسی ملحد کی کوشش اس میں تغیر و تبدل نہیں لا سکتی۔

❀ حافظ نووی رحمہ اللہ (٦٧٦ھ) فرماتے ہیں:

أَجْمَعَ الْمُسْلِمُونَ عَلٰى أَنَّ الْمُعَوِّذَتَيْنِ وَالْفَاتِحَةَ وَسَائِرَ السُّوَرِ الْمَكْتُوبَةِ فِي الْمُصْحَفِ قُرْآنٌ وَأَنَّ مَنْ جَحَدَ شَيْئًا مِنْهُ كَفَرَ .

''مسلمانوں کا اجماع ہے کہ معوذتین، فاتحہ اور دیگر تمام سورتیں، جو مصحف میں درج ہیں، سب قرآن کریم ہیں، نیز جس نے اس میں سے کسی کا انکار کیا، وہ کافر ہے۔''

(المَجموع : 396/3)

❀ سیدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

أُنْزِلَتْ عَلَيَّ آيَاتٌ لَّمْ يُرَ مِثْلُهُنَّ قَطُّ الْمُعَوِّذَتَيْنِ .

''مجھ پر بے مثال آیات نازل ہوئیں۔ وہ معوذتین ہیں۔''

(صحيح مسلم : 814)

❀ سیدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سفید خچر ہدیہ کیا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر سوار ہوئے، سیدنا عقبہ رضی اللہ عنہ اس کی لگام تھامے آگے آگے چل رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا عقبہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: پڑھیے! عرض کیا: کیا؟ فرمایا: پڑھیں

:﴿قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ﴾ آپ ﷺ نے دہرایا، میں نے پڑھ لیا۔ اس پر آپ ﷺ کو محسوس ہوا کہ مجھے اس سے کوئی زیادہ خوشی نہیں ہوئی، تو فرمایا: لگتا ہے، آپ نے اس کی قدر ومنزلت کو جانا ہی نہیں، حالانکہ میں نے قیام میں اس کی مثل کوئی سورت نہیں پڑھی۔''

(مسند الإمام أحمد : 149/4، سنن النّسائي : 5433، المُعجم الكبير للطّبراني : 337/17، مشكل الآثار للطّحاوي : 126، وسنده صحيحٌ)

❀ سیدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

''ایک مرتبہ میں رسول اللہ ﷺ کے پیچھے چل رہا تھا، آپ سوار تھے۔ میں نے آپ کے قدم پر ہاتھ رکھ کر عرض کیا: اللہ کے رسول! مجھے سورت ہود اور سورت یوسف پڑھا دیں، فرمایا: عقبہ! آپ سورت فلق سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے محبوب اور بلیغ سورت نہیں پڑھ سکیں گے، اگر آپ کے لئے ممکن ہو تو نماز میں اس سورت کا اہتمام کر لیا کریں۔''

(فضائل القرآن لأبي عبيد، ص 271، مسند الإمام أحمد : 155/4، سنن النّسائي : 122/2، 223/8، وسندهٗ صحيحٌ)

اس حدیث کو امام ابن حبان رحمہ اللہ (۱۸۴۲،۷۹۵) نے ''صحیح'' اور امام حاکم رحمہ اللہ (۵۶۰/۲) نے ''صحیح الاسناد'' کہا ہے۔

❀ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

هٰذِهِ طُرُقٌ عَنْ عُقْبَةَ كَالْمُتَوَاتِرَةِ عَنْهُ .

''عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی یہ احادیث تواتر کے قریب قریب ہیں۔''

(تفسير ابن كثير : 533/8)

⑤ ایک صحابی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

''ہم نبی کریم ﷺ کے ہمراہ سفر میں تھے، چونکہ سواری کے جانور کم تھے۔لوگ باری باری سوار ہوتے۔ایک موقع پر نبی کریم ﷺ اور میرے اُترنے کی باری آئی، تو آپ ﷺ پیچھے سے میرے قریب آئے اور میرے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر فرمایا: ﴿قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ﴾ پڑھیں، میں نے پڑھ لیا، نبی کریم ﷺ نے یہ سورت مکمل پڑھی۔میں نے بھی آپ ﷺ کے ساتھ پڑھ لی، اسی طرح ﴿قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ﴾ پڑھنے کے لیے فرمایا اور پوری سورت پڑھی، میں نے بھی پڑھ لی، پھر فرمایا: آپ نماز میں بھی یہ سورتیں پڑھ لیا کریں۔''

(مسند الإمام أحمد : 24/5، 79، وسندهٗ صحيحٌ)

❁ حافظ سیوطی رحمہ اللہ نے اس کی سند کو ''صحیح'' کہا ہے۔

(الدّر المنثور : 684/8)

اہل علم کے ہاں طے شدہ بات ہے کہ نماز میں قرأت قرآن کی ہی کی جاتی ہے، لہٰذا یہ احادیث قطعی دلیل ہیں کہ سورت فلق اور سورت ناس قرآن کریم کی دو مستقل سورتیں ہیں۔

سوال: ملحدین اعتراض کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ایک حج کیا، پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حج کی تفصیل نقل کرنے میں اختلاف کیوں کیا، کسی نے نقل کیا کہ نبی کریم ﷺ نے حج افراد کیا، کسی نے حج قران کا بتایا اور کسی نے حج تمتع کا کہا۔یہ تو صحابہ کی نقل روایت میں عدم اعتمادی کی دلیل ہے۔

اس اعتراض کا کیا جواب ہے؟

جواب: تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عادل اور ثقہ ہیں، ان کی تعدیل اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کر دی ہے۔ نقل روایت میں ان پر اعتماد کیا جاتا ہے، ان پر عدم اعتمادی دراصل اسلام پر عدم اعتمادی ہے، کیونکہ صحابہ اسلام کے راوی ہیں، جب رواۃِ اسلام کو مشکوک و مطعون قرار دے دیا جائے گا، تو اسلام کیسے محفوظ و مامون رہ سکتا ہے۔

رہا یہ مسئلہ کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حج نقل کرنے میں اختلاف کیوں کیا، تو اس بارے عرض ہے:

① صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کو نہیں بدلا، بلکہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جو عمل کرتے دیکھا اور جو سمجھا، اسے بیان کر دیا، اس بیان کرنے میں انہوں نے جان بوجھ کر کوئی خطا نہیں کی۔

② یہ بھی احتمال ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حج قران کیا ہو اور حج قران کی نیت کرتے ہوئے جب لَبَّيْكَ بِعُمْرَةٍ کہا، تو بعض صحابہ نے سن کر یہ سمجھ لیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ کا احرام باندھا ہے، یعنی حج تمتع کرنا چاہتے ہیں اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لَبَّيْكَ بِحَجٍّ کہا، تو بعض دوسرے صحابہ نے سنا ہو، تو انہوں نے سمجھ لیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حج افراد کرنا چاہتے ہیں اور جن صحابہ نے دونوں الفاظ کو سنا، انہوں نے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حج قران کر رہے ہیں۔

③ تمتع کا لفظ قران پر بھی بولا جاتا ہے، کیونکہ حج قران میں عمرہ اور حج کو ایک ہی سفر میں ادا کر کے فائدہ اٹھایا جاتا ہے۔

اس لحاظ سے تمام روایات میں جمع و توفیق یوں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حج قران کیا، جن صحابہ نے حج تمتع نقل کیا، ان کی مراد بھی قران تھی، کیونکہ حج اور عمرہ کو اکٹھا کر کے فائدہ

اٹھایا گیا ہے۔ جن صحابہ نے حج افراد کا ذکر کیا، ان کی مراد یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حج کے اعمال کو مفرد ادا کیا، نہ کہ عمرہ اور حج کے اعمال کو ایک ساتھ ادا کیا۔

اس کے علاوہ بھی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں، جن کی بنا پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مابین نبی کریم ﷺ کا حج نقل کرنے میں اختلاف ہو گیا۔

اس اختلاف کے بنا پر صحابہ کی عدالت میں شک کرنا اور ان کی نقل کو غیر معتبر یا مشکوک قرار دینا واضح خطا ہے، اسے دین بیزاری ہی کہیں گے۔

❁ حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ (۴۶۳ھ) فرماتے ہیں:

هُمْ خَيْرُ الْقُرُونِ، وَخَيْرُ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ ثَبَتَتْ عَدَالَةُ جَمِيعِهِمْ بِثَنَاءِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ عَلَيْهِمْ وَثَنَاءِ رَسُولِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ، وَلَا أَعْدَلَ مِمَّنِ ارْتَضَاهُ اللّٰهُ لِصُحْبَةِ نَبِيِّهِ وَنُصْرَتِهِ، وَلَا تَزْكِيَةَ أَفْضَلُ مِنْ ذٰلِكَ، وَلَا تَعْدِيلَ أَكْمَلُ مِنْهُ.

”صحابہ کا زمانہ بہترین زمانہ تھا، وہ اُمت کے بہترین افراد تھے، جنہیں لوگوں (کی ہدایت) کے لیے پیدا کیا گیا تھا۔ تمام صحابہ کی عدالت ثابت ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے ان کی ثناء کی ہے۔ اس سے بڑا عادل کوئی نہیں، جسے اللہ نے اپنے نبی کی صحبت اور نصرت کے لیے پسند فرما لیا ہو، اس سے افضل تزکیہ اور اس سے کامل تعدیل کوئی نہیں۔“

(الاستیعاب: 1/1)

❁❁❁❁❁❁

فتاویٰ امن پوری (قسط ۳۹۱)

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

سوال: سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

أَرْوَاحُهُمْ فِي جَوْفِ طَيْرٍ خُضْرٍ، لَهَا قَنَادِيلُ مُعَلَّقَةٌ بِالْعَرْشِ، تَسْرَحُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ شَاءَتْ.

”شہیدوں کی روحیں سبز پرندوں کے پیٹ میں ہوتی ہیں، ان کے لیے عرش الٰہی کے ساتھ قندیلیں لٹکی ہوئی ہیں، روحیں جنت میں جہاں چاہتی ہیں، کھاتی پیتی ہیں۔“

(صحيح مسلم : 1887)

بعض ملحدین تناسخ ارواح کے عقیدہ پر اس روایت کو بطور دلیل پیش کرتے ہیں کہ اچھے لوگوں کی روحیں اچھے جانداروں میں داخل ہو جاتی ہیں اور برے لوگوں کی روحوں کو برے جانوروں اور کیڑے مکوڑوں میں داخل کر دیا جاتا ہے۔

اس اشکال کا کیا جواب ہے؟

جواب: تناسخ ارواح کا عقیدہ کفریہ عقیدہ ہے، کتاب وسنت کی متفقہ تعلیمات کے خلاف ہے، اُمت کے اجماعی عقائد کے منافی ہے۔

درج بالا روایت سے تناسخ ارواح پر استدلال درست نہیں۔ دراصل شہیدوں کی روحوں کا مسکن سبز پرندوں کے پیٹ ہیں، ایسا نہیں کہ شہیدوں کی روحوں کو پرندوں کی

روحیں بنا دیا جاتا ہو، پرندوں کی اپنی روحیں ہوتی ہیں، البتہ شہیدوں کی روحوں کو سبز پرندوں کے پیٹ میں ٹھہرایا جاتا ہے، یہ مسکن قیامت کے وقوع تک ہوتا ہے، جب قیامت قائم ہو گی، تو ان روحوں کو دوبارہ شہیدوں کے اجسام میں داخل کر دیا جائے گا۔

اسی روایت کے اگلے الفاظ ملاحظہ ہوں؛

❁ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

...... قَالُوا : يَا رَبِّ، نُرِيدُ أَنْ تَرُدَّ أَرْوَاحَنَا فِي أَجْسَادِنَا حَتّٰى نُقْتَلَ فِي سَبِيلِكَ مَرَّةً أُخْرٰى .

''......شہداء کہتے ہیں: ہمارے رب! ہم چاہتے ہیں کہ ہماری روحیں دوبارہ ہمارے جسموں میں لوٹا دی جائیں، تاکہ ہم (قتال کریں اور) ایک بار پھر تیری راہ میں شہید ہو جائیں۔''

(صحیح مسلم : 1887)

❁ علامہ ابو العباس قرطبی رحمہ اللہ (٦٥٦ھ) فرماتے ہیں:

فِيهِ رَدٌّ عَلَى التَّنَاسُخِيَّةِ، وَأَنَّ أَجْوَافَ الطَّيْرِ لَيْسَتْ أَجْسَادًا لَّهَا، وَإِنَّمَا هِيَ مُوَدَّعَةٌ فِيهَا عَلٰى سَبِيلِ الْحِفْظِ وَالصِّيَانَةِ وَالْإِكْرَامِ .

''اس حدیث میں عقیدۂ تناسخ کے حاملین کا رد ہے، نیز یہ ذکر ہے کہ پرندوں کے پیٹ روحوں کے جسم نہیں ہیں، بلکہ ان میں روحیں صرف حفظ وصیانت اور اکرام وشرف کے لیے رکھی گئی ہیں۔''

(المُفهم : 719/3)

❁ حافظ نووی رحمہ اللہ (٦٧٦ھ) نقل کرتے ہیں:

قَالَ الْقَاضِي : وَقَدْ تَعَلَّقَ بِحَدِيثِنَا هٰذَا وَشِبْهِهٖ بَعْضُ الْمَلَاحِدَةِ الْقَائِلِينَ بِالتَّنَاسُخِ وَانْتِقَالِ الْأَرْوَاحِ وَتَنْعِيمِهَا فِي الصُّوَرِ الْحِسَانِ الْمُرَفَّهَةِ وَتَعْذِيبِهَا فِي الصُّوَرِ الْقَبِيحَةِ الْمُسَخَّرَةِ وَزَعَمُوا أَنَّ هٰذَا هُوَ الثَّوَابُ وَالْعِقَابُ وَهٰذَا ضَلَالٌ بَيِّنٌ وَإِبْطَالٌ لِمَا جَاءَتْ بِهِ الشَّرَائِعُ مِنَ الْحَشْرِ وَالنَّشْرِ وَالْجَنَّةِ وَالنَّارِ .

”قاضی عیاض رحمہ اللہ کہتے ہیں: اس اور اس جیسی دیگر احادیث سے بعض ملحدین دلیل لیتے ہیں، جو تناسخ کا عقیدہ رکھتے ہیں اور عقیدہ رکھتے ہیں کہ روحیں (ایک جسم سے دوسرے میں) منتقل ہوتی ہیں، ان کو نعمتیں اس طرح ملتی ہیں کہ انہیں خوبصورت اور آسودہ حال صورت میں داخل کر دیا جاتا ہے اور عذاب کی صورت یہ ہے کہ انہیں قبیح اور بدحال صورت میں داخل کر دیا جاتا ہے۔ان کا کہنا ہے کہ یہی روح کا ثواب اور سزا ہے۔یہ واضح گمراہی اور تمام شریعتوں کا انکار ہے، جن میں حشر، دوبارہ زندہ کیے جانے، جنت اور جہنم کا اثبات ہے۔“

(شرح النّووي : 33/13، مرقاة المَفاتيح للملا علي القاري : 2465/6)

معلوم ہوا کہ مذکورہ روایت سے عقیدہ تناسخ ارواح پر استدلال کرنا خطا ہے۔

سوال: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

أَتَدْرُونَ مَا الْمُفْلِسُ؟ قَالُوا : الْمُفْلِسُ فِينَا مَنْ لَّا دِرْهَمَ لَهٗ وَلَا مَتَاعَ، فَقَالَ : إِنَّ الْمُفْلِسَ مِنْ أُمَّتِي يَأْتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِصَلَاةٍ، وَّصِيَامٍ، وَزَكَاةٍ، وَيَأْتِي قَدْ شَتَمَ هٰذَا، وَقَذَفَ هٰذَا، وَأَكَلَ مَالَ

هٰذَا، وَسَفَكَ دَمَ هٰذَا، وَضَرَبَ هٰذَا، فَيُعْطى هٰذَا مِنْ حَسَنَاتِهِ، وَهٰذَا مِنْ حَسَنَاتِهِ، فَإِنْ فَنِيَتْ حَسَنَاتُهُ قَبْلَ أَنْ يُقْضٰى مَا عَلَيْهِ أُخِذَ مِنْ خَطَايَاهُمْ فَطُرِحَتْ عَلَيْهِ، ثُمَّ طُرِحَ فِي النَّارِ .

”آپ جانتے ہیں کہ مفلس کون ہے؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عرض گزار ہوئے: ہم میں مفلس وہ ہے، جس کے پاس درہم (ودینار) اور مال ومتاع نہیں ہے۔ فرمایا: بلاشبہ میری امت کا مفلس ترین آدمی وہ ہے، جو روز قیامت نماز، روزوں اور زکاۃ (کے ثواب) کے ساتھ آئے گا، اس پر کسی کو گالی دینے، کسی پر تہمت لگانے، کسی کا ناجائز مال کھانے، کسی کا خون بہانے اور کسی کو مارنے کا جرم عائد ہوگا، ہر ایک کو ملزم کی نیکیوں کا ایک حصہ دے دیا جائے گا، اگر فیصلہ برابر ہونے سے پہلے اس کی نیکیاں ختم ہو جائیں، تو سائلین کے گناہوں کا بوجھ مجرم پر ڈال دیا جائے گا اور جہنم رسید کر دیا جائے گا۔“

(صحیح مسلم :2581)

بعض منکرین حدیث اعتراض کرتے ہیں کہ یہ حدیث قرآن کے خلاف ہے، حدیث کے مطابق روز قیامت بعض لوگوں کے گناہ دوسروں پر ڈالے جائیں گے، جبکہ قرآن کے مطابق قیامت کے دن ہر شخص اپنے اعمال ہی کا بدلہ پائے گا۔

❁ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ أُخْرٰى﴾(الأنعام : ١٦٤)

”کوئی کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔“

اس تعارض کا کیا حل ہے؟

جواب: حدیث اور قرآنی آیت میں کوئی تعارض نہیں۔

حافظ نووی رحمہ اللہ (٦٧٦ھ) فرماتے ہیں:

قَالَ الْمَازِرِيُّ وَزَعَمَ بَعْضُ الْمُبْتَدِعَةِ أَنَّ هٰذَا الْحَدِيثَ مُعَارِضٌ لِقَوْلِهٖ تَعَالٰى : ﴿وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ أُخْرٰى﴾ وَهٰذَا الْاِعْتِرَاضُ غَلَطٌ مِنْهُ وَجَهَالَةٌ بَيِّنَةٌ لِأَنَّهٗ إِنَّمَا عُوقِبَ بِفِعْلِهٖ وَوِزْرِهٖ وَظُلْمِهٖ فَتَوَجَّهَتْ عَلَيْهِ حُقُوقٌ لِغُرَمَائِهٖ فَدُفِعَتْ إِلَيْهِمْ مِنْ حَسَنَاتِهٖ فَلَمَّا فَرَغَتْ وَبَقِيَتْ بَقِيَّةٌ قُوبِلَتْ عَلٰى حَسَبِ مَا اقْتَضَتْهُ حِكْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰى فِي خَلْقِهٖ وَعَدْلِهٖ فِي عِبَادِهٖ فَأُخِذَ قَدْرُهَا مِنْ سَيِّئَاتِ خُصُومِهٖ فَوُضِعَ عَلَيْهِ فَعُوقِبَ بِهٖ فِي النَّارِ فَحَقِيقَةُ الْعُقُوبَةِ إِنَّمَا هِيَ بِسَبَبِ ظُلْمِهٖ وَلَمْ يُعَاقَبْ بِغَيْرِ جِنَايَةٍ وَّظُلْمٍ مِّنْهُ وَهٰذَا كُلُّهٗ مَذْهَبُ أَهْلِ السَّنَةُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

”علامہ مازری رحمہ اللہ کہتے ہیں: بعض اہل بدعت کا خیال ہے کہ یہ حدیث اللہ کے اس فرمان کے معارض ہے: ﴿وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ أُخْرٰى﴾ ”کوئی کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔“ یہ اعتراض غلط ہے اور واضح جہالت ہے، کیونکہ اس کو اپنے فعل کی وجہ سے سزا ہوگی، اپنے ظلم کی وجہ سے سزا ہوگی، اس کے قرض خواہوں کے حقوق اس کی طرف آئیں گے، تو اس کی نیکیاں دے کر وہ حقوق ختم ہوں گے، جب یہ نیکیاں ختم ہوگئیں اور کچھ حقوق باقی رہ گئے، تو اللہ کی حکمت کے تقاضے سے اس نے جس کا حق مارا ہوگا، اس کے گناہ

اس کو دے دیئے جائیں گے اور اس کو آگ میں عذاب دیا جائے گا۔ تو اصل میں یہ سزا اس کے اپنے ظلم کا بدلہ ہے، اس کو بلا وجہ سزا نہیں دی جائے گی، یہ سب اہل سنت کا مذہب ہے۔ واللہ اعلم!''

(شرح صحیح مسلم: 136/16)

✿ علامہ ملا علی قاری رحمہ اللہ (۱۰۱۴ھ) لکھتے ہیں:

هٰذَا مِنْ ضَرُورَةِ قَضِيَّةِ الْعَدْلِ الثَّابِتِ لَهٗ تَعَالٰى بِالنَّقْلِ وَالْعَقْلِ، فَإِنَّ الظَّالِمَ إِذَا أَكْثَرَ مِنَ الْحَسَنَاتِ وَثَقُلَتْ مَوَازِينُهٗ مِنْهَا وَغَلَبَتْ عَلٰى سَيِّئَاتِهٖ، فَإِنْ أُدْخِلَ الْجَنَّةَ يَبْقٰى حَقُّ الْمَظْلُومِ ضَائِعًا، وَإِنْ أُدْخِلَ النَّارَ يُنَافِي قَوْلَهٗ تَعَالٰى: ﴿فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهٗ فَأُولٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾(الأعراف: 8)، وَسَيَأْتِي أَنَّ حُقُوقَ الْعِبَادِ مِمَّا لَا يَتْرُكُ اللّٰهُ تَعَالٰى، فَلَا بُدَّ مِنْ أَنَّ الْأَمْرَيْنِ إِمَّا أَخْذَ الْحَسَنَاتِ وَإِمَّا وَضْعَ السَّيِّئَاتِ حَتّٰى يَتَحَقَّقَ خِفَّةُ مِيزَانِ عَمَلِهٖ، فَيَدْخُلُ النَّارَ فَيُعَذَّبُ بِقَدْرِ اسْتِحْقَاقِهٖ، ثُمَّ يَخْرُجُ وَيَدْخُلُ الْجَنَّةَ بِسَبَبِ الْحَسَنَاتِ الْبَاقِيَةِ إِنْ كَانَتْ هُنَاكَ، وَإِلَّا بِبَرَكَةِ الْإِيمَانِ، فَإِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ مَنْ أَحْسَنَ عَمَلًا، وَهٰذَا مِنَ الْبَرَاهِينِ الْوَاضِحَةِ الْمُؤَيِّدَةِ بِالشَّوَاهِدِ وَالْأَدِلَّةِ اللَّائِحَةِ.

''یہ اللہ کے عدل کا ضروری تقاضہ ہے، جو کہ عقل ونقل دونوں سے ثابت ہے، کیونکہ ظالم کی نیکیاں اگر بڑھ جائیں اور اس کا پلڑا بھاری ہو جائے، پھر وہ اس

کے سبب جنت میں چلا جائے ،تو مظلوم کا حق ضائع ہو جائے گا، اگر وہ جہنم میں چلا جائے ،تو یہ اللہ تعالیٰ کے فرمان کے منافی ہے۔ فرمایا: ﴿فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهٗ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾ ''جن کا پلڑا بھاری ہو گیا، وہ فلاح پا گئے۔'' تو ابھی آپ کو معلوم ہو گا کہ حقوق العباد کو اللہ معاف نہیں کرتا۔ تو ایسی صورت میں دو ہی چیزیں باقی بچتی ہیں؛ یا اس کی نیکیاں لے لی جائیں یا پھر اس کو برائیاں دے دی جائیں، یہاں تک اس کے عمل کا میزان ہلکا ہو جائے، پھر وہ جہنم میں چلا جائے۔ اس کو آگ کا عذاب دیا جائے اور اپنے حصے کا عذاب چکھ لے۔ پھر آگ سے نکال کر اس کی باقی ماندہ نیکیوں کے سبب اسے جنت میں بھیج دیا جائے۔ اگر نیکیاں باقی نہ ہوں، تو ایمان کی برکت سے اسے جنت میں بھیج دیا جائے، کیونکہ اللہ اچھا عمل کرنے والے کا عمل ضائع نہیں کرتا۔ یہ واضح دلائل ہیں، جن کی تائید دیگر شواہد اور دلائل سے بھی ہوتی ہے۔''

(مِرقاۃ المَفاتیح : 3202/8)

نیز قرآن کریم نے بھی ثابت کیا ہے کہ بعض لوگوں کو دوسروں کے گناہوں کا بوجھ بھی اٹھانا پڑے گا، کیونکہ وہ لوگ اس گناہ کے محرک ہوں گے۔

❁ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿لِيَحْمِلُوْا اَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً يَّوْمَ الْقِيَامَةِ وَمِنْ اَوْزَارِ الَّذِيْنَ يُضِلُّوْنَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ اَلَا سَاءَ مَا يَزِرُوْنَ﴾ (النّحل : ٢٥)

''تاکہ وہ روزِ قیامت اپنے اور ان کے گناہوں کا بار اٹھائیں، جنہیں بغیر علم کے گمراہ کیا، خبردار! گناہوں کا بار بہت برا ہو گا۔''

(سوال): بعض ملاحدہ کہتے ہیں کہ حج میں احرام باندھنا کیسے عبادت ہوسکتا ہے، یہ لباس تو شرم وحیا کے خلاف ہے، اس طرزِ لباس میں چادریں سنبھالنا مشکل ہوتا ہے، ستر کھلنے کا بھی خدشہ رہتا ہے۔

اس اشکال کا کیا جواب ہے؟

(جواب): شرعی احکامات اور علتوں پر وہ اعتراض کرتے ہیں، جو اپنی عقل کو وحی سے مقدم سمجھنے لگتے ہیں۔ احرام باندھنا عبادت ہے، یہ انتہائی عاجزانہ اور فقیرانہ لباس ہے، جس میں کسی قسم کا تکبر اور غرور ظاہر نہیں ہوتا۔

احرام کسی اعتبار سے شرم وحیا کے منافی نہیں، یہ ساتر لباس ہے، تہبند ہر علاقے میں باندھا جاتا ہے، اس کا مقصد ستر کو ڈھانپنا ہے، احرام میں یہ مقصود حاصل ہو جاتا ہے، تو اس پر اعتراض کیوں؟

نیز عورتوں کے لیے احرام ان کے وہی کپڑے ہیں، جو وہ زیب تن کرتی ہیں۔

احرام اللہ تعالیٰ کے آگے درماندگی کا بہترین اظہار ہے۔ دراصل بندہ اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہوتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو ہر لحاظ سے عاجزی اور انکساری کا مظہر بنانا چاہتا ہے، تاکہ وہ صحیح معنوں میں عبادت ادا کر سکے۔ جب تمام حجاج کرام اور معتمرین حضرات ایک جیسے لباس میں ملبوس ایک جیسے ارکان ادا کر رہے ہوتے ہیں، تو اہل کفر پر رعب طاری ہو جاتا ہے۔

حج وعمرہ میں مخصوص قسم کا لباس پہننا اور اس کی شرائط کو پورا کرنا عبادت ہے، بالالفاظ دیگر یہ حج وعمرہ کا یونیفارم ہے۔ ایک مسلمان اللہ تعالیٰ کے احکامات کا پابند ہوتا ہے، اس کے ذمہ فقط اطاعت ہے۔

اس کے علاوہ بھی کئی حکمتیں ہیں، جو ہمارے علم میں نہیں، یقیناً اللہ تعالیٰ کا ہر حکم باحکمت اور مبنی بر انصاف ہے۔

سوال: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

يَنْزِلُ رَبُّنَا تَبَارَكَ وَتَعَالٰى كُلَّ لَيْلَةٍ إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا حِينَ يَبْقٰى ثُلُثُ اللَّيْلِ الْآخِرُ، فَيَقُولُ : مَنْ يَّدْعُونِي، فَأَسْتَجِيبَ لَهٗ؟ مَنْ يَّسْأَلُنِي، فَأُعْطِيَهٗ؟ مَنْ يَّسْتَغْفِرُنِي، فَأَغْفِرَ لَهٗ؟

”ہر رات جب آخری ایک تہائی حصہ باقی رہ جاتا ہے، تو ہمارا رب تبارک وتعالیٰ آسمانِ دنیا پر نزول فرماتا ہے اور کہتا ہے: کون ہے، جو مجھے پکارے، میں اس کی پکار کو قبول کروں؟ کون ہے، جو مجھ سے مانگے، میں اس کی دست گیری کروں؟ کون ہے، جو مجھ سے معافی مانگے، میں اسے معاف کر دوں؟“

(صحيح البخاري : 1145، صحيح مسلم : 758)

❀ حافظ ابن عبد البر رحمہ اللہ (۴۶۳ھ) فرماتے ہیں:

هٰذَا الْحَدِيثُ لَمْ يَخْتَلِفْ أَهْلُ الْحَدِيثِ فِي صِحَّتِهٖ .

”اس حدیث کی صحت میں محدثین کرام کا کوئی اختلاف نہیں۔“

(التّمهيد : 134/7)

جہمیہ کہتے ہیں کہ یہاں نزول باری تعالیٰ سے مراد ہے کہ اللہ خصوصی رحمت بھیجتا ہے یا حکم نازل فرماتا ہے یا فرشتہ بھیجتا ہے یا نزولِ اجلال کرتا ہے، وغیرہ وغیرہ۔

جواب: اہل سنت والجماعت کا اجماعی واتفاقی عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر رات آسمانِ دنیا پر اترتا ہے۔ یہ اترنا حقیقی ہے اور اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ایک صفت برحق ہے، یہ

عقیدہ احادیث صحیحہ اور اجماعِ امت سے ثابت ہے۔ ائمہ محدثین ﷭ کی تصریحات اس پر شاہد ہیں۔

یہ کہنا کہ نزول سے مراد اللہ کی رحمت یا حکم کا نزول ہے یا اس سے مراد فرشتہ نازل کرنا ہے وغیرہ، تو یہ اور دیگر تمام تاویلات قرآن، حدیث، اجماعِ امت اور ائمہ محدثین وسلف صالحین کی متفقہ تصریحات کے خلاف ہے، لہٰذا نا قابل التفات ہے۔ حق وہی ہے، جو ائمہ اہل سنت والجماعت کے عقائد میں ہے۔

❀ امام عثمان بن سعید دارمی ﷫ (۲۸۰ھ) فرماتے ہیں:

هٰذِهِ الْأَحَادِيثُ قَدْ جَاءَ تْ كُلُّهَا وَأَكْثَرُ مِنْهَا فِي نُزُولِ الرَّبِّ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى فِي هٰذِهِ الْمَوَاطِنِ، وَعَلٰى تَصْدِيقِهَا وَالْإِيمَانِ بِهَا أَدْرَكْنَا أَهْلَ الْفِقْهِ وَالْبَصَرِ مِنْ مَشَايِخِنَا، لَا يُنْكِرُهَا مِنْهُمْ أَحَدٌ، وَلَا يَمْتَنِعُ مِنْ رِوَايَتِهَا، حَتّٰى ظَهَرَتْ هٰذِهِ الْعِصَابَةُ، فَعَارَضَتْ آثَارَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِرَدٍّ وَتُشَمِّرُوا لِدَفْعِهَا بِجِدٍّ، فَقَالُوا : كَيْفَ نُزُولُهٗ هٰذَا؟ قُلْنَا : لَمْ نُكَلَّفْ مَعْرِفَةَ كَيْفِيَّةِ نُزُولِهٖ فِي دِينِنَا، وَلَا تَعْقِلُهٗ قُلُوبُنَا، وَلَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ مِّنْ خَلْقِهٖ، فَنُشَبِّهُ مِنْهُ فِعْلًا أَوْ صِفَةً بِفَعَالِهِمْ وَصِفَتِهِمْ، وَلٰكِنْ يَنْزِلُ بِقُدْرَتِهٖ وَلُطْفِ رُبُوبِيَّتِهٖ كَيْفَ يَشَاءُ، وَالْكَيْفُ مِنْهُ غَيْرُ مَعْقُولٍ، وَالْإِيمَانُ بِقَولِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي نُزُولِهٖ وَاجِبٌ، وَلَا يُسْأَلُ الرَّبُّ عَمَّا يَفْعَلُ، كَيْفَ يَفْعَلُ،

وَهُمْ يُسْأَلُونَ، لِأَنَّهُ الْقَادِرُ عَلٰى مَا يَشَاءُ أَنْ يَّفْعَلَهٗ كَيْفَ يَشَاءُ، وَإِنَّمَا يُقَالُ لِفِعْلِ الْمَخْلُوقِ الضَّعِيفِ الَّذِي لَا قُدْرَةَ لَهٗ إِلَّا مَا أَقْدَرَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ كَيْفَ يَصْنَعُ بِهٖ؟ وَكَيْفَ قَدَرَ؟ وَلَوْ كُنْتُمْ آمَنْتُمْ بِاسْتِوَاءِ الرَّبِّ عَلٰى عَرْشِهٖ وَارْتِفَاعِهٖ فَوْقَ السَّمَاءِ السَّابِعَةِ بَدْءًا إِذَا خَلَقَهَا كَإِيمَانِ الْمُصَلِّينَ بِهٖ لَقُلْنَا لَكُمْ: لَيْسَ نُزُولُهٗ مِنْ سَمَاءٍ إِلٰى سَمَاءٍ بِأَشَدَّ عَلَيْهِ وَلَا بِأَعْجَبَ مِنَ اسْتِوَائِهٖ عَلَيْهَا إِذْ خَلَقَهَا بَدْءًا، فَكَمَا قَدَرَ عَلَى الْأُولٰى مِنْهُمَا كَيْفَ يَشَاءُ، فَكَذٰلِكَ يَقْدِرُ عَلَى الْأُخْرٰى كَيْفَ يَشَاءُ، وَلَيْسَ قَوْلُ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي نُزُولِهٖ بِأَعْجَبَ مِنْ قَوْلِ اللّٰهِ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى: ﴿هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا أَنْ يَّأْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِي ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلٰئِكَةُ﴾(البقرة: ٢١٠)، وَمِنْ قَوْلِهٖ: ﴿وَجَاءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا﴾(الفجر: ٢٢)، فَكَمَا يَقْدِرُ عَلٰى هٰذَا يَقْدِرُ عَلٰى ذَاكَ، فَهٰذَا النَّاطِقُ مِنْ قَوْلِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ، وَذَاكَ الْمَحْفُوظُ مِنْ قَوْلِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِأَخْبَارٍ لَّيْسَ عَلَيْهَا غُبَارٌ، فَإِنْ كُنْتُمْ مِنْ عِبَادِ اللّٰهِ الْمُؤْمِنِينَ لَزِمَكُمُ الْإِيمَانُ بِهَا كَمَا آمَنَ بِهَا الْمُؤْمِنُونَ، وَإِلَّا فَصَرِّحُوا كَمَا تُضْمِرُونَ، وَدَعُوا هٰذِهِ الْأَغْلُوطَاتِ الَّتِي تَلْوُونَ بِهَا أَلْسِنَتَكُمْ،

فَلَئِنْ كَانَ أَهْلُ الْجَهْلِ فِي شَكٍّ مِّنْ أَمْرِكُمْ، أَنَّ أَهْلَ الْعِلْمِ مِنْ أَمْرِكُمْ لَعَلٰى يَقِينٍ .

''ان مقامات پر یہ تمام احادیث اللہ کے نزول سے متعلق ہیں، ہم نے اپنے اہل فقہ و بصیرت اساتذہ کو ان کی تصدیق کرتے اور ان پر ایمان لاتے ہی دیکھا ہے۔ ان میں سے کوئی ان کا انکار کرتا تھا، نہ انہیں بیان کرنے سے گریز کرتا تھا۔ تا وقتیکہ یہ گروہ ظاہر ہو گیا۔ انہوں نے احادیث نبویہ کو رد کیا اور بنا نگ دہل مخالفت کی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ اس نزول کی کیفیت کیا ہے؟ ہم کہتے ہیں کہ ہمیں دین میں اس کی کیفیت جاننے کا مکلّف نہیں بنایا گیا، نہ ہی ہماری عقلیں اس کو سمجھ سکتی ہیں، نہ ہی مخلوق میں سے کوئی اس سے مشابہ ہے کہ ہم اللہ کے فعل و صفت کو اس کے افعال و صفات سے تشبیہ ہی دے سکیں، البتہ (ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ) وہ اپنی قدرت اور کمال ربوبیت سے جیسے چاہتا ہے، نزول فرماتا ہے۔ اس کی کیفیت انسانی عقل سے ماورا ہے، جبکہ رسول اللہ ﷺ کے فرمان پر ایمان لانا واجب ہے۔ رب تعالیٰ سے یہ سوال نہیں کیا جائے گا کہ وہ کیا کرتا ہے اور کیسے کرتا ہے؟ ہاں بندوں سے پوچھا جائے گا، کیوں کہ وہ جسے چاہے، جیسے چاہے کرنے پر قادر ہے۔ کیسے کرنے اور کس طرح قدرت پانے کا سوال تو اس کمزور مخلوق کے بارے میں کیا جائے گا، جس کے پاس کوئی قدرت و طاقت نہیں، سوائے اس قدرت کے، جو اللہ تعالیٰ اسے دے۔ (اے جہمی گروہ!) اگر تم مسلمانوں کی طرح اللہ تعالیٰ کے آسمانوں کو پیدا کرتے وقت عرش پر مستوی ہونے اور شروع سے ہی ساتویں آسمان پر بلند

ہونے پر ایمان لاتے ہو، تو ہم تم سے کہتے ہیں کہ ایک آسمان سے دوسرے آسمان کی طرف نزول آسمانوں کو پیدا کرتے وقت عرش پر مستوی ہونے سے زیادہ مشکل اور زیادہ تعجب خیز نہیں ہے۔ جس طرح اللہ پہلے معاملہ (استوا) پر اپنی چاہت کے مطابق قادر ہو گیا، اسی طرح دوسرے معاملہ (نزول) پر اپنی چاہت کے مطابق قادر ہو گیا، رسولِ کریم ﷺ کا نزولِ باری تعالیٰ والا فرمان اللہ تبارک وتعالیٰ کے ان دو فرامین سے زیادہ قابل تعجب نہیں : ﴿هَلْ يَنْظُرُوْنَ إِلَّآ أَنْ يَّأْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِي ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ﴾ (البقرۃ : ۲۱۰) ''وہ صرف اس بات کا انتظار کر رہے ہیں کہ ان کے پاس اللہ اور اس کے فرشتے بادلوں کے سایوں میں آجائیں۔'' ﴿ وَجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا﴾ (الفجر : ۲۲) ''اور تیرا رب آئے گا اور فرشتے صف درصف آئیں گے۔'' جس طرح اللہ ان افعال پر قادر ہے، بعینہٖ اس نزول پر بھی قادر ہے۔ اُدھر آپ اللہ کے حکم کے ساتھ بولتے ہیں اور اِدھر یہ حدیث آپ ﷺ سے ایسی سندوں کے ساتھ منقول ہے کہ جن پر کوئی اعتراض نہیں۔ جہمیو! اگر تم اللہ کے مومن بندوں میں سے ہو، تو تمہارے لیے ان احادیث پر اسی طرح ایمان لانا واجب ہے، جیسے ان پر مومن ایمان لائے ہیں، ورنہ جو (کفر) دلوں میں چھپائے پھرتے ہو، اسے ظاہر کر دو اور اپنی زبانوں کے ساتھ کی جانے والی ان باطل اور جھوٹی تاویلوں کو چھوڑ دو۔ اگر جاہل لوگ تمہارے بارے میں شک میں مبتلا ہیں، تو اہل علم تو تمہارے معاملہ (گمراہی) میں یقین پر ہیں۔''

(الرّد علی الجھمیة، ص 93-94)

۞ **نیز فرماتے ہیں:**

اِدَّعَى الْمُعَارِضُ أَنَّ اللّٰهَ لَا يَنْزِلُ بِنَفْسِهٖ، إِنَّمَا يُنْزِلُ أَمْرَهٗ وَرَحْمَتَهٗ، وَهُوَ عَلَى الْعَرْشِ، وَبِكُلِّ مَكَانٍ مِّنْ غَيْرِ زَوَالٍ، لِّأَنَّهُ الْحَيُّ الْقَيُّومُ، وَالْقَيُّومُ بِزَعْمِهٖ مَن لَّا يَزُولُ، فَيُقَالُ لِهٰذَا الْمُعَارِضُ : وَهٰذَا أَيْضًا مِّنْ حُجَجِ النِّسَاءِ وَالصِّبْيَانِ وَمَنْ لَّيسَ عِنْدَهٗ بَيَانٌ، وَلَا مَذْهَبَهٗ بُرْهَانٌ، لِأَنَّ أَمْرَ اللّٰهِ وَرَحْمَتَهٗ يَنْزِلُ فِي كُلِّ سَاعَةٍ وَّوَقْتٍ وَأَوَانٍ، فَمَا بَالُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَحُدُّ لِنُزُولِهِ اللَّيْلَ دُونَ النَّهَارِ؟ وَبِوَقْتٍ مِّنَ اللَّيْلِ شَطْرِهٖ أَوِ الْأَسْحَارِ، أَفَأَمْرُهٗ وَرَحْمَتُهٗ يَدْعُوَانِ الْعِبَادَ إِلَى الْإِسْتِغْفَارِ، أَوْ يُقَدَّرُ الْأَمْرُ وَالرَّحْمَةُ أَنْ يَّتَكَلَّمَا دُونَهٗ، فَيَقُولَا : هَلْ مِنْ دَاعٍ، فَأُجِيبَ؟ هَلْ مِنْ مِّسْتَغْفِرٍ، فَأَغْفِرَ لَهٗ؟ هَلْ مِنْ سَائِلٍ، فَأُعْطِيَهٗ؟ فَإِنْ قَرَّرْتَ مَذْهَبَكَ لَزِمَكَ أَنْ تَدَّعِي أَنَّ الرَّحْمَةَ وَالْأَمْرَ هُمَا اللَّذَانِ يَدْعُوَانِ إِلَى الْإِجَابَةِ وَالْإِسْتِغْفَارِ بِكَلَامِهِمَا دُونَ اللّٰهِ؟ وَهٰذَا مُحَالٌ عِنْدَ السُّفَهَاءِ، فَكَيْفَ عِنْدَ الْفُقَهَاءِ؟ قَدْ عَلِمْتُمْ ذٰلِكَ، وَلٰكِنْ تُكَابِرُونَ، وَمَا بَالُ رَحْمَتِهٖ وَأَمْرِهٖ يَنْزِلَانِ مِنْ عِنْدِهٖ شَطْرَ اللَّيْلِ، ثُمَّ لَا يَمْكُثَانِ إِلَّا إِلٰى

طُلُوعِ الْفَجْرِ، ثُمَّ يَرْفَعَانِ، لِأَنَّ رِفَاعَةَ يَرْوِيهِ، يَقُولُ فِي حَدِيثِهِ: حَتّٰى يَنْفَجِرَ الْفَجْرُ، قَدْ عَلِمْتُمْ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ أَنَّ هٰذَا التَّأْوِيلَ أَبطَلُ بَاطِلٍ، لَا يَقْبَلُهُ إِلَّا كُلُّ جَاهِلٍ.

”مخالف نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ خود نزول نہیں فرماتا، بلکہ وہ خود عرش پر اور ہر جگہ رہتے ہوئے، بغیر اپنی جگہ چھوڑے اپنا حکم اور رحمت نازل فرماتا ہے، کیوں کہ وہ زندہ اور قیوم ہے۔ اس کے خیال میں قیوم وہ ہوتا ہے، جو اپنی جگہ نہ چھوڑے۔ اس مخالف کو کہا جائے گا کہ یہ بھی زنانہ وبچگانہ دلیل ہے، نیز یہ اس کی دلیل ہے، جسے بات کرنی نہ آتی ہو اور نہ ہی اس کے مذہب میں دلیل کی کوئی حیثیت ہو۔ وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم اور اس کی رحمت تو ہر وقت نازل ہوتی رہتی ہے، پھر کیا بات ہے کہ نبیٔ اکرم ﷺ اس کے نزول کو دن کی بجائے رات کے ساتھ خاص فرما رہے ہیں، نیز رات کا بھی نصف یا سحری کا وقت اس کے لیے مخصوص کر رہے ہیں؟ کیا اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کا امر لوگو ں کو استغفار کا حکم دیتے ہیں اور کیا وہ دونوں چیزیں ذاتِ الٰہی کے بغیر بولنے کی طاقت رکھتی ہیں کہ وہ کہیں: کیا کوئی پکارنے والا ہے، میں اس کی پکار قبول کروں؟ کیا کوئی معافی کا طلب گار ہے کہ میں اسے معاف کر دوں؟ کیا کوئی سوالی ہے کہ میں اسے عطا کروں؟ اپنے مذہب پر ثابت رہنے کے لیے یہ تسلیم کرنا ضروری ہے کہ امر اور رحمت دونوں بول کر اجابت اور استغفار کی طرف لوگوں کو بلاتے ہیں۔ یہ بات کرنا تو بیوقوفوں کے حق میں بھی ناممکن ہے، چہ

جائیکہ عقل مند ایسی بات کریں؟ تم اس بات سے بخوبی آشنا ہو، لیکن تکبر کا شکار ہو چکے ہو۔ یہ کیا بات ہوئی کہ اس کا امر اور اس کی رحمت رات کے ایک حصے میں اترتے ہیں، پھر صرف فجر طلوع ہونے تک ٹھہر کر اٹھا لیے جاتے ہیں؟ اس حدیث کے راوی سیدنا رفاعہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نزول کا یہ معاملہ طلوع فجر تک جاری رہتا ہے۔ اللہ کی توفیق سے آپ نے جان ہی لیا ہوگا کہ یہ تاویل ابطل الا باطیل ہے، اسے جاہل ہی قبول کرسکتا ہے۔“

(الرَّد علی المَریسي، ص 51-52)

اگر کوئی کہے کہ اللہ تعالیٰ جب نزول فرماتا ہے، تو کیا اس وقت عرش خالی ہو جاتا ہے؟ تو ہم جواب میں کہیں گے کہ یہ سوال بدعت ہے۔ اس نزول کی کیفیت کا علم اللہ تعالیٰ کے پاس ہے، جس کے متعلق شریعت خاموش ہے، ہم بھی خاموش رہیں گے، صحابہ اور محدثین اس پر سکوت کرتے ہیں، ہم بھی سکوت کرتے ہیں، عافیت بھی اسی میں ہے۔

✿ امام ابوعمرو، احمد بن محمد بن عبداللہ، طلمنکی رحمہ اللہ (۴۲۹ھ) فرماتے ہیں:

أَجْمَعُوا عَلٰی أَنَّ اللّٰهَ يَنْزِلُ كُلَّ لَيْلَةٍ إِلٰی سَمَاءِ الدُّنْيَا، عَلٰی مَا أَتَتْ بِهِ الْآثَارُ، كَيْفَ شَاءَ، لَا يَحُدُّونَ فِي ذٰلِكَ شَيْئًا.

”مسلمانوں کا اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر رات آسمانِ دنیا کی طرف نزول فرماتا ہے، جیسا کہ احادیث میں موجود ہے۔ یہ نزول اسی طرح ہے، جیسے اللہ تعالیٰ چاہتا ہے، مسلمان اس بارے میں کسی (کیفیت کی) تعیین نہیں کرتے۔“

(مَجموع الفتاویٰ لابن تیمیة : 577/5)

سوال: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَا مِنْ بَنِي آدَمَ مَوْلُودٌ إِلَّا يَمَسُّهُ الشَّيْطَانُ حِينَ يُولَدُ، فَيَسْتَهِلُّ صَارِخًا مِنْ مَسِّ الشَّيْطَانِ، غَيْرَ مَرْيَمَ وَابْنِهَا، ثُمَّ يَقُولُ أَبُو هُرَيْرَةَ: ﴿وَإِنِّي أُعِيذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ﴾.

''پیدا ہونے والے ہر بچے کو شیطان پیدائش کے وقت مَس کرتا ہے، تو شیطان کے مَس کرنے سے بچہ چیختا ہے، سوائے مریم اور ان کے بیٹے (عیسیٰ علیہ السلام) کے۔ (اس حدیث کو بیان کرنے کے بعد) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں (اللہ تعالیٰ کا فرمان اس پر شاہد ہے:) ﴿وَإِنِّي أُعِيذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ﴾(آل عمران: ٣٦)''(مریم کی ماں نے کہا: اے اللہ!) میں اس (بچی) اور اس کی اولاد کو شیطان مردور سے تیری پناہ میں دیتی ہوں۔''

(صحيح البخاري: 3431، صحيح مسلم: 2366)

ملحدین کہتے ہیں کہ شیطان نومولود بچے کو مَس نہیں کرتا، کیونکہ یہ عقل کے خلاف ہے، بچہ تو ابھی مکلّف نہیں ہوا، اسے شیطان کیسے چھیڑ سکتا ہے؟

اس اشکال کا کیا جواب ہے؟

جواب: مسلمان کے لیے سب سے بڑی دلیل وحی ہوتی ہے، عقل نہیں۔ مؤمن غیب پر ایمان رکھتا ہے۔ وحی الٰہی نے خبر دی ہے کہ نومولود بچے کو شیطان مَس کرتا ہے، جس سے وہ چیختا ہے۔ اس خبر پر ایمان لانا ضروری ہے۔

❀ علامہ ابن قدامہ مقدسی رحمہ اللہ (٦٢٠ھ) فرماتے ہیں:

اَلْإِيمَانُ بِكُلِّ مَا أَخْبَرَ بِهِ الرَّسُولُ وَيَجِبُ الْإِيمَانُ بِكُلِّ مَا أَخْبَرَ

بِهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَصَحَّ بِهِ النَّقْلُ عَنْهُ فِيمَا شَاهَدْنَاهُ، أَوْ غَابَ عَنَّا، نَعْلَمُ أَنَّهُ حَقٌّ، وَصِدْقٌ، وَسَوَاءٌ فِي ذٰلِكَ مَا عَقَلْنَاهُ وَجَهِلْنَاهُ، وَلَمْ نَطَّلِعْ عَلٰى حَقِيقَةِ مَعْنَاهُ.

''رسول اللہ ﷺ نے جس چیز کی بھی خبر دی ہے، اس پر ایمان لانا واجب ہے، (اگر) اس روایت کی نقل صحیح ہو۔ ہم نے اس کا آنکھوں سے مشاہدہ کیا ہو یا وہ چیز ہم سے اوجھل ہو۔ ہم جانتے ہیں کہ وہ حق اور سچ ہے۔ وہ بات ہماری عقل میں آئے یا نہ آئے یا ہم اس کے حقیقی معنی سے آشنا نہ ہوسکیں۔''

(لمعة الاعتقاد، ص 28)

باقی رہا یہ اعتراض کہ بچہ ابھی مکلّف نہیں، تو اسے شیطان کیوں چھڑتا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ بچے کے غیر مکلّف ہونے کا مطلب ہے کہ ابھی اس کا کوئی گناہ نہیں لکھا جاتا ہے، یہ نہیں کہ اسے کوئی پریشانی یا تکلیف بھی نہیں پہنچ سکتی۔

مکلّف ہونے تک بچے خلاف شرع کوئی کام کریں، تو ان کا گناہ نہیں لکھا جاتا، اس دوران انہیں بہت سی تکالیف اور بیماریاں پہنچتی ہیں، ان تکالیف میں سے ایک تکلیف شیطان کے مَس کرنے سے بھی ہوتی ہے۔

لہٰذا حدیث بالا کسی طرح خلاف عقل نہیں، وللہ الحمد!

سوال: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

لَمَّا فُتِحَتْ مَكَّةُ قَتَلَتْ هُذَيْلٌ رَجُلًا مِّنْ بَنِي لَيْثٍ بِقَتِيلٍ لَّهُمْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَبَلَغَ ذٰلِكَ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَامَ فَقَالَ : إِنَّ اللّٰهَ حَبَسَ عَنْ مَّكَّةَ الْقَتْلَ وَسَلَّطَ عَلَيْهَا

رَسُولَهُ وَالْمُؤْمِنِينَ وَإِنَّهَا لَمْ تَحِلَّ لِأَحَدٍ قَبْلِي وَلَا تَحِلُّ لِأَحَدٍ بَعْدِي وَإِنَّمَا أُحِلَّتْ لِي سَاعَةً مِّنْ نَهَارٍ وَّإِنَّهَا سَاعَتِي هٰذِهِ حَرَامٌ لَّا يُعْضَدُ شَجَرُهَا وَلَا يُخْتَلٰى شَوْكُهَا وَلَا يَلْتَقِطُ سَاقِطَتَهَا إِلَّا مُنْشِدٌ وَّمَنْ قُتِلَ لَهُ قَتِيلٌ فَهُوَ بِخَيْرِ النَّظَرَيْنِ، إِمَّا أَنْ يُّقَادَ وَإِمَّا أَنْ يُّفَادٰى فَقَامَ رَجُلٌ مِّنْ أَهْلِ الْيَمَنِ يُقَالُ لَهُ أَبُو شَاهٍ فَقَالَ : يَا رَسُولَ اللّٰهِ اكْتُبْ لِي فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : اكْتُبُوا لِأَبِي شَاهٍ فَقَالَ الْعَبَّاسُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ : يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِلَّا الْإِذْخَرَ، فَإِنَّا نَجْعَلُهُ فِي مَسَاكِنِنَا وَقُبُورِنَا فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : إِلَّا الْإِذْخَرَ إِلَّا الْإِذْخَرَ .

’’جب مکہ فتح ہوا، تو بنو ہذیل اپنے ایک مقتول کی وجہ سے بنو لیث کے ایک آدمی سے لڑ پڑے، رسول اللہ ﷺ کو یہ بات پہنچی، تو آپ ﷺ نے کھڑے ہو کر خطاب فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مکہ میں قتال منع فرما دیا ہے اور اپنے رسول اور مؤمنین کو اس پر قابض بنا دیا، مجھ سے پہلے کسی کے لیے (اس میں قتال) حلال نہیں کیا گیا اور نہ ہی میرے بعد کسی کے لیے (اس میں قتال) حلال ہے، میرے لیے بھی دن کے کچھ حصے میں (قتال) حلال کیا گیا ہے، اس وقت اس کی حرمت برقرار ہے، چنانچہ اس کا درخت کاٹا جائے، نہ ہی اس کے کانٹے توڑے جائیں، نہ ہی اس کی گمشدہ چیز اٹھائی جائے، صرف وہ اٹھا سکتا ہے جس نے اعلان کرنا ہو، جس کا کوئی (آدمی) قتل کر دیا جائے، تو اسے دیت یا

قصاص میں سے ایک بہتر چیز اختیار کرنے کی اجازت ہے۔یمن کا ایک ابوشاہ نامی شخص کھڑا ہو کر کہنے لگا: اللہ کے رسول! مجھے (یہ باتیں) لکھ دیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ابوشاہ کو لکھ کر دیں۔ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کہنے لگے: اللہ کے رسول! اذخر گھاس کو مستثنیٰ کر دیجیے، کیوں کہ ہم اسے اپنے گھروں اور قبروں پر ڈالتے ہیں۔ فرمایا: اذخر (گھاس) مستثنیٰ ہے، اذخر (گھاس) مستثنیٰ ہے۔''

(صحيح البخاري : 2434، صحيح مسلم : 1355، المُنتقى لابن الجارود : 508)

❁ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ فتح مکہ کے دن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

إِنَّ هٰذَا الْبَلَدَ حَرَامٌ حَرَّمَهُ اللّٰهُ يَوْمَ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ فَهُوَ حَرَامٌ حَرَّمَهُ اللّٰهُ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ مَا أُحِلَّ لِأَحَدٍ فِيهِ الْقَتْلُ غَيْرِي وَلَا يَحِلُّ لِأَحَدٍ بَعْدِي حَتّٰى تَقُومَ السَّاعَةُ وَمَا أُحِلَّ لِي فِيهَا إِلَّا سَاعَةً مِّنْ نَهَارٍ وَّهُوَ حَرَامٌ حَرَّمَهُ اللّٰهُ إِلٰى أَنْ تَقُومَ السَّاعَةُ لَا يُعْضَدُ شَوْكُهُ وَلَا يُخْتَلٰى خَلَاهُ وَلَا يُنَفَّرُ صَيْدُهُ .

''یہ شہر (مکہ) حرمت والا ہے، جس دن اللہ تعالیٰ نے آسمان وزمین کو پیدا کیا تھا، اسی دن اس کو حرمت والا قرار دیا تھا، چنانچہ اس کو اللہ تعالیٰ نے روز قیامت تک حرمت والا قرار دیا ہے، میرے علاوہ اور میرے بعد کسی کے لیے اس کے اندر لڑائی کرنا قیامت تک جائز نہیں، میرے لیے بھی دن کے کچھ حصے میں حلال کیا گیا ہے، اس کو اللہ تعالیٰ نے قیامت آنے تک حرمت والا قرار دیا ہے، نہ اس کے کانٹے کاٹے جائیں، نہ اس کی گھاس کاٹی جائے اور نہ ہی اس کا

شکار بھگایا جائے۔“

(صحيح البخاري : 1834، صحيح مسلم : 1353، المُنتقى لابن الجارود : 509)

اعتراض کیا جاتا ہے کہ جب مکہ کو حرم قرار دے دیا گیا، پھر حجاج بن یوسف وغیرہ کو اس کی حرمت پامال کرنے پر دسترس کیوں ہوسکی؟

جواب: حدیث میں مکہ کو حرم قرار دیا گیا ہے، اس کی حرمت بیان کی گئی ہے۔ یہ شرعی حکم ہے۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ کوئی اس کی حرمت پامال کر ہی نہیں سکتا۔ حدیث نے حرمت پامال کرنے کی ممانعت بیان کی ہے۔

لہٰذا اگر کوئی بد بخت حرم کعبہ میں اس کی حرمت کو پامال کرے گا، تو وہ گناہ گار اور ملحد قرار پائے گا۔ بلاشبہ حجاج بن یوسف وغیرہ نے جو حرم کعبہ میں کیا، وہ مذموم فعل ہے۔

❀❀❀❀❀❀❀

فتاویٰ امن پوری (قسط ۳۹۲)

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

سوال: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

سَأَلَ رَجُلٌ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ : يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنَّا نَرْكَبُ الْبَحْرَ فَنَحْمِلُ الْقَلِيلَ مِنَ الْمَاءِ فَإِنْ تَوَضَّأْنَا بِهٖ عَطِشْنَا أَفَنَتَوَضَّأُ بِمَاءِ الْبَحْرِ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : هُوَ الطَّهُورُ مَاؤُهُ الْحَلَالُ مَيْتَتُهٗ .

''ایک آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: اللہ کے رسول! ہم سمندری سفر کرتے وقت اپنے ساتھ تھوڑا سا پانی لے جاتے ہیں، اگر اس سے وضو کریں، تو پیاسے رہ جاتے ہیں۔ کیا ہم سمندری پانی سے وضو کرلیا کریں؟ فرمایا: اس کا پانی پاک ہے اور اس کا مردار حلال ہے۔''

(مسند الإمام أحمد : 361/2، موطأ الإمام مالك : 22/1، سنن أبي داوٗد : 83، سنن النّسائي : 59، سنن التّرمذي : 69، سنن ابن ماجه : 386-3246، وسندهٗ صحيحٌ)

اس حدیث کو امام ترمذی رحمہ اللہ نے ''حسن صحیح''، امام ابن الجارود رحمہ اللہ (۴۳) امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ (۱۱۱)، امام ابن حبان رحمہ اللہ (۱۲۴۳)، حافظ ابن مندہ رحمہ اللہ (التلخیص الحبیر لابن حجر : ۱/۱۰) حافظ بغوی رحمہ اللہ (شرح السنہ : ۵۶/۲، ح : ۲۸۱) اور حافظ نووی رحمہ اللہ

(المجموع : ۱/۸۲) نے ''صحیح'' کہا ہے، حافظ ابن منذر رحمہ اللہ (الاوسط : ۱/ ۲۴۷) نے ''ثابت'' کہا ہے۔

❁ علامہ جوزقانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

إِسْنَادُهُ مُتَّصِلٌ ثَابِتٌ .

''اس کی سند متصل، ثابت ہے۔''

(الأباطيل والمَناكير :346/1)

❁ حافظ ابن ملقن رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

هٰذَا الْحَدِيثُ صَحِيحٌ جَلِيلٌ .

''یہ حدیث صحیح اور جلیل القدر ہے۔''

(البدر المُنير :348/1)

اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر جائز مقصد کے لیے سمندری سفر کرنا جائز ہے، جبکہ اس کے معارض روایت میں ہے کہ حج، عمرہ اور جہاد کے علاوہ کسی مقصد کے لیے سمندری سفر جائز نہیں۔

❁ سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا يَرْكَبُ الْبَحْرَ إِلَّا حَاجٌّ، أَوْ مُعْتَمِرٌ، أَوْ غَازٍ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ، فَإِنَّ تَحْتَ الْبَحْرِ نَارًا، وَتَحْتَ النَّارِ بَحْرًا .

''سمندری سفر صرف حاجی، عمرہ کرنے والا اور راہِ خدا میں جہاد کرنے والا کر سکتا ہے، کیونکہ سمندر کے نیچے آگ ہے اور آگ کے نیچے سمندر ہے۔''

(سنن أبي داود : 2489)

اس کا کیا جواب ہے۔

(جواب): شکار، طلب معاش، حصول تعلیم اور ہر جائز مقصد کے لیے سمندری سفر کرنا جائز ہے، ممانعت پر کوئی دلیل نہیں۔

اس کے معارض پیش کردہ روایت کی سند سخت ضعیف اور مضطرب ہے۔

① بشر ابوعبداللہ کندی مجہول ہے۔

② بشیر بن مسلم کندی مجہول الحال ہے۔

③ بشیر بن مسلم کا سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے سماع معلوم نہیں۔

❁ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لَمْ يَصِحَّ حَدِيثُهُ.

''بشیر بن مسلم کندی کی (یہ) حدیث ثابت نہیں۔''

(التّاريخ الكبير: 105/2)

❁ حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

هُوَ حَدِيثٌ ضَعِيفٌ مُظْلِمُ الْإِسْنَادِ لَا يُصَحِّحُهُ أَهْلُ الْعِلْمِ بِالْحَدِيثِ لِأَنَّ رُوَاتَهُ مَجْهُولُونَ لَا يُعْرَفُونَ.

''یہ حدیث ضعیف ہے، اس کی سند اندھیری ہے، محدثین اسے صحیح قرار نہیں دیتے، کیونکہ اس کے (دو) راوی مجہول و غیر معروف ہیں۔''

(التّمهيد: 240/1)

❁ حافظ خطابی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

قَدْ ضَعَّفُوا إِسْنَادَ هٰذَا الْحَدِيثِ.

”محدثین کرام نے اس حدیث کی سند کو ضعیف قرار دیا ہے۔“

(مَعالم السّنن : 238/2)

❁ علامہ ابن دقیق العید رحمہ اللہ نے اس حدیث کو ”ضعیف“ قرار دیا ہے۔

(شرح الإلمام بأحاديث الأحكام : 85/1)

❁ حافظ ابن ملقن رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

هُوَ ضَعِيفٌ بِاتِّفَاقِ الْأَئِمَّةِ .

”اس حدیث کے ضعیف ہونے پر ائمہ کا اتفاق ہے۔“

(خُلاصة البدر المُنير : 344/1)

❁ علامہ عینی حنفی رحمہ اللہ نے اسے ضعیف کہا ہے۔

(عمدة القاري : 87/14)

اس حدیث کے دیگر ضعیف شواہد بھی ہیں۔

سوال: سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

دَخَلَ عَلَيَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ فَقَالَ : هَلْ عِنْدَكُمْ شَيْءٌ؟ فَقُلْنَا : لَا، قَالَ : فَإِنِّي إِذَنْ صَائِمٌ، ثُمَّ أَتَانَا يَوْمًا آخَرَ فَقُلْنَا : يَا رَسُولَ اللّٰهِ، أُهْدِيَ لَنَا حَيْسٌ فَقَالَ : أَرِينِيهِ، فَلَقَدْ أَصْبَحْتُ صَائِمًا فَأَكَلَ .

”نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن میرے پاس آئے اور پوچھا: کیا گھر میں کھانا موجود ہے؟ عرض کیا: جی نہیں۔ فرمایا: تب میں روزے سے ہوں، پھر کسی اور دن تشریف لائے، تو ہم نے عرض کیا: اللہ کے رسول! تحفے میں حلوہ آیا ہے، فرمایا:

لائیں، ویسے تو صبح میں نے روزہ رکھا تھا، پھر آپ نے حلوہ کھالیا۔''

(صحیح مسلم : 1154)

✿ حافظ نووی رحمہ اللہ (٦٧٦ھ) فرماتے ہیں:

فِي الرِّوَايَةِ الثَّانِيَةِ التَّصْرِيحُ بِالدَّلَالَةِ لِمَذْهَبِ الشَّافِعِيِّ وَمُوَافِقِيهِ فِي أَنَّ صَوْمَ النَّافِلَةِ يَجُوزُ قَطْعُهُ وَالْأَكْلُ فِي أَثْنَاءِ النَّهَارِ وَيَبْطُلُ الصَّوْمُ لِأَنَّهُ نَفْلٌ فَهُوَ إِلٰى خِيَرَةِ الْإِنْسَانِ فِي الْابْتِدَاءِ وَكَذَا فِي الدَّوَامِ وَمِمَّنْ قَالَ بِهٰذَا جَمَاعَةٌ مِّنَ الصَّحَابَةِ وَأَحْمَدُ وَإِسْحَاقُ وَآخَرُونَ وَلٰكِنَّهُمْ كُلُّهُمْ وَالشَّافِعِيَّ مَعَهُمْ مُتَّفِقُونَ عَلَى اسْتِحْبَابِ إِتْمَامِهِ .

''دوسری روایت امام شافعی اور آپ کے موافقین کی دلیل ہے، کہ نفلی روزہ توڑ کر کچھ کھالینا جائز ہے، اس سے روزہ فاسد ہو جائے گا۔ کیوں کہ یہ نفل ہے اور نفل جیسے ابتدا میں انسان کی مرضی پر ہوتا ہے، ایسے ہی اسے جاری رکھنا بھی مرضی پر موقوف ہے۔ یہ موقف صحابہ کرام کی ایک جماعت، امام احمد، امام اسحاق رحمہم اللہ وغیرہم کا ہے، لیکن امام شافعی رحمہ اللہ سمیت تمام اسے مکمل کرنا مستحب سمجھتے ہیں۔''

(شرح النّووي : 35/8)

یہ اور دیگر احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ نفل شروع کرنے سے انہیں پورا کرنا واجب نہیں ہوتا، بلکہ اگر کوئی نفل کو مکمل کرنے سے پہلے چھوڑ دے، تو اس پر قضا مستحب ہی رہتی ہے، واجب نہیں ہوتی۔

لیکن بعض اہل علم کہتے ہیں کہ نفل شروع کرنے سے واجب ہو جاتے ہیں، اب اگر انہیں پورا نہ کیا جائے، تو قضا لازم ہوتی ہے، اس پر وہ مندرجہ ذیل آیت کریمہ سے استدلال پیش کرتے ہیں۔

❁ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ﴾(محمّد : ٣٣)

''اپنے اعمال باطل مت کرو۔''

اس استدلال کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟

جواب: جمہور اہل علم کا مذہب ہے کہ کسی نفل کام کو شروع کیا جائے، تو اختتام تک نفل ہی رہتا ہے، واجب نہیں ہوتا، سوائے نفلی حج اور عمرہ کے۔

بعض اہل علم کی رائے ہے کہ نفل جب تک شروع نہ کر دیئے جائیں، نفل رہتے ہیں، لیکن جب ادا کرنا شروع کر دیا تو مکمل کرنا واجب ہے، مکمل نہ کرنے پر قضا لازم ہے۔ اس پر کئی نصوص سے استدلال کیے جاتے ہیں۔

مذکورہ بالا آیت سے استدلال درست نہیں:

① کسی سنی مفسر یا محدث نے آیت کا یہ معنی بیان نہیں کیا۔

② آیت سے اُخروی بطلان مراد ہے، یعنی اجر وثواب سے محرومی ہو جاتی، یہاں فقہی بطلان مراد نہیں۔

③ اگر اس آیت سے استدلال کرنا ہے تو قضا کو فرض کہنا چاہیے، نہ کہ واجب۔ احناف کا نظریہ ہے کہ قرآنی نص سے ثابت ہونے والی چیز فرض ہوتی ہے۔

❁ حافظ ابن عبد البر رحمہ اللہ (٤٦٣ھ) فرماتے ہیں:

أَمَّا مَنِ احْتَجَّ فِي هٰذِهِ الْمَسْأَلَةِ بِقَوْلِهِ : ﴿وَلَا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ﴾، فَجَاهِلٌ بِأَقْوَالِ أَهْلِ الْعِلْمِ فِيهَا وَذٰلِكَ أَنَّ الْعُلَمَاءَ فِيهَا عَلٰى قَوْلَيْنِ، فَقَوْلُ أَكْثَرِ أَهْلِ السُّنَّةِ : لَا تُبْطِلُوهَا بِالرِّيَاءِ أَخْلِصُوهَا لِلّٰهِ، وَقَالَ آخَرُونَ : ﴿وَلَا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ﴾، بِارْتِكَابِ الْكَبَائِرِ .

''اس آیت سے یہ مسئلہ ثابت نہیں ہوتا، جو ایسا کرتا ہے وہ اہل علم کے اقوال سے بے خبر ہے، علما نے اس آیت کی دو تفاسیر بیان کی ہیں:
اکثر اہل سنت کہتے ہیں کہ اعمال کو ریا کاری سے باطل مت کرو، خالص اللہ کے لیے عمل کرو۔ بعض علما کہتے ہیں کہ کبیرہ گناہوں کے ارتکاب سے اعمال ضائع مت کرو۔''

(الإستذكار : 3/358)

❁ سید احمد رضا بجنوری دیوبندی صاحب لکھتے ہیں:

''حضرت (انور شاہ کشمیری صاحب) نے یہ بھی فرمایا ہے کہ آیت : ﴿وَلَا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ﴾ سے استدلال زیادہ اچھا نہیں، کیونکہ آیت کا مقصد بطلان ثواب ہے، بطلان فقہی نہیں، لہذا وہ ﴿لَا تُبْطِلُوا صَدَقَاتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْأَذٰى﴾ کی طرح ہے۔''

(أنوار الباري : 4/142)

❁ علامہ عبید اللہ مبارکپوری رحمہ اللہ (۱۴۱۴ھ) فرماتے ہیں:

أُجِيبَ عَنِ الْاِحْتِجَاجِ بِإِجْمَاعِ الصَّحَابَةِ بِأَنَّهُ مُجَرَّدُ دَعْوٰى

بِلَا سَنَدٍ، فَلَا يُقْبَلُ، قَالَ الْقَارِيُّ : هُوَ مَرْدُودٌ؛ لِأَنَّ ذِكْرَ السَّنَدِ لَيْسَ بِشَرْطٍ لِصِحَّةِ الْإِجْمَاعِ، مَعَ أَنَّ الْآيَةَ سَنَدٌ مُعْتَمَدٌ لِصِحَّةِ الْإِجْمَاعِ، قُلْتُ : لَمْ يَثْبُتْ نَصًّا عَنْ أَحَدٍ مِنَ الصَّحَابَةِ أَنَّهُ ذَهَبَ إِلٰى وُجُوبِ الْإِتْمَامِ بَعْدَ الشُّرُوعِ، فَضْلًا عَنْ إِجْمَاعِهِمْ عَلٰى ذٰلِكَ، فَلَا يُلْتَفَتُ إِلٰى دَعْوَى الْإِجْمَاعِ مَعَ وُجُودِ النُّصُوصِ الصَّرِيحَةِ عَلٰى عَدَمِ الْوُجُوبِ، وَأَمَّا الْاِسْتِنَادُ بِالْآيَةِ فَقَدْ عَرَفْتَ فَسَادَهُ.

”اجماع صحابہ سے حجت پکڑنے کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ محض دعویٰ ہے، جس کی کوئی بنیاد نہیں، لہٰذا یہ اجماع قبول نہیں۔ علامہ ملا علی قاری رحمہ اللہ نے جواباً کہا: یہ بات مردود ہے، کیونکہ اجماع کی صحت کے لیے (کتاب وسنت میں اس کی) اصل کا ہونا شرط نہیں، اس کے باوجود (مذکورہ) آیت اجماع کی صحت پر معتبر بنیاد ہے۔ میں (مبارکپوری رحمہ اللہ) کہتا ہوں: کسی ایک بھی صحابی سے صراحت کے ساتھ ثابت نہیں کہ وہ نفل شروع کرنے کے بعد اسے پورا کرنے کے وجوب کا قائل ہو، چہ جائیکہ کہ اس پر صحابہ کا اجماع ہو، لہٰذا اجماع کے دعویٰ کی طرف التفات نہیں کیا جائے گا، حالانکہ عدم وجوب پر صریح نصوص موجود ہیں، رہا آیت سے استدلال، تو اس کی کمزوری آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں۔“

(مِرعاۃ المَفاتیح: 68/1)

معلوم ہوا کہ آیت سے استدلال درست نہیں۔

سوال: سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ نَامَ عَنْ صَلَاةٍ أَوْ نَسِيَهَا فَكَفَّارَتُهَا أَنْ يُصَلِّيَهَا إِذَا ذَكَرَهَا .

''جو نماز پڑھنا بھول جائے یا سویا رہے، اس کا کفارہ یہی ہے کہ جب اسے یاد آئے، نماز پڑھ لے۔''

(صحيح البخاري : 597، صحيح مسلم : 684، المُنتقٰى لابن الجارود : 239)

اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ جب بھی نماز سے جاگ آئے یا یاد آئے، اسی وقت نماز پڑھ لینی چاہیے، خواہ سورج طلوع ہو رہا ہو یا سورج غروب ہو رہا ہو۔

جبکہ دیگر احادیث میں طلوع آفتاب اور غروب آفتاب کے وقت نماز پڑھنے کی ممانعت ہے۔

❁ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنِ الصَّلَاةِ بَعْدَ الْعَصْرِ حَتّٰى تَغْرُبَ الشَّمْسُ، وَعَنِ الصَّلَاةِ بَعْدَ الصُّبْحِ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ .

''رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کے بعد سورج غروب ہونے اور فجر کے بعد سورج طلوع ہونے تک نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔''

(صحيح البخاري : 588، صحيح مسلم : 825)

اس اشکال کا کیا جواب ہے؟

جواب: طلوع آفتاب اور غروب آفتاب کے وقت مطلق نوافل پڑھنا منع ہے۔ البتہ سببی اور فرض نماز کی ممانعت نہیں۔ سویا ہوا شخص اور جسے نماز بھول جائے، وہ معذور

ہیں، انہیں جب جاگ آئے گی یا یاد آئے گا، اسی وقت نماز پڑھیں گے، ان کا یہی کفارہ ہے۔ خواہ وہ ممنوع وقت ہو۔ طلوع آفتاب اور غروب آفتاب مطلق نفل نماز کے لیے ممنوع اوقات ہیں، سببی یا فرض نماز کے لیے نہیں۔

❁ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ نَسِيَ الصَّلَاةَ فَلْيُصَلِّهَا إِذَا ذَكَرَهَا، فَإِنَّ اللّٰهَ قَالَ : ﴿أَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي﴾(طه : ١٤)

”جو نماز پڑھنا بھول جائے، تو وہ یاد آنے پر پڑھ لے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:﴿أَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي﴾(طه : ١٤)”میری یاد کے لیے نماز قائم کرو۔“

(صحیح مسلم : 680)

سوال: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُؤُوْسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ﴾(المائدة : 6)

”ایمان والو! نماز کے لیے کھڑے ہونے لگو، تو چہرہ دھوو، کہنیوں سمیت ہاتھ اور ٹخنوں سمیت پاؤں دھوؤ اور سر کا مسح کرو۔“

روافض کہتے ہیں کہ اس آیت میں ﴿وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ﴾ میں زیر کی قرأت بھی ثابت ہے، جس کا تقاضا ہے کہ وضو میں پاؤں پر مسح کیا جائے گا، کیونکہ پاؤں کا عطف سر کے مسح پر ڈالا گیا ہے اور جو قرأت زبر والی ہے، وہ استحباب پر محمول ہے۔ مطلب

کہ وضو میں پاؤں دھونا مستحب ہے، لہٰذا اگر کوئی شخص وضو کرتے ہوئے پاؤں نہ دھوئے، صرف مسح کر لے، تو زیر والی قرأت کی رو سے اس کا وضو درست ہے۔

اس اشکال کا کیا جواب ہے؟

جواب: قرآنِ کریم کی اس آیت کریمہ میں پاؤں دھونے کا حکم دیا گیا ہے۔ ثابت ہوا کہ وضو میں پاؤں دھونا فرض ہے۔ اس آیت کی صحیح تفسیر یہی ہے۔

جو لوگ کہتے ہیں کہ ﴿وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ﴾ میں ﴿وَأَرْجُلَكُمْ﴾ کو زبر کے بجائے زیر سے پڑھتے ہوئے اس کا عطف ﴿بِرُؤُوْسِكُمْ﴾ پر کرتے ہیں کہ جس طرح سر کا مسح کیا جاتا ہے، اسی طرح پاؤں پر بھی مسح کیا جائے، ان کا مبرہن ردّ اس حدیث سے ہو جاتا ہے۔

زبر پڑھیں یا زیر، دونوں قرأتیں صحیح ہیں، لیکن دونوں صورتوں میں معنی پاؤں دھونے ہی کا ہوگا، کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے بیان کر دیا کہ اللہ نے پاؤں دھونے کا حکم فرمایا ہے۔ نبی ﷺ کے فعل مبارک سے بھی یہی ثابت ہے۔ حدیث ہی قرآن کی سب سے معتبر تفسیر وتشریح ہے۔

❀ علامہ ماوردی رحمہ اللہ (۴۵۰ھ) فرماتے ہیں:

غَسْلُ الرِّجْلَيْنِ فِي الْوُضُوءِ مُجْمَعٌ عَلَيْهِ بِنَصِّ الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ، وَفَرْضُهَا عِنْدَ كَافَّةِ الْفُقَهَاءِ الْغَسْلُ دُونَ الْمَسْحِ.

''وضو میں پاؤں دھونا نصوص کتاب وسنت سے ثابت ہے اور اس پر اجماع ہے۔ تمام فقہا کے نزدیک پاؤں کا فرض ان کو دھونا ہے، نہ کہ ان کا مسح کرنا۔''

(الحاوي الكبير: 148/1)

زیر والی قرأت بھی اگرچہ ثابت ہے، لیکن اس سے بھی پاؤں دھونے کی نفی نہیں ہوتی، بلکہ اس کی صحیح تفسیر بھی پاؤں دھونے ہی کی ہے۔

عربی زبان میں مسح ''دھونے'' کے معنی میں بھی مستعمل ہے۔ عربی دان اس سے بخوبی آگاہ ہیں۔ نزال بن سبرہ تابعی رحمہ اللہ کی بیان کردہ ایک صحیح حدیث میں مسح دھونے کے معنی میں مستعمل ہے، نیز خود سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا عمل یہی بتاتا ہے۔

❀ حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ (۴۶۳ھ) فرماتے ہیں:

إِنْ كَانَتْ قَدْ قُرِأَتْ : ﴿وَأَرْجُلِكُمْ﴾، بِالْجَرِّ، فَذٰلِكَ مَعْطُوفٌ عَلَى اللَّفْظِ، دُونَ الْمَعْنٰى، وَالْمَعْنٰى فِيهِ الْغَسْلُ، عَلَى التَّقْدِيمِ وَالتَّأْخِيرِ، فَكَأَنَّهٗ قَالَ عَزَّ وَجَلَّ : إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ وَامْسَحُوا بِرُؤُوسِكُمْ، وَالْقِرَائَتَانِ بِالنَّصْبِ وَالْجَرِّ صَحِيحَتَانِ مُسْتَفِيضَتَانِ، وَالْمَسْحُ ضِدُّ الْغَسْلِ، وَمُخَالِفٌ لَّهٗ، وَغَيْرُ أَنْ تُبْطَلَ إِحْدَى الْقِرَاءَتَيْنِ بِالْأُخْرٰى، مَا وُجِدَ إِلٰى تَخْرِيجِ الْجَمْعِ بَيْنَهُمَا سَبِيلٌ، وَقَدْ وَجَدْنَا الْعَرَبَ تَخْفِضُ بِالْجِوَارِ ...... فَعَلٰى مَا ذَكَرْنَا تَكُونُ مَعْنَى الْقِرَائَةِ بِالْجَرِّ النَّصْبُ، وَيَكُونُ الْخَفْضُ عَلَى اللَّفْظِ لِلْمُجَاوِرَةِ، وَالْمَعْنَى الْغَسْلُ، وَقَدْ يُرَادُ بِلَفْظِ الْمَسْحِ الْغَسْلُ عِنْدَ الْعَرَبِ، مِنْ قَوْلِهِمْ : تَمَسَّحْتُ لِلصَّلَاةِ، وَالْمُرَادُ الْغَسْلُ، وَيُشِيرُ إِلٰى هٰذَا التَّأْوِيلِ كُلِّهٖ قَوْلُ

النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : وَيْلٌ لِّلْأَعْقَابِ مِنَ النَّارِ .

”اسے زیر کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے، لیکن یہ لفظ پر عطف ہے، معنی پر نہیں۔ یہ تقدیم وتاخیر کے قبیل سے ہے، اس کا معنی دھونا ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان کا مطلب یہ ہے کہ جب نماز کے لیے کھڑے ہونے لگو، تو چہرے، کہنیوں سمیت ہاتھ اور ٹخنوں سمیت پاؤں دھولو اور سروں کا مسح کرلو۔ نصب (زبر) اور جر (زیر) کے ساتھ دونوں قراء تیں صحیح اور مشہور ہیں۔ (ظاہری طور پر اگرچہ) مسح دھونے کی ضد اور اس کے خلاف ہے، لیکن دونوں قرائتوں میں ایک کو باطل کہنا اس وقت تک جائز نہیں، جب تک دونوں کی مطابقت وموافقت کا کوئی راستہ ہو۔ ہم نے دیکھا ہے کہ عرب قرب کی بنا پر جر (زیر) دے دیتے ہیں۔۔۔ ہمارے بیان کے مطابق جر (زیر) والی قراء ت کا معنی نصب (زبر) والا ہی ہے، جبکہ جر (زیر) صرف قرب کی وجہ سے لفظی طور پر ہے، چنانچہ اس کا معنی دھونا ہی ہے۔ پھر کبھی عرب مسح کا لفظ دھونے پر بول دیتے ہیں، جیسا کہ عرب کہتے ہیں: تَمَسَّحْتُ لِلصَّلَاةِ ”میں نے نماز کے لیے مسح کیا۔“ اور مراد (وضو میں اعضا) دھونا ہوتا ہے۔ اسی معنی کی طرف نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان اشارہ کرتا ہے: وَيْلٌ لِّلْأَعْقَابِ مِنَ النَّارِ خشک ایڑھیوں کے لیے جہنم کی وادی ’ویل‘ ہے۔“

(التّمهيد لما في المؤطّإ من المعاني والأسانيد : 24/255,254)

❀ علامہ طیبی رحمہ اللہ (۷۴۳ھ) فرماتے ہیں:

ذَهَبَ الشِّيعَةُ إِلٰى أَنَّهُ يُمْسَحُ عَلَى الرِّجْلَيْنِ، لِقَوْلِهٖ تَعَالٰى :

﴿وَامْسَحُوْا بِرُءُ وْسِكُمْ وَأَرْجُلِكُمْ﴾ عَلٰى قِرَاءَ ةِ الْجَرِّ، فَإِنَّهٗ تَعَالٰى عَطَفَ الرِّجْلَ عَلَى الرَّأْسِ، وَالرَّأْسُ يُمْسَحُ، فَكَذَا الرِّجْلُ، قُلْنَا : وَقَدْ قُرِئَ بِالنَّصْبِ، عَطْفًا عَلٰى قَوْلِهٖ : ﴿وَأَيْدِيكُمْ﴾، وَإِذَا ذُهِبَ إِلَى الْمَسْحِ يَبْقٰى مُقْتَضَى النَّصِّ غَيْرَ مَعْمُولٍ بِهٖ، بِخِلَافِ الْعَكْسِ، فَإِنَّ الْمَسْحَ مَغْمُورٌ بِالْغَسْلِ، عَلٰى أَنَّ الْأَحَادِيثَ الصَّحِيحَةَ تَوَاتَرَتْ، مُعَاضِدَةً لِّقِرَاءَ ةِ النَّصْبِ، فَوَجَبَ تَأْوِيلُ الْقِرَاءَ ةِ بِالْكَسْرِ، وَفِيهِ وُجُوهٌ ؛ أَحَدُهَا الْعَطْفُ عَلَى الْجِوَارِ، كَقَوْلِهٖ تَعَالٰى : ﴿عَذَابَ يَوْمٍ أَلِيْمٍ﴾(هود : 26)، وَالْأَلِيمُ صِفَةُ الْعَذَابِ، فَأَخَذَ إِعْرَابَ الْيَوْمِ لِلْمُجَاوَرَةِ، وَقَوْلِهٖ تَعَالٰى : ﴿عَذَابَ يَوْمٍ مُّحِيْطٍ﴾(هود : 84) ...... وَالثَّانِي الْاِسْتِغْنَاءُ بِأَحَدِ الْفِعْلَيْنِ عَنِ الْآخَرِ، وَالْعَرَبُ إِذَا اجْتَمَعَ فِعْلَانِ مُتَقَارِبَانِ فِي الْمَعْنٰى، وَلِكُلٍّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مُتَعَلِّقٌ، جَوَّزَتْ ذِكْرَ أَحَدِ الْفِعْلَيْنِ، وَعَطْفَ مُتَعَلِّقِ الْمَحْذُوفِ عَلٰى مُتَعَلِّقِ الْمَذْكُورِ، عَلٰى حَسَبِ مَا يَقْتَضِيهِ لَفْظُهٗ، حَتّٰى كَأَنَّهٗ شَرِيكُهٗ فِي أَصْلِ الْفِعْلِ، كَمَا قَالَ الشَّاعِرُ :

يَا لَيْتَ! بَعْلُكَ قَدْ غَدَا .... مُتَقَلِّدًا سَيْفًا وَّرُمْحًا

وَكَقَوْلِ الْآخَرِ : .... عَلَّفْتُهَا تِبْنًا وَّمَاءً ا بَارِدًا، تَقْدِيرُهٗ :

عَلَّفْتُها تِبْنًا، وَسَقَيْتُهَا مَاءً ا بَارِدًا، وَمُتَقَلِّدًا سَيْفًا، وَحَامِلًا رُمْحًا، وَالثَّالِثُ قَوْلُ الزَّجَّاجِ : يَجُوزُ ﴿أَرْجُلِكُمْ﴾ بِالْخَفْضِ، عَلٰى مَعْنٰى : فَاغْسِلُوا، لِأَنَّ قَوْلَهٗ تَعَالٰى : ﴿إِلَى الْكَعْبَيْنِ﴾ قَدْ دَلَّ عَلَيْهِ، لِأَنَّ التَّحْدِيدَ يُفِيدُ الْغَسْلَ، كَمَا فِي قَوْلِهٖ تَعَالٰى : ﴿إِلَى الْمَرَافِقِ﴾، وَلَوْ أُرِيدَ الْمَسْحُ لَمْ يَحْتَجْ إِلَى التَّحْدِيدِ، كَمَا فِي قَوْلِهٖ : ﴿وَامْسَحُوْا بِرُءُ وْسِكُمْ﴾ مِنْ غَيْرِ تَحْدِيدٍ، وَيُطْلَقُ الْمَسْحُ عَلَى الْغَسْلِ .

”روافض کا مذہب ہے کہ وضو میں پاؤں پر مسح کیا جائے۔ دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: ﴿وَامْسَحُوْا بِرُءُ وْسِكُمْ وَأَرْجُلِكُمْ﴾ وہ اس قرأت میں زیر پڑھتے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رِجْل ”پاؤں“ کا عطف رأْس ”سر“ پر کیا ہے، لہٰذا جس طرح سر کا مسح کیا جاتا ہے، اسی طرح پاؤں کا مسح کیا جائے گا۔ ہم کہتے ہیں کہ اسے أَيْدِي ”ہاتھوں“ پر عطف کرتے ہوئے نصب (زبر) کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے۔ جب مسح کرنے کا مذہب اپنایا جائے گا، تو فرمانِ باری تعالیٰ کا تقاضا پورا نہیں ہو سکے گا۔ اس کے برعکس اگر دھویا جائے گا، تو مسح پر بھی عمل ہو جائے گا۔ پھر متواتر صحیح احادیث بھی نصب (زبر) والی قراءت کی تائید کرتی ہیں۔ لہٰذا کسرہ (زیر) والی قراءت کی تاویل کرنا ضروری ہے۔ اس کی کئی صورتیں ہیں: ایک تو یہ کہ زیر کو جوار (قریبی لفظ) کی بنا پر تسلیم کیا جائے، جیسا کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے: ﴿عَذَابَ يَوْمٍ

أَلِيْمٍ﴾ (هود : 26) یہاں پر لفظ أَلِيْم لفظ عَذَاب کی صفت ہے، لیکن قرب کی بنا پر اس نے أَلِيْم کا اعراب لے لیا۔ اسی طرح فرمانِ باری تعالیٰ ہے : ﴿عَذَابَ يَوْمٍ مُّحِيْطٍ﴾(هود : 84) اس میں لفظ مُحِيط لفظ عَذَاب کی صفت ہے، (اس نے قرب کی وجہ سے 'یوم' کا اعراب قبول کر لیا)۔ دوسری صورت یہ ہے کہ دو فعلوں میں سے ایک کو حذف مان کر دوسرے پر اکتفا تسلیم کیا جائے۔ عرب ایسا کرتے رہتے ہیں کہ جب دو فعل قریب المعنی ہوں اور دونوں کے متعلق موجود ہوں تو الفاظ کے تقاضے کے مطابق وہ ان میں سے ایک کو حذف کر کے محذوف کے متعلق کو مذکور کے متعلق پر عطف کرنا جائز قرار دیتے ہیں۔ ایسی صورتوں میں یوں محسوس ہوتا ہے کہ دوسرا متعلق بھی پہلے متعلق کے ساتھ اصل فعل میں شریک تھا۔ اس کی مثال شاعر کا یہ قول ہے:

يَا لَيْتَ! بَعْلُكَ قَدْ غَدَا .... مُتَقَلِّدًا سَيْفًا وَّرُمْحًا

ایک دوسرے شاعر نے کہا ہے:

عَلَّفْتُهَا تِبْنًا وَّمَاءً ا بَارِدًا .

دوسری عبارت اصل میں یوں تھی:

عَلَّفْتُهَا تِبْنًا وَّسَقَيْتُهَا مَاءً ا بَارِدًا

جبکہ پہلی عبارت اصل میں یوں تھی:

مُتَقَلِّدًا سَيْفًا وَّحَامِلًا رُمْحًا

(اس آیت کریمہ کی اصل عبارت یوں ہوگی کہ سر کا مسح کرو اور پاؤں ٹخنوں

سمیت دھوؤ)۔ تیسری صورت علامہ زجاج رحمہ اللہ نے بیان کی ہے کہ زیر کے ساتھ پڑھنے پر یہاں دھونے کا معنی ہو گا، کیونکہ ''ٹخنوں سمیت'' کی قید دھونے پر دلالت کرتی ہے۔ جس طرح ہاتھوں میں ''کہنیوں سمیت'' کی قید ہے اور وہ دھوئے جاتے ہیں، اسی طرح پاؤں میں بھی ''ٹخنوں سمیت'' کی قید ہے، لہٰذا انہیں بھی دھویا جائے گا۔ اگر پاؤں کا مسح ہی مراد ہوتا، تو قید کی ضرورت نہیں تھی، جیسا کہ سر پر مسح کرنے میں کوئی قید ذکر نہیں کی گئی۔ دوسری بات یہ کہ مسح کا لفظ دھونے پر بھی بولا جاتا ہے۔''

(مِرعاة المَفاتيح : 97/2)

سوال: درج ذیل روایت کی استنادی حیثیت کیا ہے؟

❁ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

كُنْتُ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَاءَ رَجُلٌ قَدْ تَوَضَّأَ وَفِي قَدَمِهِ مَوْضِعُ لَمْعَةٍ لَمْ يُصِبْهُ الْمَاءُ، قَالَ : ارْجِعْ فَأَتِمَّ وُضُوءَكَ .

''میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھا کہ ایک شخص آیا، اس نے وضو کیا تھا، مگر اس کے پاؤں کے ایک حصہ پر پانی نہیں پہنچا تھا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: واپس جائیے اور اپنے وضو کو مکمل کیجئے۔''

(سنن الدّارقطني : 382، 383، الضُّعفاء الكبير للعُقَيلي : 182/4، مستخرج أبي عوانة : 694)

جواب: سند سخت ضعیف ہے۔

① وازع بن نافع بالاتفاق ضعیف و منکر الحدیث ہے۔

❁ حافظ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

هُوَ مُتَّفَقٌ عَلٰى ضَعْفِهٖ وَأَنَّهٗ مُنْكَرُ الْحَدِيثِ .

''اس کے ضعیف اور منکر الحدیث ہونے پر (محدثین کا) اتفاق ہے۔''

(الأذکار، ص 30)

❁ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ حافظ نووی رحمہ اللہ کا قول نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

اَلْقَوْلُ فِيهِ أَشَدُّ مِنْ ذٰلِكَ .

''اس راوی پر اس سے بھی سخت جرح ہے۔''

(نتائج الأفکار: 267/1)

② مغیرہ بن سقلاب نے کئی غیر محفوظ روایات بیان کی ہیں۔

❁ امام ابن عدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

عَامَّةُ مَا يَرْوِيهِ، لَا يُتَابَعُ عَلَيْهِ .

''اس کی بیان کردہ اکثر روایات پر اس کی متابعت نہیں کی گئی۔''

(الکامل في ضُعفاء الرّجال: 83/8)

③ ابوخیثمہ مصعب بن سعید مصیصی ضعیف ہے۔

❁ امام ابن عدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

يُحَدِّثُ عَنِ الثِّقَاتِ بِالْمَنَاكِيرِ وَيُصَحِّفُ عَلَيْهِمْ .

''یہ ثقات سے منسوب منکر روایات بیان کرتا تھا اور خود تصحیف کر کے ان پر ڈال دیتا تھا۔''

(الکامل في ضُعفاء الرّجال: 89/8)

اس کی متابعت ابو فروہ یزید بن محمد بن یزید ''ضعیف ومتروک'' نے کی ہے۔ دوسرا متابع حارث بن بہرام کے حالات زندگی نہیں ملے، لہٰذا اس کی کوئی معتبر متابعت نہیں۔

❁ اس حدیث کے بارے میں امام ابو حاتم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

هٰذَا حديثٌ بَاطِلٌ بِهٰذَا الْإِسْنَادِ .

''اس سند کے ساتھ یہ حدیث باطل ہے۔''

(عِلَل الحديث : 176)

❁ امام عقیلی رحمہ اللہ نے اسے غیر محفوظ قرار دیا ہے۔

(الضُّعفاء الكبير : 182/4)

سوال: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ حوض کوثر کا ذکر کیا، صحابہ نے عرض کیا: اللہ کے محبوب! آپ ہمیں پہچان لیں گے؟ فرمایا: جی ہاں:

سِيمَا لَيْسَتْ لِأَحدٍ غَيْرِكُمْ تَرِدُونَ عَلَيَّ غُرًّا مُّحَجَّلِينَ مِنْ آثَارِ الْوُضُوءِ، وَلَيُصَدَّنَّ عَنِّي طَائِفَةٌ مِّنْكُمْ فَلَا يَصِلُونَ، فَأَقُولُ : يَا رَبِّ هٰؤُلَاءِ مِنْ أَصْحَابِي، فَيُجِيبُنِي مَلَكٌ، فَيَقُولُ : وَهَلْ تَدْرِي مَا أَحْدَثُوا بَعْدَكَ؟

''میری امت کی ایک مخصوص نشانی ہے، جو دوسروں کی نہیں ہے، آپ میرے پاس آئیں گے، تو وضو کے آثار کی وجہ سے چمک رہے ہوں گے، پھر ایک گروہ کو مجھ سے دور کر دیا جائے گا، وہ مجھ تک نہیں پہنچ سکیں گے، میں کہوں گا، اللہ! یہ میرے امتی ہیں، تو فرشتہ کہے گا: اے پیغمبر! کیا آپ جانتے ہیں کہ ان لوگوں نے آپ کے بعد کیا بدعات ایجاد کر لی تھیں؟''

(صحیح مسلم : 247)

بعض نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ وضو امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوۃ والسلام کا خاصہ ہے، پہلے کسی اُمت میں وضو مشروع نہیں ہوا۔

اس بارے میں کیا فرماتے ہیں؟

جواب: جیسے ہر اُمت کے لیے عبادت مشروع تھی، اسی طرح ہر اُمت میں طہارت مشروع رہی ہے، البتہ طہارت کے طریقہ اور انداز میں فرق ہے۔ وضو پہلی اُمتوں میں بھی مشروع رہا ہے۔

❀ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

هَاجَرَ إِبْرَاهِيمُ بِسَارَةَ، فَدَخَلَ بِهَا قَرْيَةً فِيهَا مَلِكٌ مِّنَ الْمُلُوكِ، أَوْ جَبَّارٌ مِنَ الْجَبَابِرَةِ فَقِيلَ : دَخَلَ إِبْرَاهِيمُ اللَّيْلَةَ بِامْرَأَةٍ هِيَ أَحْسَنُ النِّسَاءِ، فَأَرْسَلَ إِلَيْهِ أَنْ يَا إِبْرَاهِيمَ، مَنْ هٰذِهِ الَّتِي مَعَكَ؟ قَالَ : أُخْتِي، ثُمَّ رَجَعَ إِلَيْهَا فَقَالَ : لَا تُكَذِّبِينِي، قَدْ أَخْبَرْتُهُمْ أَنَّكِ أُخْتِي فَوَاللّٰهِ إِنْ عَلَى الْأَرْضِ مُؤْمِنٌ غَيْرِي وَغَيْرُكِ، فَأَرْسَلَ إِلَيْهِ أَنْ أَرْسِلْ بِهَا، فَأَرْسَلَ بِهَا إِلَيْهِ، فَقَامَ إِلَيْهَا، فَقَامَتْ تَوَضَّأُ وَتُصَلِّي .

”سیدنا ابراہیم علیہ السلام ایک بادشاہ کی بستی میں گئے، خبر دی گئی کہ آج رات ابراہیم ایک خوبصورت عورت کے ہمراہ بستی میں داخل ہوئے ہیں۔ بادشاہ نے پیغام بھیجا کہ ابراہیم آپ کے ساتھ یہ خاتون کون ہیں؟ فرمایا: یہ میری بہن ہیں، پھر

آپ علیہ السلام سیدہ سارہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے، کہا: میری تکذیب نہ کیجئے گا۔ میں نے انہیں بتایا ہے کہ آپ میری بہن ہیں، اللہ کی قسم اس وقت میرے اور آپ کے علاوہ کوئی مومن دنیا میں موجود نہیں۔ پھر سیدہ سارہ رضی اللہ عنہا کو بادشاہ کے پاس بھیج دیا، بادشاہ ان کی طرف آیا، آپ وضو کر کے نماز کے لئے کھڑی ہو گئیں۔''

(صحيح البخاري : 2217)

ثابت ہوا کہ ابراہیم علیہ السلام کے دین میں بھی نماز کے لیے وضو مشروع تھا۔ یہ ممکن ہے کہ وضو کے طریقہ میں فرق ہو، مگر ہر اُمت میں نماز کے لیے طہارت شرط رہی ہے، واللہ اعلم!

البتہ وضو کی وجہ سے جو چمک قیامت کے دن اعضائے وضو پر آئے گی، وہ اُمت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوۃ والسلام کا خاصہ ہے کہ ان کے وضو والے اعضا چمک دمک رہے ہوں گے، جس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اُمت کو پہچان لیں گے۔

سوال: درج ذیل روایت کی سند کیسی ہے؟

❀ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

كَانَ إِذَا قَامَ الْمُؤَذِّنُ فَأَذَّنَ صَلَاةَ الْمَغْرِبِ فِي الْمَسْجِدِ بِالْمَدِينَةِ، قَامَ مَنْ شَاءَ فَصَلَّى حَتّٰى تُقَامَ الصَّلَاةُ، وَمَنْ شَاءَ رَكَعَ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ قَعَدَ، وَذٰلِكَ بِعَيْنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

''جب مؤذن کھڑا ہوتا اور مدینہ کی مسجد میں نماز مغرب کے لیے اذان کہتا، تو بعض صحابہ اقامت تک نفل پڑھتے رہتے اور بعض صحابہ دو رکعت پڑھ کر بیٹھ جاتے، یہ سب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہوتا تھا۔''

(مسند الإمام أحمد : 191/3، ناسخ الحديث ومنسوخه لابن شاهين، ص 256،

فوائد موسیٰ بن ھارون : 44)

جواب: سند ضعیف اور متن منکر ہے۔ معلیٰ بن جابر مجہول الحال ہے۔

❁❁❁❁❁❁❁

فتاویٰ امن پوری (قسط ۳۹۳)

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

سوال: سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ اللّٰهَ إِذَا حَرَّمَ عَلٰى قَوْمٍ أَكْلَ شَيْءٍ حَرَّمَ عَلَيْهِمْ ثَمَنَهٗ .

''اللہ کسی قوم پر کوئی چیز کھانا حرام کرتا ہے، تو اس کی کمائی بھی حرام کر دیتا ہے۔''

(مسند الإمام أحمد: 247/1، سنن أبي داود: 3488، وسندهٗ حسنٌ)

❁ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

قَاتَلَ اللّٰهُ فُلَانًا، أَلَمْ يَعْلَمْ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: لَعَنَ اللّٰهُ الْيَهُودَ، حُرِّمَتْ عَلَيْهِمُ الشُّحُومُ فَجَمَّلُوهَا، فَبَاعُوهَا .

''فلاں شخص پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو، کیا اسے معلوم نہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ یہود پر لعنت کرے، جب ان پر چربی حرام کی گئی، تو انہوں نے اسے پگھلا کر بیچا۔''

(صحيح البخاري: 3460، صحيح مسلم: 1582)

بعض ملحدین ان احادیث پر اعتراض کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ حرام شے کی خرید وفروخت بھی حرام نہیں ہوتی، مثلاً اگر کوئی شخص ایسی لونڈی کا وارث بنا، جس سے اس کے باپ نے وطی کی ہو، تو بیٹے کے لیے بالا جماع اس لونڈی سے وطی کرنا حرام ہے، مگر وہ اس لونڈی کو فروخت کر سکتا ہے، لہٰذا حرام شے کی بیع بھی حرام نہیں ہوتی۔

اس اشکال کا کیا جواب ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے جس شے کو حرام قرار دیا ہے، اس کی خرید وفروخت بھی حرام ہے۔ یہ کلی قاعدہ ہے۔ لونڈی کی خرید وفروخت کو بنیاد بنا کر اس قاعدہ کی خلاف ورزی قطعاً درست نہیں۔

رہی لونڈی کی بات، تو بیٹے کے باپ نے جس لونڈی سے وطی کی ہو، اگر بیٹا اس لونڈی کا وارث بنے، تو وہ اس سے صرف وطی نہیں کر سکتی، باقی تمام کام وہ اس سے لے سکتا ہے، نیز وہ لونڈی بیٹے کے علاوہ دوسروں کے لیے مباح ہے، لہٰذا جس لونڈی سے باپ نے وطی کی ہو، بیٹا اسے فروخت کر سکتا ہے اور یہ کسی لحاظ سے کلی قاعدہ کے خلاف نہیں۔

سوال: سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنِ اقْتَنٰی کَلْبًا، لَیْسَ بِکَلْبِ مَاشِیَةٍ، أَوْ ضَارِیَةٍ، نَقَصَ کُلَّ یَوْمٍ مِّنْ عَمَلِهٖ قِیرَاطَانِ.

”جس نے ایسا کتا رکھا، جو مویشیوں کی دیکھ بھال کے لیے بھی نہ تھا اور نہ وہ شکار کے لیے رکھا گیا تھا، تو اس کے اعمال سے دو قیراط کم ہو جاتے ہیں۔“

(صحیح البخاري : 5480، صحیح مسلم : 1574)

اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ کتا رکھنے سے ہر روز دو قیراط اجر وثواب میں کمی آتی ہے، جبکہ دیگر احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک قیراط کمی ہوتی ہے۔

❀ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنِ اتَّخَذَ کَلْبًا، إِلَّا کَلْبَ زَرْعٍ، أَوْ غَنَمٍ، أَوْ صَیْدٍ، یَنْقُصُ مِنْ أَجْرِهٖ کُلَّ یَوْمٍ قِیرَاطٌ.

”جس نے کتا رکھا، اس کے اجر وثواب سے روزانہ ایک قیراط کم ہو جاتا ہے، سوائے اس کتے کے، جو کھیتی، ریوڑ یا شکار کے لیے رکھا گیا ہو۔“

(صحيح مسلم : 1574)

❀ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ أَمْسَكَ كَلْبًا يَنْقُصْ مِنْ عَمَلِهِ كُلَّ يَوْمٍ قِيرَاطٌ إِلَّا كَلْبَ حَرْثٍ، أَوْ كَلْبَ مَاشِيَةٍ .

”جس نے کتا رکھا، اس سے اعمال سے ہر روز ایک قیراط کم ہو جاتا ہے، سوائے اس کتے کے، جو کھیتی اور ریوڑ کی حفاظت کے رکھا جائے۔“

(صحيح البخاري : 2322، 3324، صحيح مسلم : 1575)

اس اشکال کا کیا جواب ہے؟

جواب: شوقیہ کتا پالنے سے اجر وثواب میں کمی ہوتی ہے، ایک قیراط اور دو قیراط دونوں طرح کی احادیث صحیح ہیں، اہل علم نے کمی کے اس فرق کی کئی وجوہات ذکر کی ہیں؛

① ممکن ہے کہ اجر کی کمی کتوں کی اقسام کے لحاظ سے کم یا زیادہ ہوتی ہو، بعض کتے رکھنے کی ممانعت زیادہ سخت ہو۔ اس وجہ سے کوئی کتا پالنے سے روزانہ ایک قیراط کم ہوتا ہو اور بعض کتے پالنے کی وجہ سے روزانہ دو قیراط کم ہوتے ہوں۔

② یہ بھی کہا گیا ہے کہ جگہ کے لحاظ سے اجر وثواب میں کمی ہوتی ہے، مثلاً مدینہ وغیرہ میں کتا رکھنے سے دو قیراط کم ہوتے ہوں اور مدینہ کے علاوہ رکھنے سے ایک قیراط کم ہوتا ہو، کیونکہ مکہ ومدینہ کی فضیلت زیادہ ہے۔

③ ممکن ہے کہ پہلے ایک قیراط کم ہونے کی خبر دی گئی ہو، پھر اس عمل پر مزید

سختی کر دی گئی ہو اور دو قیراط کم ہونے کی خبر دی گئی ہو۔

④ ایک قول یہ بھی ہے کہ ایک قیراط سابقہ اعمال میں سے کم ہوتا ہو اور دوسرا قیراط مستقبل کے اعمال میں سے کم ہوتا ہو۔ لہٰذا بعض احادیث میں سابقہ اعمال میں سے ایک قیراط کم ہونے کی خبر دی گئی ہے اور بعض میں سابقہ اور آئندہ اعمال میں سے ایک ایک قیراط کم ہونے کی خبر دی گئی ہے۔

⑤ بعض کہتے ہیں کہ ایک قیراط فرض اعمال اور ایک قیراط نفلی اعمال میں سے کم ہوتے ہیں۔ کسی حدیث میں فرض یا نفل میں سے ایک کا ذکر کر دیا گیا اور بعض احادیث میں دونوں کا ذکر کر دیا گیا۔

⑥ ممکن ہے کہ ایک قیراط دن کے اعمال میں سے کم ہوتا ہو اور دوسرا قیراط رات کے اعمال میں سے کم ہوتا ہو۔

حاصل کلام یہ کہ شوقیہ طور پر کتا رکھنے سے روزانہ کل دو قیراط اجر وثواب میں کمی ہوتی ہے، ایک قیراط والی حدیث دو قیراط والی روایت کے مخالف نہیں۔

سوال: بعض ملحدین یاجوج ماجوج کا انکار کرتے ہیں، کہتے ہیں کہ یاجوج ماجوج دنیا میں کہیں محصور نہیں ہیں۔ اس بارے میں کیا فرماتے ہیں؟

جواب: یاجوج وماجوج اللہ تعالیٰ کی عجیب مخلوق ہے، قرآن، احادیث صحیحہ اور اجماع اُمت کی رُو سے ان کا وجود مبنی بر حقیقت ہے، یہ مکلّف ہیں، روز قیامت انہیں سزا وجزا دی جائے گی۔ اس وقت زمین کے کسی خطہ میں محصور ہیں، قیامت کے قریب ان کا خروج ہوگا۔

یاجوج ماجوج اللہ تعالیٰ کی عجیب وغریب مخلوق ہے۔ یہ ایک مضبوط دیوار کے پیچھے

ہے، جسے بادشاہ ذوالقرنین نے بنایا ہے۔سورت کہف (۹۰۔۹۸) میں یاجوج وماجوج کا ذکر موجود ہے۔

یاجوج ماجوج کا خروج قیامت کی نشانی ہے۔قرب قیامت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے بعد یاجوج ماجوج دیوار سے نکلیں گے اور زمین میں تباہی برپا کردیں گے۔

❁ سیدنا حذیفہ بن اسید غفاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ہاں تشریف لائے، ہم آپس میں مذاکرہ کررہے تھے، آپ نے پوچھا: کیا مذاکرہ چل رہا ہے؟ حاضرین نے عرض کیا: قیامت کے متعلق گفتگو کررہے ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّهَا لَنْ تَقُومَ حَتّٰى تَرَوْنَ قَبْلَهَا عَشْرَ آيَاتٍ، فَذَكَرَ الدُّخَانَ، وَالدَّجَّالَ، وَالدَّابَّةَ، وَطُلُوعَ الشَّمْسِ مِنْ مَغْرِبِهَا، وَنُزُولَ عِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَيَأْجُوجَ وَمَأْجُوجَ، وَثَلَاثَةَ خُسُوفٍ ؛ خَسْفٌ بِالْمَشْرِقِ، وَخَسْفٌ بِالْمَغْرِبِ، وَخَسْفٌ بِجَزِيرَةِ الْعَرَبِ، وَآخِرُ ذٰلِكَ نَارٌ تَخْرُجُ مِنَ الْيَمَنِ، تَطْرُدُ النَّاسَ إِلٰى مَحْشَرِهِمْ.

”قیامت تب تک قائم نہیں ہوگی، جب تک دس نشانیاں ظاہر نہ ہوجائیں، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دھواں، دجال، دابۃ الارض، سورج کا مغرب سے طلوع ہونا، نزول عیسیٰ، یاجوج ماجوج کا خروج، تین مقامات سے خسف (زمین کا نیچے دھنس جانا)، مشرق کا خسف، مغرب کا خسف، جزیرہ عرب کا خسف اور ان سب سے آخری نشانی یہ ہے کہ یمن سے آگ نکلے گی، جولوگوں کوان کے محشر

کی طرف ہانک لائے گی۔''

(صحیح مسلم :2901)

یاجوج وماجوج کے فساد و فتنے سے بچنے کے لیے عیسیٰ علیہ السلام مومنوں کے ساتھ کوہِ طور میں محصور ہوں گے اور اللہ کے حضور گڑگڑا کر دعائیں کریں گے، تو اللہ تعالیٰ یاجوج وماجوج کو ہلاک کر دے گا۔

❁ سیدنا نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

...... يُحْصَرُ نَبِيُّ اللّٰهِ عِيسٰى وَأَصْحَابُهٗ، حَتّٰى يَكُونَ رَأْسُ الثَّوْرِ لِأَحَدِهِمْ خَيْرًا مِنْ مِائَةِ دِينَارٍ لِأَحَدِكُمُ الْيَوْمَ، فَيَرْغَبُ نَبِيُّ اللّٰهِ عِيسٰى وَأَصْحَابُهٗ، فَيُرْسِلُ اللّٰهُ عَلَيْهِمُ النَّغَفَ فِي رِقَابِهِمْ، فَيُصْبِحُونَ فَرْسٰى كَمَوْتِ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ، ثُمَّ يَهْبِطُ نَبِيُّ اللّٰهِ عِيسٰى وَأَصْحَابُهٗ إِلَى الْأَرْضِ، فَلَا يَجِدُونَ فِي الْأَرْضِ مَوْضِعَ شِبْرٍ إِلَّا مَلَأَهٗ زَهَمُهُمْ وَنَتْنُهُمْ، فَيَرْغَبُ نَبِيُّ اللّٰهِ عِيسٰى وَأَصْحَابُهٗ إِلَى اللّٰهِ، فَيُرْسِلُ اللّٰهُ طَيْرًا كَأَعْنَاقِ الْبُخْتِ فَتَحْمِلُهُمْ فَتَطْرَحُهُمْ حَيْثُ شَاءَ اللّٰهُ، ثُمَّ يُرْسِلُ اللّٰهُ مَطَرًا لَا يَكُنُّ مِنْهُ بَيْتُ مَدَرٍ وَلَا وَبَرٍ، فَيَغْسِلُ الْأَرْضَ حَتّٰى يَتْرُكَهَا كَالزَّلَفَةِ ....

''......اللہ کے نبی عیسیٰ علیہ السلام اور آپ کے ساتھی (کوہِ طور پر) محصور ہو کر رہ جائیں گے، یہاں تک کہ جو آپ کے ہاں اِس وقت سو دینار کی حیثیت ہے،

ان میں سے ہر ایک کے نزدیک بیل کا سر اس سے کہیں زیادہ قیمتی اور بہتر ہوگا، تو اللہ کے نبی عیسیٰ علیہ السلام اور آپ کے ساتھی گڑگڑا کر دعا کریں گے، اللہ تعالیٰ یاجوج وماجوج کی گردنوں میں کیڑوں کا عذاب نازل کرے گا، جس سے وہ سب (اکٹھے) مرجائیں گے کہ گویا ایک ہی انسان کی موت ہوئی ہو۔ پھر اللہ کے نبی عیسیٰ علیہ السلام اور آپ کے ساتھی (کوہِ طور سے) زمین پر اُتریں گے، تو انہیں ایک بالشت بھی زمین خالی نہیں ملے گی، بلکہ ہر جگہ یاجوج وماجوج کی گندگی اور بدبو پھیلی ہوگی، تو اللہ کے نبی عیسیٰ علیہ السلام اور آپ کے ساتھی گڑگڑا کر دعائیں کریں گے، اللہ تعالیٰ بختی اُونٹوں کی طرح لمبی گردنوں والے پرندے بھیجے گا، جو یاجوج وماجوج (کی نعشوں) کو اٹھا کر وہاں پھینک دیں گے، جہاں اللہ چاہے گا، پھر اللہ تعالیٰ ایسی بارش نازل کرے گا، جس سے کوئی پکا یا کچا گھر اُوٹ مہیا نہیں کر سکے گا، وہ زمین کو دھو کر شیشے کی طرف صاف کردے گی......"

(صحیح مسلم : 2937)

یاجوج ماجوج کا خروج قیامت کی نشانی میں سے ہے۔

یاجوج وماجوج زمین میں فساد برپا کریں گے، جب وہ محسوس کریں گے کہ ہم نے زمین والوں کو قتل کر دیا ہے، تو وہ کہیں گے کہ ہم آسمان والے کو بھی قتل کر دیتے ہیں، (نعوذ باللہ!) پھر وہ آسمان کی طرف تیر پھینکے گے، اللہ تعالیٰ تیروں کو خون آلود کر کے نیچے پھینک دے گا، وہ سمجھے گے کہ (نعوذ باللہ!) ہم نے اللہ تعالیٰ کو بھی ختم کر دیا۔

(صحیح مسلم : 2937)

ساری کی ساری زمین کسی انسان نے نہیں دیکھی، اللہ کے علم میں ہے کہ یاجوج

ماجوج زمین میں کہاں محصور ہیں؟ ہمارے ذمہ صرف اور صرف ان کے وجود کو تسلیم کرنا ہے اور کتاب وسنت کے دلائل کی تصدیق کرنا ہے۔

سوال: بعض ملحدین فرشتوں کے وجود کا انکار کرتے ہیں، کہتے ہیں کہ فرشتوں سے مراد قوائے ملکوتی ہیں۔اس بارے کیا کہتے ہیں؟

جواب: اہل سنت والجماعت کا اجماع ہے کہ فرشتوں کا وجود ثابت ہے، ان پر ایمان لانا واجب ہے۔قرآن وحدیث ، اجماع امت اس پر دلیل ہیں، عقلی طور پر بھی فرشتوں کا وجود محال نہیں۔فرشتے غیبی مخلوق ہیں، ان پر ایمان، ایمان بالغیب ہے، یہ لطیف مخلوق ہیں، نور سے تخلیق ہوئے ہیں، یہ انسانوں اور جنوں سے پہلے موجود تھے۔اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے مقرب بندے قرار دیا ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کرتے، اللہ انہیں جو حکم دیتا ہے، اسے بجالاتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے انہیں بعض اُمور پر مامور کیا ہے، ان کا زمین پر اترنا اور آسمان پر چڑھنا ثابت ہے، ان میں سے بعض حاملین عرشِ الٰہی ہیں، وہ اس کے اردگرد اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرتے ہیں، سارے کے سارے فرشتے اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہیں، نیز اہل ایمان کے لیے مغفرت طلب کرتے ہیں، یہ صبح وشام اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول رہتے ہیں، ان پر ہر وقت خشیت الٰہی اور خوف الٰہی طاری رہتا ہے۔

فرشتے محض ارواح نہیں، بلکہ مجسم مخلوق ہیں، البتہ انہیں کھانے پینے کی حاجت نہیں ہوتی، ان کے دلوں اور پروں کا ذکر قرآن کریم میں موجود ہے۔ یہ عقل رکھتے ہیں، جو فرشتوں کی عقل کا انکار کرے، وہ خود بے عقل ہے۔مشرکین مکہ فرشتوں کے بارے میں یہ بدعقیدگی رکھتے تھے کہ یہ اللہ کی بیٹیاں ہیں اور انہیں اللہ کے ہاں سفارشی بناتے تھے۔

انبیائے کرام علیہم السلام نے بعض فرشتوں کو دیکھا ہے، بعض صلحا نے بھی فرشتوں کو دیکھا

ہے، جیسا کہ سیدہ مریم علیہا السلام نے جبریل علیہ السلام کو انسانی شکل میں دیکھا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل امین علیہ السلام کو ان کی اصلی شکل وصورت میں بھی دیکھا تھا۔ فرشتوں کی صفات قرآن وحدیث میں ثابت ہیں۔

❁ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَمَنْ يَكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلَائِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا﴾ (النّساء: ١٣٦)

”جو بھی اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں، اس کے رسولوں اور روز آخرت کا انکار کرے، یقیناً وہ پرلے درجے کا گمراہ ہے۔“

❁ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَمَّا خَلَقَهٗ قَالَ: اذْهَبْ فَسَلِّمْ عَلٰى أُولٰئِكَ النَّفَرِ مِنَ الْمَلَائِكَةِ، جُلُوسٌ، فَاسْتَمِعْ مَا يُحَيُّونَكَ، فَإِنَّهَا تَحِيَّتُكَ وَتَحِيَّةُ ذُرِّيَّتِكَ، فَقَالَ: السَّلَامُ عَلَيْكُمْ، فَقَالُوا: السَّلَامُ عَلَيْكَ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ، فَزَادُوهُ: وَرَحْمَةُ اللّٰهِ.

”جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو تخلیق کیا، تو فرمایا: جائیے، وہ فرشتوں کی جماعت بیٹھی ہوئی ہے، انہیں سلام کہیے اور ان کے جواب کو غور سے سنیے گا، وہی آپ اور آپ کی اولاد کا سلام ہوگا، تو آدم علیہ السلام (گئے اور) السلام علیکم کہا، فرشتوں نے جواب میں ”السلام علیک ورحمۃ اللہ“ کہا، فرشتوں نے جواب میں ”ورحمۃ اللہ“ کا اضافہ کیا۔“

(صحیح البخاري: 6227)

❁ علامہ رازی رحمہ اللہ (٦٠٦ھ) فرماتے ہیں:

أَمَّا الدَّلَائِلُ النَّقْلِيَّةُ فَلَا نِزَاعَ الْبَتَّةَ بَيْنَ الْأَنْبِيَاءِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ فِي إِثْبَاتِ الْمَلَائِكَةِ، بَلْ ذٰلِكَ كَالْأَمْرِ الْمُجْمَعِ عَلَيْهِ بَيْنَهُمْ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ .

''کتاب وسنت کے دلائل سے ثابت ہے کہ فرشتوں کے وجود پر انبیائے کرام علیہم السلام کے مابین کوئی اختلاف نہیں، بلکہ یہ ان کا اجماعی مسئلہ ہے، واللہ اعلم!''

(تفسير الرّازي : 385/2، تفسير نيشابوري :214/1)

❁ حافظ ابن ملقن رحمہ اللہ (٨٠٤ھ) فرماتے ہیں:

يَجِبُ الْإِيمَانُ بِجَمِيعِ مَلَائِكَةِ اللّٰهِ تَعَالٰى، فَمَنْ ثَبَتَ تَعْيِينُهٗ كَجِبْرِيلَ وَمِيكَائِيلَ وَإِسْرَافِيلَ وَجَبَ الْإِيمَانُ بِهٖ، وَمَنْ لَمْ يَثْبُتْ آمَنَّا بِهٖ إِجْمَالًا، وَكَذٰلِكَ الْأَنْبِيَاءُ وَالرُّسُلُ، وَمَا ثَبَتَ مِنْ ذٰلِكَ بِالنَّصِّ وَالتَّوَاتُرِ كَفَرَ مَنْ يَكْفُرُ بِهٖ .

''اللہ تعالیٰ کے سارے کے سارے فرشتوں پر ایمان لانا واجب ہے۔ جن فرشتوں کی تعیین ثابت ہے، مثلاً جبریل، میکائیل اور اسرافیل، تو ان پر معین ایمان واجب ہے اور جن کی تعیین ثابت نہیں، ان پر اجمالاً ایمان لانا واجب ہے، جیسا کہ انبیائے کرام اور رسل علیہم السلام ہیں، (ان میں سے بعض کی تعیین ہے اور بعض کی تعیین نہیں) فرشتوں، نبیوں اور رسولوں میں سے جس کے متعلق نص اور تواتر ثابت ہے، اس کا انکار کرنے والا کافر ہے۔''

(التّوضيح لشرح الجامع الصّحيح : 174/3)

❁ نیز ایک حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:

فِي الْحَدِيثِ إِثْبَاتُ الْمَلَائِكَةِ، وَالرَّدُّ عَلٰى مَنْ أَنْكَرَهُمْ مِنَ الْمُلْحِدَةِ وَالْفَلَاسِفَةِ .

''اس حدیث میں فرشتوں کے وجود کا ثبوت ہے اور ملحدین اور فلاسفہ کا رد ہے، جو فرشتوں کا انکار کرتے ہیں۔''

(التّوضيح لشرح الجامع الصّحيح : 232/2)

❁ علمائے احناف کا فتویٰ ہے:

رَجُلٌ عَابَ مَلَكًا مِّنَ الْمَلَائِكَةِ كَفَرَ .

''جو شخص کسی فرشتے پر عیب جوئی کرے، وہ کافر ہو جاتا ہے۔''

(فتاویٰ عالمگیری : 266/2، مَجمع الأنهر لشيخي زادة : 692/1)

فرشتوں کے وجود پر ایمان لانا، ایمان کے چھ ارکان میں سے ہے۔ فرشتوں کا انکار ملحدین اور فلاسفہ کرتے ہیں، اہل سنت والجماعت فرشتوں کے وجود وصفات کو مانتے ہیں، ان پر ایمان رکھتے ہیں، ان میں سے ایک فرشتے کا انکار بھی کفر ہے۔

❁ لغوی امام، علامہ، الخلیل بن احمد، فراہیدی رحمہ اللہ (۱۷۰ھ) فرماتے ہیں:

اَلْجَسَدُ لِلْإِنْسَانِ، وَلَا يُقَالُ لِغَيْرِ الْإِنْسَانِ جَسَدٌ مِنْ خَلْقِ الْأَرْضِ، وَكُلُّ خَلْقٍ لَا يَأْكُلُ وَلَا يَشْرَبُ مِنْ نَحْوِ الْمَلَائِكَةِ وَالْجِنِّ مِمَّا يَعْقِلُ فَهُوَ جَسَدٌ .

''انسانی وجود کو ''جسد'' کہا جاتا ہے، انسان کے علاوہ کسی زمینی مخلوق کے لیے ''جسد'' کا لفظ نہیں بولا جا سکتا، اسی طرح جس ذی عقل مخلوق کو کھانے پینے کی

احتیاج نہیں، جیسے فرشتے اور جنات، ان کے وجود کو بھی ''جسد'' کہتے ہیں۔''

(العَین : 47/6)

سوال: بہترین اُمت کون سی ہے؟

جواب: تمام اُمتوں میں سب سے افضل اور بہتر اُمت محمد یہ علی صاحبہا الصلوۃ والسلام ہے۔

❁ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ﴾(البقرة : ١١٠)

اس آیت کے اولین مصداق اصحاب رسول ہیں، اصل میں یہ خطاب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ہے، کیوں کہ وقتِ نزول وہی اس کے مخاطب تھے۔

شرف صحابیت وہبی ہے، کسبی نہیں۔ کوئی ہزار نیکی لے کر آئے، اس کے باوجود ایک چھوٹے صحابی کے مقام و مرتبہ کو بھی نہیں پہنچ سکتا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم انبیائے کے علاوہ پہلی اُمتوں اور اس اُمت میں افضل اور بہترین جماعت ہیں۔

❁ مشہور لغوی امام اور مفسر زجاج رحمہ اللہ (۳۱۱ھ) فرماتے ہیں:

أَصْلُ الْخِطَابِ لِأَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَهُوَ يَعُمُّ سَائِرَ أُمَّتِهِ .

''بنیادی طور پر یہ خطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام کو ہے اور عمومی طور پر ساری اُمت اس کی مصداق ہے۔''

(زاد المَسير لابن الجوزي : 314/1)

❁ سیدنا معاویہ بن حیدہ قشیری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

اس آیت کی تفسیر میں فرمایا:

أَنْتُمْ تُتِمُّونَ سَبْعِينَ أُمَّةً، أَنْتُمْ خَيْرُهَا وَأَكْرَمُهَا عَلَى اللّٰهِ .

''آپ لوگ ستر (بڑی بڑی) امتوں کا تتمہ ہیں اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بہتر اور معزز ہیں۔''

(سنن التّرمذي : 3001، مُسند الدّارمي : 2802، مسند الإمام أحمد : 5/4، تفسير عبد الرّزاق : 410/1، تفسير الطّبري : 675/5، وسندهٗ صحيحٌ)

اس حدیث کو امام ترمذی رحمہ اللہ نے ''حسن'' اور امام حاکم رحمہ اللہ نے ''صحیح الاسناد'' کہا ہے، حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے موافقت کی ہے۔

❀ مسند احمد (446/4، 447، حسن) کے الفاظ ہیں:

تُوفُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ سَبْعِينَ أُمَّةً، أَنْتُمْ آخِرُ الْأُمَمِ وَأَكْرَمُهَا عَلَى اللّٰهِ .

''آپ روزِ قیامت ستر اُمتوں سے بھاری ہو جائیں گے، آپ آخری اُمت ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ہاں تمام اُمتوں سے معزز ہیں۔''

❀ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

هُمُ الَّذِينَ هَاجَرُوا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ مَّكَّةَ إِلَى الْمَدِينَةِ .

''اس آیت سے مراد وہ لوگ ہیں، جنھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی جانب ہجرت کی۔''

(تفسير عبد الرّزاق : 134/1، السنن الكبرىٰ للنسائي : 11006، مسند الإمام أحمد :

273/1، تفسير الطّبري : 671/5، 672، تفسير ابن أبي حاتم : 732/3، المُستدرك على الصّحيحين للحاكم : 294/2، وسندهٗ حسنٌ)

اسے امام حاکم رحمہ اللہ ''صحیح الاسناد'' اور حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے ''صحیح'' کہا ہے۔

❀ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کی سند کو ''جید'' کہا ہے۔

(فتح الباري : 225/8)

❀ مفسر ابوحیان اندلسی رحمہ اللہ (745ھ) فرماتے ہیں:

اَلظَّاهِرُ أَنَّ الْخِطَابَ هُوَ لِمَنْ وَقَعَ الْخِطَابُ لَهٗ أَوَّلًا؛ وَهُمْ أَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَتَكُوْنُ الْإِشَارَةُ بِقَوْلِهٖ ﴿أُمَّةٍ﴾ إِلٰى أُمَّةٍ مُّعَيَّنَةٍ، وَهِيَ أُمَّةُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَالصَّحَابَةُ هُمْ خَيْرُهَا .

''صاف سی بات ہے کہ اس فرمانِ باری تعالیٰ کے اولین مصداق صحابہ کرام ہی ہیں۔ اس آیت میں ایک مخصوص اُمت کی طرف اشارہ ہے جو کہ اُمت محمدیہ ہے اور صحابہ اس اُمت کے بہترین لوگ ہیں۔''

(البحر المُحيط : 299/3)

❀ علامہ ابن حجر ہیتمی رحمہ اللہ (۹۷۴ھ) فرماتے ہیں:

كَفٰى فَخْرًا لَّهُمْ أَنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى شَهِدَ لَهُمْ بِأَنَّهُمْ خَيْرُ النَّاسِ حَيْثُ قَالَ تَعَالٰى : ﴿كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ﴾ (آل عمران : ۱۱۰)، فَإِنَّهُمْ أَوَّلُ دَاخِلٍ فِي هٰذَا الْخِطَابِ، كَذٰلِكَ شَهِدَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقَوْلِهٖ فِي الْحَدِيْثِ

الْمَتَّفَقِ عَلٰى صِحَّتِهٖ : «خَيْرُ الْقُرُونِ قَرْنِي»، وَلَا مَقَامَ أَعْظَمُ مِنْ مَّقَامِ قَوْمٍ اِرْتَضَاهُمُ اللّٰهُ عَزَّ وَ جَلَّ لِصُحْبَةِ نَبِيِّهٖ .

''صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے یہی فخر کافی ہے کہ اللہ رب العزت نے ان کے بارے میں بہترین لوگ ہونے کی گواہی دی ہے، چنانچہ فرمایا:﴿كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ﴾ (آل عمران : ۱۱۰)''تم بہترین لوگ ہو، جو لوگوں (کے فائدے) کے لیے پیدا کیے گئے ہو۔''اس خطاب کے اولین مصداق یہی لوگ ہیں۔اسی طرح نبی کریم ﷺ نے متفق علیہ حدیث میں گواہی دی ہے کہ میرا زمانہ بہترین ہے۔اس مرتبے سے بڑھ کر اور کوئی مرتبہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے نبی کریم ﷺ کے صحابی بنانے کے لیے منتخب کیا۔''

(الصَّواعق المُحرقة :21/1)

❁ نیز فرماتے ہیں:

وَمِنْ جُمْلَةِ مَا قَالَهٗ أُولٰئِكَ الْمُلْحِدُوْنَ كَيْفَ يَقُوْلُ اللّٰهُ : ﴿كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ﴾ (آل عمران : ۱۱۰)، وَقَدِ ارْتَدُّوْا بَعْدَ وَفَاةِ نَبِيِّهِمْ إِلَّا نَحْوَ سِتَّةِ أَنْفُسٍ مِّنْهُمْ، لِامْتِنَاعِهِمْ مِّنْ تَقْدِيْمِ أَبِي بَكْرٍ عَلٰى عَلِيٍّ الْمُرْتَضٰى الْمُوْصٰى بِهٖ، فَانْظُرْ إِلٰى حُجَّةِ هٰذَا الْمُلْحِدِ، تَجِدُهَا عَيْنَ حُجَّةِ الرَّافِضَةِ، قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ أَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ، بَلْ هُمْ أَشَدُّ ضَرَرًا عَلَى الدِّيْنِ مِنَ الْيَهُوْدِ وَالنَّصَارٰى وَسَائِرِ فِرَقِ الضَّلَالِ .

''ان ملحدین کے اعتراض کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس امت کو بہترین

امت کیسے قرار دیتا ہے، جبکہ سوائے تقریباً چھ آدمیوں کے، جنھوں نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو وصی سیدنا علی رضی اللہ عنہ پر فضیلت نہیں دی تھی، سب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد (العیاذ باللہ) مرتد ہو گئے تھے۔ ذرا اس ملحد کی دلیل کو دیکھئے کہ کس طرح ہو بہو روافض کی زبان بول رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کا ستیاناس کرے، یہ کہاں بھٹک رہے ہیں؟ یہ لوگ تو (اسلام کے حق میں) یہود و نصاریٰ اور دیگر گمراہ فرقوں سے بھی زیادہ نقصان دہ ہیں۔‘‘

(الصّواعق المُحرقة :114/1)

✿ مزید فرماتے ہیں:

مِنْهَا قَوْلُهٗ تَعَالٰى : ﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ﴾(البقرة : ١٤٣)، وَالصَّحَابَةُ فِي هٰذِهِ الْآيَةِ وَالَّتِي قَبْلَهَا هُمُ الْمُشَافِهُوْنَ بِهٰذَا الْخِطَابِ عَلٰى لِسَانِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَقِيْقَةً، فَانْظُرْ إِلٰى كَوْنِهٖ تَعَالٰى خَلَقَهُمْ عُدُوْلًا وَّخِيَارًا لِّيَكُوْنُوْا شُهَدَاءَ عَلٰى بَقِيَّةِ الْأُمَمِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَحِيْنَئِذٍ فَكَيْفَ يَسْتَشْهِدُ اللّٰهُ تَعَالٰى بِغَيْرِ عُدُوْلٍ أَوْ بِمَنِ ارْتَدُّوْا بَعْدَ وَفَاةِ نَبِيِّهِمْ، إِلَّا نَحْوَ سِتَّةِ أَنْفُسٍ مِّنْهُمْ، كَمَا زَعَمَتْهُ الرَّافِضَةُ قَبَّحَهُمُ اللّٰهُ وَلَعَنَهُمْ وَخَذَلَهُمْ، مَا أَحْمَقَهُمْ وَأَجْهَلَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ بِالزُّوْرِ وَالْاِفْتِرَاءِ وَالْبُهْتَانِ!

وَمِنْهَا قَوْلُهٗ تَعَالٰى : ﴿يَوْمَ لَا يُخْزِى اللّٰهُ النَّبِىَّ وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا

مَعَهٗ نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ﴾(التّحريم : ٨)، فَآمَنَهُمُ اللّٰهُ مِنْ خِزْيِهٖ، وَلَا يَأْمَنُ مِنْ خِزْيِهٖ فِي ذٰلِكَ الْيَوْمِ إِلَّا الَّذِيْنَ مَاتُوْا، وَاللّٰهُ سُبْحَانَهٗ وَرَسُوْلُهٗ عَنْهُم رَاضٍ، فَأَمْنُهُمْ مِّنَ الْخِزْيِ صَرِيْحٌ فِي مَوْتِهِمْ عَلٰى كَمَالِ الْإِيْمَانِ وَحَقَائِقِ الْإِحْسَانِ، وَفِي أَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَزَلْ رَاضِيًا .

''اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ﴾(البقرة : ١٤٣) ''اس طرح ہم نے تمہیں بہترین اُمت بنایا تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو۔'' اس میں اور اس سے پہلی آیت میں حقیقی طور پر صحابہ کرام ہی کو نبی کریم ﷺ کی مبارک زبان سے بالمشافہہ خطاب کیا گیا ہے۔ اس بات پر غور کیجیے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں عادل اور نیک بنایا ہے تاکہ یہ روزِ قیامت بقیہ اُمتوں پر گواہ ہوں۔ بھلا اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو کیسے گواہ بنا سکتا ہے جو غیر عادل ہوں اور نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد چھ کے علاوہ باقی سارے مرتد ہو گئے ہوں؟ جیسا کہ رافضیوں کا خیال ہے، اللہ تعالیٰ انہیں ذلیل کرے، ان پر لعنت فرمائے اور ان کو بے یار و مددگار چھوڑ دے، یہ کس قدر احمق، جھوٹے، جاہل، افترا پرداز اور بہتان طراز ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:﴿يَوْمَ لَا يُخْزِى اللّٰهُ النَّبِيَّ وَالَّذِيْنَ آمَنُوا مَعَهٗ نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ﴾(التّحريم : ٨) ''اللہ تعالیٰ اس روز نبی اور اس کے ساتھیوں کو رسوا نہیں کرے گا۔ ان کا نور ان کے آگے

اوران کی دائیں طرف دوڑتا ہوگا۔'' یوں اللہ تعالیٰ نے انہیں رسوائی سے بچالیا ہے اوراس روز وہی لوگ رسوائی سے بچ سکیں گے، جن سے وفات کے وقت اللہ تعالیٰ اوراس کے رسول ﷺ راضی تھے۔صحابہ کرام کا رسوائی سے بچ جانا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ ان کی موت کمال ایمان اور حقیقی نیکی پر ہوئی، نیز یہ اللہ تعالیٰ اوراس کے رسول ﷺ ہمیشہ ان سے راضی رہے۔''

(الصَّواعِق المُحرقة : 604/2)

❁ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (۷۷۴ھ) فرماتے ہیں:

اَلصَّحِيحُ أَنَّ هٰذِهِ الْآيَةَ عَامَّةٌ فِي جَمِيعِ الْأُمَّةِ، كُلُّ قَرْنٍ بِحَسَبِهٖ، وَخَيْرُ قُرُونِهِمُ الَّذِينَ بُعِثَ فِيهِمْ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُوْنَهُمْ، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُوْنَهُمْ، كَمَا قَالَ فِي الْآيَةِ الْأُخْرٰى : ﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَّسَطًا﴾، أَيْ خِيَارًا، ﴿لِتَكُوْنُوْا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا﴾(البقرة : ١٤٣) الْآيَةَ .

''صحیح بات یہ ہے کہ یہ آیت پوری اُمت کو شامل ہے، ہر دور اپنی شان کے مطابق (اس کا مصداق) ہے۔بہترین زمانہ وہ ہے جس میں رسول اللہ ﷺ کو مبعوث کیا گیا، پھر اس سے متصل دور بہتر ہے اوراس کے بعد اس سے متصل دور، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک دوسری آیت میں فرمایا:﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَّسَطًا لِتَكُوْنُوْا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ

الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا﴾(البقرة : ۱٤۳)"اس طرح ہم نے تمہیں بہترین اُمت بنایا تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو اور رسول [ﷺ] تم پر گواہ بنیں۔"

(تفسیر ابن کثیر : 92/2)

❁ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (۷۲۸ھ) فرماتے ہیں:

كَذٰلِكَ مَنْ زَعَمَ مِنْهُمْ أَنَّ الْقُرْآنَ نُقِصَ مِنْهُ آيَاتٌ وَّكُتِمَتْ، أَوْ زَعَمَ أَنَّ لَهٗ تَأْوِيْلَاتٍ بَاطِنَةٍ تُسْقِطُ الْأَعْمَالَ الْمَشْرُوْعَةَ، وَنَحْوَ ذٰلِكَ، وَهٰؤُلَاءِ يُسَمُّوْنَ الْقَرَامِطَةُ وَ الْبَاطِنِيَّةُ، وَمِنْهُمُ التَّنَاسُخِيَّةُ؛ وَهٰؤُلَاءِ لَا خِلَافَ فِي كُفْرِهِمْ، وَأَمَّا مَنْ سَبَّهُمْ سَبًّا لَّا يَقْدَحُ فِي عَدَالَتِهِمْ وَلَا فِي دِيْنِهِمْ، مِثْلُ وَصْفِ بَعْضِهِمْ بِالْبُخْلِ أَوِ الْجُبْنِ أَوْ قِلَّةِ الْعِلْمِ أَوْ عَدَمِ الزُّهْدِ، وَ نَحْوِ ذٰلِكَ، فَهٰذَا هُوَ الَّذِي يَسْتَحِقُّ التَّأْدِيْبَ وَالتَّعْزِيْرَ، وَلَا نَحْكُمُ بِكُفْرِهٖ بِمُجَرَّدِ ذٰلِكَ، وَعَلٰى هٰذَا يُحْمَلُ كَلَامُ مَنْ لَّمْ يُكَفِّرْهُمْ مِّنْ أَهْلِ الْعِلْمِ، وَأَمَّا مَنْ لَّعَنَ وَقَبَّحَ مُطْلَقًا؛ فَهٰذَا مَحَلُّ الْخِلَافِ فِيْهِمْ، لِتَرَدُّدِ الْأَمْرِ بَيْنَ لَعْنِ الْغَيْظِ وَلَعْنِ الْاِعْتِقَادِ، وَأَمَّا مَنَ جَاوَزَ ذٰلِكَ إِلٰى أَنْ زَعَمَ أَنَّهُمُ ارْتَدُّوْا بَعْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ إِلَّا نَفَرًا قَلِيْلًا يَّبْلُغُوْنَ بِضْعَةَ عَشَرَ نَفْسًا، أَوْ أَنَّهُمْ فَسَقُوْا عَامَّتُهُمْ، فَهٰذَا لَا رَيْبَ أَيْضًا فِي كُفْرِهٖ، لِأَنَّهٗ

كَذَّبَ لِمَا نَصَّهُ الْقُرْآنُ فِي غَيْرِ مَوْضِعٍ مِّنَ الرِّضٰى عَنْهُمْ وَالثَّنَاءِ عَلَيْهِمْ، بَلْ مَنْ يَّشُكُّ فِي كُفْرِ مِثْلِ هٰذَا فَإِنَّ كُفْرَهٗ مُتَعَيَّنٌ، فَإِنَّ مَضْمُوْنَ هٰذِهِ الْمَقَالَةِ أَنَّ نَقَلَةَ الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ كُفَّارٌ أَوْ فُسَّاقٌ، وَأَنَّ هٰذِهِ الْآيَةَ الَّتِي هِيَ ﴿كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ﴾(آل عِمران : ۱۱۰) وَخَيْرُهَا هُوَ الْقَرْنُ الْأَوَّلُ كَانَ عَامَّتُهُمْ كُفَّارًا أَوْ فُسَّاقًا، وَمَضْمُوْنُهَا أَنَّ هٰذِهِ الْأُمَّةَ شَرُّ الْأُمَمِ وَأَنَّ سَابِقَي هٰذِهِ الْأُمَّةِ هُمْ شِرَارُهُمْ، وَكُفْرُ هٰذَا مِمَّا يُعْلَمُ بِاضْطِرَارٍ مِّنْ دِيْنِ الْإِسْلَامِ، وَلِهٰذَا تَجِدُ عَامَّةَ مَنْ ظَهَرَ عَلَيْهِ شَيْءٌ مِّنْ هٰذِهِ الْأَقْوَالِ؛ فَإِنَّهٗ يَتَبَيَّنُ أَنَّهٗ زِنْدِيْقٌ، وَعَامَّةُ الزَّنَادِقَةِ إِنَّمَا يَسْتَتِرُوْنَ بِمَذْهَبِهِمْ، وَقَدْ ظَهَرَتْ لِلّٰهِ فِيْهِمْ مَثُلَاتٌ، وَتَوَاتَرَ النَّقْلُ بِأَنَّ وُجُوْهَهُمْ تَمُسَّخَ خَنَازِيْرُ فِي الْمَحْيَا وَ الْمَمَاتِ .

”شیعوں میں سے جو یہ دعویٰ کریں کہ قرآنی آیات میں سے کچھ کم ہوگئی ہیں یا چھپا لی گئی ہیں، یا قرآنِ کریم کی ایسی باطنی تاویلات ہیں، جن کی بنا پر اعمالِ شرعیہ ساقط ہو جاتے ہیں یا اس جیسے دوسرے اعتقادات کے حامل ہوں، ایسے لوگوں کو قرامطہ اور باطنیہ کہا جاتا ہے، انھی میں سے ایک فرقہ تناسخیہ ہے۔ ان کے کفر میں کسی مسلمان کو کوئی اختلاف نہیں۔ جو شیعہ صحابہ کرام پر ایسی طعن کرتے ہیں، جس سے ان کی عدالت اور دین میں کوئی نقص نہیں ہوتا، جیسا کہ انہیں بخیل، بزدل، کم علم اور غیر زاہد جیسے اوصاف سے متصف کرتے ہیں، وہ

سزا اور تادیب کے مستحق ہیں۔صرف اس بنا پر ان پر کفر کا حکم نہیں لگایا جائے گا۔جو اہل علم شیعہ کو کافر نہیں کہتے، ان کے اقوال بھی ایسے لوگوں پر ہی محمول کیے جائیں گے۔البتہ جو لوگ صحابہ کرام کے بارے میں مطلق لعن وطعن کرتے ہیں، ان کا معاملہ محل اختلاف ہے، کیونکہ بطورِ غصہ میں اور بطورِ عقیدہ لعن وطعن کرنے میں فرق ہے۔ جو لوگ اس حد تک بڑھ جاتے ہیں کہ ماسوائے چند صحابہ کرام کے، جن کی تعداد بیس تک بھی نہیں پہنچتی، باقی سب کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد مرتد ہو گئے تھے، یا اکثر صحابہ کرام کو فاسق قرار دیتے ہیں، تو ان کے کفر میں کوئی شک نہیں، کیونکہ یہ قرآن کریم کی کئی نصوص کی تکذیب کرتے ہیں، جن میں صحابہ کے متعلق اللہ تعالیٰ کی رضا وخوشنودی اور تعریفِ الٰہی کی تصریح موجود ہے۔ایسے لوگوں کے کفر میں شک کرنے والوں کا کفر بھی متعین ہو جاتا ہے، کیونکہ ان کے قول کا خلاصہ یہ ہے کہ جن لوگوں نے قرآن وحدیث کو ہم تک پہنچایا، وہ کافر یا فاسق تھے (العیاذ باللہ)، نیز قرآنِ کریم نے جنہیں بہترین امت، جس میں سے بھی بہترین گروہ قرنِ اول (صحابہ) ہیں، قرار دیا ہے، ان میں سے اکثر کافر اور فاسق تھے۔اس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ یہ امت سب امتوں سے بری اور اس کے پہلے دو ادوار سب سے برے تھے۔جو لوگ ایسے عقائد رکھتے ہوں، ان کا کفر دین اسلام کی رُو سے لازمی طور پر معلوم ہو جاتا ہے۔لہٰذا آپ دیکھیں گے کہ جو لوگ ایسی باتیں کرتے ہیں، ان میں سے اکثر کا بے دین ہونا ثابت ہو جاتا ہے۔اکثر زندیق لوگ اپنے مذہب کو چھپاتے ہیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ کی عبرت ناک سزائیں ان میں ظاہر ہو

چکی ہیں، بلکہ متواتر منقول ہے کہ زندہ اور مردہ حالت میں ان کے چہرے خنزیروں کی شکل میں مسخ کر دیے گئے۔"

(الصّارم المَسلول، ص 586-587)

تنبیہ:

❀ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿يَآ بَنِي إِسْرَائِيلَ اذْكُرُوا نِعْمَتِيَ الَّتِي أَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَأَنِّي فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعَالَمِينَ﴾(البقرة : ٤٧)

"اے بنی اسرائیل! میری اس نعمت کو یاد کرو، جو میں نے تم پر کی اور تمہیں جہان والوں پر فضیلت دی۔"

بنی اسرائیل کی افضیلت ان کے اپنے زمانے کے لوگوں پر تھی۔ جبکہ اُمت محمدیہ کی فضیلت اور افضلیت تمام کی تمام اُمتوں پر ہے۔

❀❀❀❀❀❀

فتاویٰ امن پوری (قسط ۳۹۴)

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

سوال: بعض ملحدین آسمان دنیا کا انکار کرتے ہیں، اس بارے میں کیا کہتے ہیں؟

جواب: آسمان دنیا کا وجود ہے، قرآن کریم، احادیث صحیحہ میں اس کا اثبات ہے، نیز اہل علم واہل عقل کا اس پر اجماع ہے۔

❀ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ وَجَعَلْنَاهَا رُجُومًا لِّلشَّيَاطِينِ وَأَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابَ السَّعِيرِ﴾(المُلك : ٥)

''ہم نے آسمانِ دنیا کو چراغوں (سیاروں اور ستاروں) سے مزین کیا اور انہیں شیاطین کو مار بھگانے کا سامان بنایا، ہم نے شیاطین کے لیے بھڑکتی آگ کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔''

❀ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے واقعہ معراج بیان کرتے ہوئے فرمایا:

...... ثُمَّ عَرَجَ بِهٖ إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا، فَضَرَبَ بَابًا مِّنْ أَبْوَابِهَا فَنَادَاهُ أَهْلُ السَّمَاءِ مَنْ هٰذَا؟ فَقَالَ : جِبْرِيلُ، قَالُوا : وَمَنْ مَعَكَ؟ قَالَ : مَعِي مُحَمَّدٌ، قَالَ : وَقَدْ بُعِثَ؟ قَالَ : نَعَمْ، قَالُوا :

فَمَرْحَبًا بِهٖ وَأَهْلًا، فَيَسْتَبْشِرُ بِهٖ أَهْلُ السَّمَاءِ، لَا يَعْلَمُ أَهْلُ السَّمَاءِ بِمَا يُرِيدُ اللّٰهُ بِهٖ فِي الْأَرْضِ حَتّٰى يُعْلِمَهُمْ، فَوَجَدَ فِي السَّمَاءِ الدُّنْيَا آدَمَ ....

''جبریل علیہ السلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو آسمان دنیا کی طرف لے کر چڑھے، آسمان کے دروازوں میں سے ایک دروازے پر دستک دی، آسمان والوں نے پوچھا: کون ہیں؟ جبریل علیہ السلام نے کہا: میں جبریل ہوں۔ پوچھنے لگے: آپ کے ساتھ کون ہیں؟ کہا: میرے ساتھ محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ پوچھا گیا: کیا انہیں بلایا گیا ہے؟ کہا: جی ہاں! دربان کہنے لگے: انہیں خوش آمدید ہو۔ اس سے آسمان والے خوش ہو گئے، آسمان والے نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ زمین والوں سے کیا کرنے والے ہیں، یہاں تک کہ اللہ خود انہیں بتا دیتا ہے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آسمان دنیا میں سیدنا آدم علیہ السلام سے ملاقات کی۔''

(صحیح البخاري: 7517، صحیح مسلم: 162)

❁ سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

فُرِجَ عَنْ سَقْفِ بَيْتِي وَأَنَا بِمَكَّةَ، فَنَزَلَ جِبْرِيلُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَفَرَجَ صَدْرِي، ثُمَّ غَسَلَهٗ بِمَاءِ زَمْزَمَ، ثُمَّ جَاءَ بِطَسْتٍ مِّنْ ذَهَبٍ مُمْتَلِئٍ حِكْمَةً وَّإِيمَانًا، فَأَفْرَغَهٗ فِي صَدْرِي، ثُمَّ أَطْبَقَهٗ، ثُمَّ أَخَذَ بِيَدِي، فَعَرَجَ بِي إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا .

''میں مکہ میں تھا کہ میرے گھر کی چھت پھاڑی گئی، جس سے جبریل صلی اللہ علیہ وسلم

نازل ہوئے اور میرا سینہ چاق کیا گیا، پھر اسے زمزم سے دھویا گیا، پھر حکمت وایمان سے بھری سونے کی ایک تھالی لائی گئی اور اس (حکمت وایمان) کو میرے سینے میں ڈال دیا گیا۔ پھر میرے سینے کو بند کر دیا گیا۔ پھر جبریل علیہ السلام نے میرا ہاتھ تھاما اور مجھے آسمان دنیا کی طرف لے گئے۔''

(صحيح البخاري : 349، صحيح مسلم : 163)

❀ سیدنا مالک بن صعصعہ انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں معراج کا واقعہ بیان کرتے ہوئے فرمایا:

بَيْنَا أَنَا عِنْدَ الْبَيْتِ بَيْنَ النَّائِمِ وَالْيَقْظَانِ، إِذْ سَمِعْتُ قَائِلًا يَقُولُ : أَحَدُ الثَّلَاثَةِ بَيْنَ الرَّجُلَيْنِ، فَأُتِيتُ فَانْطُلِقَ بِي، فَأُتِيتُ بِطَسْتٍ مِّنْ ذَهَبٍ فِيهَا مِنْ مَاءِ زَمْزَمَ، فَشُرِحَ صَدْرِي إِلٰى كَذَا وَكَذَا، قَالَ قَتَادَةُ : فَقُلْتُ لِلَّذِي مَعِي مَا يَعْنِي قَالَ : إِلٰى أَسْفَلِ بَطْنِهٖ، فَاسْتُخْرِجَ قَلْبِي، فَغُسِلَ بِمَاءِ زَمْزَمَ، ثُمَّ أُعِيدَ مَكَانَهٗ، ثُمَّ حُشِيَ إِيمَانًا وَّحِكْمَةً، ثُمَّ أُتِيتُ بِدَابَّةٍ أَبْيَضَ، يُقَالُ لَهُ الْبُرَاقُ، فَوْقَ الْحِمَارِ، وَدُونَ الْبَغْلِ، يَقَعُ خَطْوُهٗ عِنْدَ أَقْصٰى طَرْفِهٖ، فَحُمِلْتُ عَلَيْهِ، ثُمَّ انْطَلَقْنَا حَتّٰى أَتَيْنَا السَّمَاءَ الدُّنْيَا .

''میں بیت اللہ کے پاس ہلکی نیند میں تھا کہ اچانک ایک کہنے والے کی آواز سنی : تین بندوں کے درمیان والا آدمی۔ وہ میرے پاس آئے اور مجھے وہاں سے لے گئے، پھر میرے پاس سونے کی ایک تھالی لائی گئی، جس میں زمزم کا پانی

تھا۔ پھر پیٹ کے نیچے تک میرا سینہ چاق کیا گیا، میرے دل کو باہر نکال کر زمزم کے پانی سے دھویا گیا، پھر واپس رکھ دیا گیا، پھر اسے ایمان وحکمت سے بھر دیا گیا۔ پھر ایک سفید جانور لایا گیا، جس کا نام ''براق'' تھا۔ جو جسامت میں گدھے سے بڑا اور خچر سے چھوٹا تھا۔ اپنا ایک قدم انتہائے نظر پر رکھتا تھا۔ مجھے اس پر سوار کیا گیا۔ پھر ہم چلے اور آسمان دنیا کے پاس آ گئے۔''

(صحيح البخاري : 3887، صحيح مسلم : 164، واللّفظ لهٗ)

❁ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

يَنْزِلُ رَبُّنَا تَبَارَكَ وَتَعَالٰى كُلَّ لَيْلَةٍ إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا حِينَ يَبْقٰى ثُلُثُ اللَّيْلِ الْآخِرُ، فَيَقُولُ : مَنْ يَّدْعُونِي، فَأَسْتَجِيبَ لَهٗ؟ مَنْ يَّسْأَلُنِي، فَأُعْطِيَهٗ؟ مَنْ يَّسْتَغْفِرُنِي، فَأَغْفِرَ لَهٗ؟

''ہر رات جب آخری ایک تہائی حصہ باقی رہ جاتا ہے، تو ہمارا رب آسمانِ دنیا پر نزول فرماتا ہے اور کہتا ہے: کون ہے، جو مجھے پکارے اور میں اس کی پکار کو قبول کروں؟ کون ہے، جو مجھ سے مانگے اور میں اس کی دست گیری کروں؟ کون ہے، جو مجھ سے معافی مانگے اور میں اسے معاف کر دوں؟''

(صحيح البخاري : 1145، صحيح مسلم : 758)

❁ حافظ ابن عبد البر رحمہ اللہ (۴۶۳ھ) فرماتے ہیں:

هٰذَا الْحَدِيثُ لَمْ يَخْتَلِفْ أَهْلُ الْحَدِيثِ فِي صِحَّتِهٖ.

''محدثین کا اس حدیث کی صحت پر اتفاق ہے۔''

(التّمهيد : 129/7)

یہ تمام احادیث دلالت کناں ہیں کہ آسمان دنیا کا وجود ہے، باقی اس کی تفصیلی حقیقت اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے، ہمارے ذمہ صرف ایمان وتصدیق ہے۔

ملحدین کے انکار کی کوئی حیثیت نہیں، وہ دین کی کئی بنیادی اور متواتر منقول اشیا کا انکار کرتے رہتے ہیں۔

سوال: سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

أَتَدْرُونَ أَيْنَ تَذْهَبُ هٰذِهِ الشَّمْسُ؟ قَالُوا : اَللّٰهُ وَرَسُولُهٗ أَعْلَمُ قَالَ : إِنَّ هٰذِهٖ تَجْرِي حَتّٰى تَنْتَهِيَ إِلٰى مُسْتَقَرِّهَا تَحْتَ الْعَرْشِ، فَتَخِرُّ سَاجِدَةً، فَلَا تَزَالُ كَذٰلِكَ حَتّٰى يُقَالَ لَهَا : ارْتَفِعِي، ارْجِعِي مِنْ حَيْثُ جِئْتِ، فَتَرْجِعُ فَتُصْبِحُ طَالِعَةً مِنْ مَطْلِعِهَا، ثُمَّ تَجْرِي حَتّٰى تَنْتَهِيَ إِلٰى مُسْتَقَرِّهَا تَحْتَ الْعَرْشِ، فَتَخِرُّ سَاجِدَةً، وَلَا تَزَالُ كَذٰلِكَ حَتّٰى يُقَالَ لَهَا : ارْتَفِعِي، ارْجِعِي مِنْ حَيْثُ جِئْتِ، فَتَرْجِعُ فَتُصْبِحُ طَالِعَةً مِنْ مَطْلِعِهَا، ثُمَّ تَجْرِي لَا يَسْتَنْكِرُ النَّاسُ مِنْهَا شَيْئًا حَتّٰى تَنْتَهِيَ إِلٰى مُسْتَقَرِّهَا ذَاكَ تَحْتَ الْعَرْشِ، فَيُقَالُ لَهَا : ارْتَفِعِي أَصْبِحِي طَالِعَةً مِّنْ مَغْرِبِكِ، فَتُصْبِحُ طَالِعَةً مِّنْ مَغْرِبِهَا، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : أَتَدْرُونَ مَتٰى ذَاكُمْ؟ ذَاكَ حِينَ : ﴿لَا يَنْفَعُ نَفْسًا إِيمَانُهَا لَمْ تَكُنْ آمَنَتْ مِنْ قَبْلُ أَوْ كَسَبَتْ فِي إِيمَانِهَا خَيْرًا﴾(الأنعام : ١٥٨)

”کیا آپ جانتے ہیں کہ یہ سورج کہاں جاتا ہے؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا: یہ سورج چلتا رہتا ہے، یہاں تک کہ عرش کے نیچے اپنے ٹھکانے پر پہنچ جاتا ہے، وہاں سجدے میں گر جاتا ہے اور اسی حالت میں ہی رہتا ہے، تا آنکہ اسے کہا جاتا ہے: اٹھو اور جہاں سے آئے ہو، وہیں واپس چلے جاؤ۔ سورج واپس ہو جاتا ہے اور صبح کے وقت اپنے طلوع ہونے والی جگہ سے طلوع ہوتا ہے۔ پھر چلتا رہتا ہے، یہاں تک کہ عرش کے نیچے اپنے ٹھکانے پر پہنچ جاتا ہے، سجدے میں گر جاتا ہے اور سجدے میں ہی رہتا ہے، یہاں تک کہ اسے کہا جاتا ہے: اٹھو اور اسی جگہ واپس چلے جاؤ، جہاں سے آئے تھے، سورج لوٹ جاتا ہے اور صبح کے وقت اپنے طلوع ہونے والی جگہ سے طلوع ہوتا ہے۔ پھر چلتا رہتا ہے، لوگوں کو اس میں کوئی بات عجیب نہیں لگتی، یہاں تک کہ (قرب قیامت) سورج عرش کے نیچے اپنے اسی ٹھکانے پر پہنچ جائے۔ پھر اسے کہا جائے گا: اٹھو اور صبح مغرب سے طلوع ہونا، تو وہ صبح مغرب سے طلوع ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جانتے ہیں کہ یہ کب ہوگا؟ اس وقت جب: ﴿لَا يَنْفَعُ نَفْسًا إِيمَانُهَا لَمْ تَكُنْ آمَنَتْ مِنْ قَبْلُ أَوْ كَسَبَتْ فِي إِيمَانِهَا خَيْرًا﴾ ”کسی کو اس کا ایمان لانا فائدہ نہ دے گا، جو اس سے پہلے ایمان نہیں لایا ہوگا یا اس نے اپنے ایمان میں کوئی نیکی نہ کی ہوگی۔“

(صحیح البخاري: 7424، صحیح مسلم: 159)

ملحدین کہتے ہیں کہ سورج سجدہ کیسے کرسکتا ہے، وہ تو روشنی پر مامور ہے۔

اس اشکال کا کیا جواب ہے؟

(جواب): کائنات کی ہر مخلوق اللہ تعالیٰ کی تسبیح وتحمید کرتی ہے اور اسی کے لیے سجدہ کرتی ہے، اس کی خبر قرآن کریم نے دی ہے۔ اب یہ ضروری نہیں کہ ہر مخلوق کی عبادت کے طریقے وہی ہوں، جو انسانوں کے عبادت کے طریقے مشروع ہیں۔ ہر مخلوق کو اللہ تعالیٰ نے عبادت کا جو طریقہ سکھایا ہے، وہ اسی کے مطابق اللہ تعالیٰ کی عبادت بجالاتی ہے، کوئی شے اللہ تعالیٰ کی قدرت سے باہر نہیں۔

❁ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُومُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَابُّ وَكَثِيرٌ مِّنَ النَّاسِ وَكَثِيرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ وَمَنْ يُهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ إِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ﴾(الحجّ : ١٨)

”(اے نبی!) کیا آپ نہیں جانتے کہ آسمانوں اور زمین میں موجود ہر شے، سورج، چاند، ستارے، پہاڑ، درخت، چوپائے اور بہت سے لوگ اللہ تعالیٰ کو ہی سجدہ کرتے ہیں اور بہت سے لوگ ایسے ہیں، جن پر عذاب ثابت ہو چکا ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ رُسوا کر دے، اسے کوئی عزت دینے والا نہیں، بلاشبہ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے، کرتا ہے۔“

(سوال): درج ذیل روایت کی کیا حقیقت ہے؟

❁ حدیث قدسی ہے:

مَا وَسِعَنِي سَمَائِي وَلَا أَرْضِي، وَلٰكِنِّي وَسِعَنِي قَلْبُ عَبْدِي

الْمُؤْمِنِ .

”میرا آسمان اور میری زمین میرا احاطہ نہیں کر سکتے، البتہ میرے مؤمن بندے کا دل میرا احاطہ کر سکتا ہے۔“

(المَقاصد الحَسنة للسّخاوي : 990)

جواب: بے سند اور من گھڑت روایت ہے۔ اسے کسی گمراہ باطنی صوفی نے وضع کیا ہے۔ کتب احادیث میں اس کا وجود نہیں۔

❁ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

هٰذَا مَذْكُورٌ فِي الْإِسْرَائِيلِيَّاتِ لَيْسَ لَهٗ إِسْنَادٌ مَّعْرُوفٌ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ .

”اس روایت کا ذکر اسرائیلیات میں ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی کوئی سند معلوم نہیں۔“

(مَجموع الفتاویٰ : 376/18)

❁ حافظ عراقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لَمْ أَرَ لَهٗ أَصْلًا . ”بے اصل روایت ہے۔“

(تخريج أحاديث الأحياء، ص 890)

❁ حافظ سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لَا أَصْلَ لَهٗ . ”بے سند و بے ثبوت ہے۔“

(الدُّرر المُنتثرة :175/1)

اس باب میں دیگر روایات بھی ہیں؛

❁ سیدنا ابواُمامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ لِلّٰهِ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى آنِيَةً فِي الْأَرْضِ وَأَحَبُّ الْآنِيَةِ إِلَيْهِ مَا رَقَّ مِنْهَا وَصَفَا، وَآنِيَةُ اللّٰهِ فِي الْأَرْضِ قُلُوبُ الْعِبَادِ الصَّالِحِينَ.

''زمین میں اللہ تبارک وتعالیٰ کے برتن ہیں، اسے سب سے محبوب دل وہ ہیں، جو نرم ہوں اور صاف ہوں۔ زمین میں اللہ تعالیٰ کے برتن نیک لوگوں کے دل ہیں۔''

(الزُّهد لأحمد بن حنبل : 830)

سند جھوٹی ہے۔ محمد بن قاسم اسدی کذاب ہے۔

❁ سیدنا ابوعنبہ خولانی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ لِلّٰهِ آنِيَةً مِّنْ أَهْلِ الْأَرْضِ وَآنِيَةُ رَبِّكُمْ قُلُوبُ عِبَادِهِ الصَّالِحِينَ، وَأَحَبُّهَا إِلَيْهِ أَلْيَنُهَا وَأَرَقُّهَا.

''زمین والوں میں اللہ تعالیٰ کے برتن ہیں، آپ کے رب کے برتن نیک لوگوں کے دل ہیں، اللہ تعالیٰ سب سے محبوب دل وہ ہیں، جو زیادہ نرم ہوں۔''

(مُسند الشّاميّين للطّبراني : 840)

روایت ضعیف و منکر ہے۔

① بقیہ بن ولید تدلیس تسویہ کرتے تھے، آخر سند تک سماع کی تصریح نہیں کی۔

② محمد بن زیاد الہانی کا سیدنا ابوعنبہ خولانی رضی اللہ عنہ سے سماع معلوم نہیں۔

③ ممکن ہے کہ کسی نے خالد بن معدان کے قول کو مرفوع حدیث بنا دیا ہو، کیونکہ خالد بن معدان رحمہ اللہ کا قول ہے:

إِنَّ لِلّٰهِ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى فِي الْأَرْضِ آنِيَةً وَأَحَبُّ آنِيَةِ اللّٰهِ إِلَيْهِ مَا

رَقَّ مِنْهَا وَصَفَا، وَآنِيَةُ اللّٰهِ فِي الْأَرْضِ قُلُوبُ عِبَادِهِ الصَّالِحِينَ .

”زمین میں اللہ تبارک وتعالیٰ کے برتن ہیں، اسے سب سے محبوب دل وہ ہیں، جو نرم ہوں اور صاف ہوں۔ زمین میں اللہ تعالیٰ کے برتن نیک لوگوں کے دل ہیں۔“

(زوائد الزُّهد لعبد اللّٰه بن أحمد : 2264، وسندهٗ صحيحٌ)

نیک لوگوں کے دلوں کو اللہ تعالیٰ کے برتن کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ان دلوں میں اللہ تعالیٰ پر ایمان، اس کی معرفت ومحبت، خشیت وتعظیم اور انابت ورجا پائی جاتی ہے۔

❀ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

إِنَّ اللّٰهَ نَظَرَ فِي قُلُوبِ الْعِبَادِ، فَوَجَدَ قَلْبَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْرَ قُلُوبِ الْعِبَادِ، فَاصْطَفَاهُ لِنَفْسِهٖ، فَابْتَعَثَهٗ بِرِسَالَتِهٖ، ثُمَّ نَظَرَ فِي قُلُوبِ الْعِبَادِ بَعْدَ قَلْبِ مُحَمَّدٍ، فَوَجَدَ قُلُوبَ أَصْحَابِهٖ خَيْرَ قُلُوبِ الْعِبَادِ، فَجَعَلَهُمْ وُزَرَاءَ نَبِيِّهٖ، يُقَاتِلُونَ عَلٰى دِينِهٖ .

”اللہ تعالیٰ نے بندوں کے دلوں کو دیکھا، تو محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دل سب بندوں کے دلوں سے بہترین پایا، تو اسے اپنی نبوت کے لیے منتخب فرما لیا اور رسالت دے کر مبعوث فرمایا، پھر محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کے بعد بندوں کے دلوں کو دیکھا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے دلوں کو سب سے بہترین پایا، تو انہیں اپنے نبی کے وزیر (اور ساتھی) بنا دیا، جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کے لیے قتال کرتے ہیں۔“

(مسند الإمام أحمد : 3600، وسندهٗ حسنٌ)

یہ مطلب نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات نیک لوگوں کے دلوں میں ہے، جیسا کہ باطنی صوفیا کہتے ہیں۔ یہ عقیدہ کفر ہے۔

اہل سنت والجماعت کا اجماع واتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے عرش پر بلند ہے، مخلوق سے جدا ہے، اس کا علم اور قدرت ہر شے کو محیط ہے۔ اس عقیدہ پر بے شمار قرآنی آیات، احادیث متواترہ، آثار سلف، اُمت کا اجماع اور فطرت دلالت کناں ہیں۔

سوال: بعض ملحدین نے کہا ہے:

اَلْمَرْأَةُ مِثْلُ الْبُسْتَانِ .

”عورت ایک باغ کی مثل ہے۔“

لہٰذا جس طرح باغ ایک شخص کی ملکیت میں ہوتا ہے، مگر اس سے دوسرے لوگ بھی حظ اٹھاتے ہیں، اسی طرح بیوی اپنے شوہر کی ملکیت ہوتی ہے، اس سے دوسرے لوگ بھی حظ اٹھا سکتے ہیں۔

اس بارے میں کیا کہتے ہیں؟

جواب: یہ بعض غالی ملحدین، زنادقہ اور گمراہ قلندری صوفیا کا نظریہ ہے۔ ان کے مطابق ہر عورت سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے، خواہ اس سے نکاح ہوا ہو یا نہ ہوا ہو۔ البتہ عورت جس کی منکوحہ ہے، وہ اس کا مالک ہے۔

یہ بے حیائی اور بے شرمی کی انتہا ہے، ایسی واہی تباہی زبان سے اس وقت نکلتی ہے، جب انسان میں مادہ حیا ختم ہو جائے۔

❀ سیدنا ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ مِمَّا اَدْرَكَ النَّاسُ مِنْ كَلَامِ النُّبُوَّةِ، إِذَا لَمْ تَسْتَحْيِ فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ .

”لوگوں کو سابقہ نبوتوں سے جو ملا ہے، اس میں یہ کلام بھی ہے: جب شرم وحیا

ختم ہو جائے، تو جو چاہو کرو۔“

(صحیح البخاري : 3484)

زنا جرم عظیم ہے، بالاتفاق کبیرہ گناہ ہے۔

❁ سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

كُنَّا عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي مَجْلِسٍ فَقَالَ : تُبَايِعُونِي عَلٰى أَنْ لَّا تُشْرِكُوا بِاللّٰهِ شَيْئًا وَّلَا تَسْرِقُوا وَلَا تَزْنُوا، قَرَأَ عَلَيْهِمُ الْآيَةَ، فَمَنْ وَفٰى مِنْكُمْ فَأَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ، وَمَنْ أَصَابَ مِنْ ذٰلِكَ شَيْئًا فَعُوقِبَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ، وَمَنْ أَصَابَ مِنْ ذٰلِكَ شَيْئًا فَسَتَرَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ فَهُوَ إِلَى اللّٰهِ إِنْ شَاءَ غَفَرَ لَهٗ وَإِنْ شَاءَ عَاقَبَهٗ .

”ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں موجود تھے کہ آپ نے فرمایا: آپ اس بات پر میری بیعت کریں کہ اللہ کے ساتھ شرک نہیں کریں گے، چوری نہیں کریں گے اور زنا نہیں کریں گے، آپ نے ان کے سامنے آیت بھی تلاوت کی، جو اس بیعت کو پورا کرے گا، اس کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے اور جو ان میں سے کسی گناہ کا مرتکب ہوا اور اسے سزا بھی مل گئی، تو وہ (سزا) اس کا کفارہ بن جائے گی، جو ان میں سے کسی گناہ کا مرتکب ہوا اور اللہ تعالیٰ نے اس پر پردہ ڈال دیا، تو اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے، خواہ اسے سزا دے، خواہ معاف کردے۔“

(صحیح البخاري : 4894، صحیح مسلم : 1709، المُنتقی لابن الجارود : 803)

❁ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَلْيَدُ زِنَاهَا الْبَطْشُ .

''ہاتھ کا زنا پکڑنا ہے۔''

(صحيح مسلم : 2657)

اگر کوئی غیر محرم عورت کو ہاتھ لگاتا ہے، تو یقیناً یہ ہاتھ کا زنا ہے۔

قیامت کی ایک نشانی یہ بھی ہے کہ زنا عام ہو جائے گا۔

❀ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ مِنْ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ أَنْ يُرْفَعَ الْعِلْمُ وَيَثْبُتَ الْجَهْلُ، وَيُشْرَبَ الْخَمْرُ، وَيَظْهَرَ الزِّنَا .

''قیامت کی علامات میں سے ہے کہ علم اُٹھا لیا جائے گا، جہالت درآئے گی، شراب (بکثرت) پی جائے گی اور زنا عام ہو جائے گا۔''

(صحيح البخاري : 80، صحيح مسلم :2671)

❀ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مِنْ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ؛ أَنْ يَقِلَّ الْعِلْمُ، وَيَظْهَرَ الْجَهْلُ، وَيَظْهَرَ الزِّنَا، وَتَكْثُرَ النِّسَاءُ، وَيَقِلَّ الرِّجَالُ، حَتّٰى يَكُونَ لِخَمْسِينَ امْرَأَةً الْقَيِّمُ الْوَاحِدُ .

''قیامت کی نشانیاں ہیں کہ علم کی کمی اور جہالت کی کثرت ہو جائے گی، زنا عام ہو جائے گا، عورتیں زیادہ ہو جائیں گی اور مرد کم ہوں گے، حتیٰ کہ پچاس عورتوں کی ذمہ داری ایک مرد اٹھائے گا۔''

(صحيح البخاري :81، صحيح مسلم :2671)

زنا حرام ہے، مگر اس کے حلال ہونے کا عقیدہ رکھنا کفر اور ارتداد ہے، ایسا شخص اگر توبہ نہ کرے، تو مرتد ہے اور واجب القتل ہے، یہ فساد فی الارض کی قبیح صورت ہے۔

❁ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا أَنْ يُقَتَّلُوا أَوْ يُصَلَّبُوا أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ مِنْ خِلَافٍ أَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْأَرْضِ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ﴾(المائدۃ : ۳۳)

''جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے جھگڑا کریں اور زمین میں فساد برپا کریں، ان کی سزا یہی ہے کہ انہیں قتل کر دیا جائے یا سولی پر لٹکا دیا جائے، یا مخالف جانب سے ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیے جائیں یا انہیں ملک بدر کر دیا جائے، یہ ان کی دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لیے بہت بڑا عذاب تیار ہے۔''

اگر کوئی شخص مختلف حیلوں اور بہانوں سے زنا کو پروموٹ کرے اور اسے کسی لحاظ سے جواز فراہم کرے، تو وہ فسادی ہے، اسلامی ریاست کو چاہیے کہ اس پر سخت گرفت کرے اور اسے نشان عبرت بنائے، یہی اسلامی تعلیمات ہیں اور یہی مسلم ریاست کا فریضہ ہے۔

سوال: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَأْتِيَكَ الْيَقِينُ﴾(الحجر : 99)

''اپنے رب کی عبادت بجا لائیے، یہاں تک کہ آپ کے پاس ''یقین'' آ جائے۔''

بعض گمراہ اور ملحد صوفیوں نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ جب انسان مقام

یقین کو عبور کر لے، تو اس سے عبادات ساقط ہو جاتی ہیں اور وہ احکام شرعیہ کا پابند نہیں رہتا۔ وہ ''یقین'' کی تاویل معرفت الٰہیہ سے کرتے ہیں۔

جواب: یہ نظریہ ملحد اور زندیق صوفیا کا ہے۔ اپنے آپ کو عبادت سے بے نیاز سمجھنا شیطانی اور دجالی وسوسہ ہے۔

تمام مفسرین کا اجماع ہے کہ آیت بالا میں ''یقین'' سے مراد موت ہے۔

(مِرقاة المَفاتيح للملا علي القاري : 61/1)

❀ اللہ تعالیٰ جہنمیوں کا حال بیان کرتے ہیں:

﴿وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّينِ، حَتّٰى أَتَانَا الْيَقِينُ﴾

(المُدّثّر : 46-47)

''(اہل جہنم کہیں گے) ہم روز قیامت کو جھٹلاتے رہے، یہاں تک کہ ہمیں موت آ گئی۔'' یہاں یقین موت کے معنی میں ہے۔

❀ نبی کریم ﷺ نے سیدنا عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد فرمایا:

أَمَّا هُوَ فَقَدْ جَاءَهُ الْيَقِينُ ......

''انہیں تو موت نے آن لیا ہے......۔''

(صحيح البخاري : 1243)

ثابت ہوا کہ یقین سے مراد موت ہے۔

کئی قرآنی آیات اور احادیث متواترہ میں آخری دم تک شریعت کی پابندی کا ثبوت ہے۔ نبی کریم ﷺ کی آخری نماز کے احوال بھی کتب احادیث میں مذکور ہیں۔

جب افضل الاولیاء اور افضل الانبیاء محمد کریم ﷺ سے عبادات ساقط نہیں ہوئیں، تو

اور کون ہے، جو اس مقام پر پہنچ سکتا ہو؟

آیت کا معنی ''مقامِ یقین'' کرنا صوفیا کی اختراع ہے، اہل حق مفسرین میں سے کسی نے یہ معنی نقل نہیں کیا۔

❁ شیخ الاسلام، ابن تیمیہ رحمہ اللہ (۷۲۸ھ) فرماتے ہیں:

دَخَلَ فِي ذٰلِكَ طَائِفَةٌ مِّنْ ضَلَالِ الْمُتَصَوِّفَةِ ظَنُّوا أَنَّ غَايَةَ الْعِبَادَاتِ هُوَ حُصُولُ الْمَعْرِفَةِ فَإِذَا حَصَلَتْ سَقَطَتِ الْعِبَادَاتُ وَقَدْ يَحْتَجُّ بَعْضُهُمْ بِقَوْلِهٖ : ﴿وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَأْتِيَكَ الْيَقِينُ﴾ (الحِجر : 99)، وَيَزْعُمُونَ أَنَّ الْيَقِينَ هُوَ الْمَعْرِفَةُ وَهٰذَا خَطَأٌ بِإِجْمَاعِ الْمُسْلِمِينَ أَهْلِ التَّفْسِيرِ وَغَيْرِهِمْ فَإِنَّ الْمُسْلِمِينَ مُتَّفَقُونَ عَلٰى أَنَّ وُجُوبَ الْعِبَادَاتِ كَالصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ وَنَحْوِهَا وَتَحْرِيمِ الْمُحَرَّمَاتِ، كَالْفَوَاحِشِ وَالْمَظَالِمِ لَا يَزَالُ وَاجِبًا عَلٰى كُلِّ أَحَدٍ مَّا دَامَ عَقْلُهٗ حَاضِرًا، وَّلَوْ بَلَغَ، وَأَنَّ الصَّلَوَاتِ لَا تَسْقُطُ عَنْ أَحَدٍ قَطُّ إِلَّا عَنِ الْحَائِضِ وَالنُّفَسَاءِ أَوْ مَنْ زَالَ عَقْلُهٗ ...... فَالْمَقْصُودُ مِنْ هٰذَا أَنَّ الصَّلَوَاتِ الْخَمْسَ لَا تَسْقُطُ عَنْ أَحَدٍ لَّهٗ عَقْلٌ، سَوَاءً كَانَ كَبِيرًا أَوْ صَالِحًا أَوْ عَالِمًا، وَمَا يَظُنُّهٗ طَوَائِفُ مِنْ جُهَّالِ الْعِبَادِ وَأَتْبَاعِهِمْ، وَجُهَّالِ النُّظَّارِ وَأَتْبَاعِهِمْ وَجُهَّالِ الْإِسْمَاعِيلِيَّةِ وَالنُّصَيْرِيَّةِ وَإِنْ كَانُوا كُلُّهُمْ جُهَّالًا مِّنْ

سُقُوطِهَا عَنِ الْعَارِفِينَ أَوِ الْوَاصِلِينَ أَوْ أَهْلِ الْحَضرَةِ أَوْ عَمَّنْ خَرِقَتْ لَهُمُ الْعَادَاتُ، أَوْ عَنِ الْأَئِمَّةِ الْإِسْمَاعِيلِيَّةِ أَوْ بَعْضِ أَتْبَاعِهِمْ أَوْ عَمَّنْ عَرَفَ الْعُلُومَ الْعَقْلِيَّةَ أَوْ عَنِ الْمُتَكَلِّمِ الْمَاهِرِ فِي النَّظْرِ أَوِ الْفَيْلَسُوفِ الْكَامِلِ فِي الْفَلْسَفَةِ فَكُلُّ ذٰلِكَ بَاطِلٌ بِاتِّفَاقِ الْمُسْلِمِينَ وَبِمَا عُلِمَ بِالْاِضْطِرَارِ مِنْ دِينِ الْإِسْلَامِ.

”گمراہ صوفیا کا ایک گروہ یہ سمجھتا ہے کہ عبادات کی غایت معرفت کا حصول محض ہے۔ تو جب معرفت حاصل ہو جائے، عبادات ساقط ہو جاتی ہیں۔ بعض نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کو دلیل بنایا ہے: ﴿وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَأْتِيَكَ الْيَقِينُ﴾ (الحجر : 99) ”اللہ کی عبادت کریں، یہاں تک کہ یقین حاصل ہو جائے۔“ صوفیا کہتے ہیں کہ یقین سے مراد معرفت ہے، لیکن یہ خطا ہے۔ مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے۔ اہل تفسیر وغیرہ بھی اس کو خطا کہتے۔ مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ جب تک بندے کی عقل سلامت ہو، اس وقت تک احکام پر عمل کرنا جیسا کہ پانچ نمازیں اور منہیات جیسا کہ ظلم اور فحش وغیرہ سے رکے رہنا واجب ہے۔ نماز کسی سے ساقط نہیں ہوتی، سوائے حیض اور نفاس والی خاتون کے یا اس شخص کے، جس کی عقل ہی زائل ہو چکی ہو۔...... تو اس سے مقصود یہ ہے کہ پانچ نمازیں کسی سے ساقط نہیں ہوں گی، چاہے وہ صالح نیک، عالم اور بڑا ہی کیوں نہ ہو۔ یہ جو جاہل اسماعیلیوں، صوفیوں، نصیریوں اور ان کے متبعین نے سمجھ رکھا ہے کہ عارفین سے نماز ساقط ہو جاتی ہے، یا ان

سے جو ایک خاص مقام کو پہنچ جائیں، یا ائمہ اسماعیلیہ اور ان کے بعض متعبین سے نماز ساقط ہو جاتی ہے۔ اسی طرح علوم عقلیہ کے ماہر سے بھی ساقط ہو جاتی ہے۔ یا پھر علم کلام کے ماہر سے اور کامل فلسفی سے نماز ساقط ہو جاتی ہے، تو یہ سب باطل باتیں ہیں، اس پر مسلمانوں کا اتفاق ہے۔

(دَرء تعارض العقل والنّقل: 3/270-271)

❁ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ (۷۵۱ھ) فرماتے ہیں:

اَلْيَقِينُ هَاهُنَا هُوَ الْمَوْتُ بِإِجْمَاعِ أَهْلِ التَّفْسِيرِ ...... فَلَا يَنْفَكُّ الْعَبْدُ مِنَ الْعُبُودِيَّةِ مَا دَامَ فِي دَارِ التَّكْلِيفِ، بَلْ عَلَيْهِ فِي الْبَرْزَخِ عُبُودِيَّةٌ أُخْرٰى لَمَّا يَسْأَلُهُ الْمَلَكَانِ مَنْ كَانَ يَعْبُدُ؟ وَمَا يَقُولُ فِي رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ وَيَلْتَمِسَانِ مِنْهُ الْجَوَابَ، وَعَلَيْهِ عُبُودِيَّةٌ أُخْرٰى يَوْمَ الْقِيَامَةِ، يَوْمَ يَدْعُو اللّٰهُ الْخَلْقَ كُلَّهُمْ إِلَى السُّجُودِ، فَيَسْجُدُ الْمُؤْمِنُونَ، وَيَبْقَى الْكُفَّارُ وَالْمُنَافِقُونَ لَا يَسْتَطِيعُونَ السُّجُودَ، فَإِذَا دَخَلُوا دَارَ الثَّوَابِ وَالْعِقَابِ انْقَطَعَ التَّكْلِيفُ هُنَاكَ، وَصَارَتْ عُبُودِيَّةُ أَهْلِ الثَّوَابِ تَسْبِيحًا مَقْرُونًا بِأَنْفَاسِهِمْ لَا يَجِدُونَ لَهٗ تَعَبًا وَّلَا نَصْبًا، وَمَنْ زَعَمَ أَنَّهٗ يَصِلُ إِلٰى مَقَامٍ يَسْقُطُ عَنْهُ فِيهِ التَّعَبُّدُ، فَهُوَ زِنْدِيقٌ كَافِرٌ بِاللّٰهِ وَبِرَسُولِهٖ، وَإِنَّمَا وَصَلَ إِلٰى مَقَامِ الْكُفْرِ بِاللّٰهِ، وَالِانْسِلَاخِ مِنْ دِينِهٖ.

”یہاں یقین سے مراد موت ہے اور اس پر مفسرین کا اجماع ہے۔ تو بندہ جب تک دارالتکلیف میں رہتا ہے، اس وقت عبادت سے چھٹی نہیں ملتی، بلکہ برزخ میں بھی اس پر ایک دوسری نوعیت عبادت فرض ہے، فرشتے اس سے سوال کریں گے کہ آپ کس کی عبادت کیا کرتے تھے اور رسول اللہ ﷺ کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟ وہ اس سے جواب چاہیں گے۔ اسی طرح قیامت میں ایک نوعیت کی عبادت ہوگی۔ اللہ اپنی تمام مخلوق کو سجدے کا کہے گا، سب مسلمان مومن سجدہ کریں گے لیکن کفار اور منافقین سجدہ نہیں کر پائیں گے۔ تو جب وہ دار ثواب اور عقاب میں داخل ہو جائیں گے، پھر مکلّف نہیں رہیں گے۔ تو جنت والوں کی عبادت تسبیح ہوگی، جو ان کی سانسوں سے نکلتی رہے گی، اس سے وہ مشکل کا شکار نہیں ہوں گے۔ جو شخص ایسا خیال کرتا ہے کہ وہ ایسے مقام و مرتبے کو پہنچ گیا ہے، جس میں اس سے عبادت ساقط ہوگئی ہے تو وہ زندیق ہے، اللہ و رسول کے ساتھ کفر کرتا ہے۔ وہ اللہ کے ساتھ کفر کے مقام پر پہنچ گیا ہے اور دین سے نکل گیا ہے۔“

(مَدارج السّالکین: 117/1)

❁ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (۷۷۴ھ) فرماتے ہیں:

يُسْتَدَلُّ مِنْ هٰذِهِ الْآيَةِ الْكَرِيمَةِ وَهِيَ قَوْلُهٗ : ﴿وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَأْتِيَكَ الْيَقِينُ﴾ عَلٰى أَنَّ الْعِبَادَةَ كَالصَّلَاةِ وَنَحْوِهَا وَاجِبَةٌ عَلَى الْإِنْسَانِ مَا دَامَ عَقْلُهٗ ثَابِتًا فَيُصَلِّي بِحَسَبِ حَالِهٖ، ...... وَيُسْتَدَلُّ بِهَا عَلٰى تَخْطِئَةِ مَنْ ذَهَبَ مِنَ الْمَلَاحِدَةِ إِلٰى أَنَّ

الْمُرَادَ بِالْيَقِينِ الْمُعْرِفَةُ، فَمَتٰى وَصَلَ أَحَدُهُمْ إِلَى الْمَعْرِفَةِ سَقَطَ عَنْهُ التَّكْلِيفُ عِنْدَهُمْ، وَهٰذَا كُفْرٌ وَّضَلَالٌ وَجَهْلٌ، فَإِنَّ الْأَنْبِيَاءَ، عَلَيْهِمُ السَّلَامُ، كَانُوا هُمْ وَأَصْحَابُهُمْ أَعْلَمَ النَّاسِ بِاللّٰهِ وَأَعْرَفَهُمْ بِحُقُوقِهِ وَصِفَاتِهِ، وَمَا يَسْتَحِقُّ مِنَ التَّعْظِيمِ، وَكَانُوا مَعَ هٰذَا أَعْبَدَ النَّاسِ وَأَكْثَرَ النَّاسِ عِبَادَةً وَّمُوَاظَبَةً عَلٰى فِعْلِ الْخَيْرَاتِ إِلٰى حِينِ الْوَفَاةِ، وَإِنَّمَا الْمُرَادُ بِالْيَقِينِ هَاهُنَا الْمَوْتُ.

''اللہ کا فرمان ہے کہ ''اپنے رب کی عبادت کرتے رہو، یہاں تک کہ آپ کے پاس یقین آجائے۔'' تو اس سے یہ استدلال لیا جاتا ہے کہ جب تک انسان کی عقل سلامت ہو، اس وقت تک وہ عبادات نماز وغیرہ کا مکلّف ہوتا ہے اور اپنے حالات کے مطابق ادا کرتا رہتا ہے۔ اس آیت سے ملحدین کے مذہب کے خطا ہونے پر بھی استدلال کیا جاتا ہے۔ ملحدین کہتے ہیں، یقین سے مراد معرفت ہے۔ تو وہ کہتے ہیں کہ جب بندہ معرفت کے مقام پر پہنچ جائے تو اس سے احکام شرعیہ کی پابندی ساقط ہو جاتی ہے۔ یہ کفر ضلالت اور جہالت ہے۔ کیوں کہ انبیاء اور ان کے ساتھی اللہ کے متعلق سب سے زیادہ علم رکھتے تھے اور اس کی سب سے زیادہ معرفت رکھتے تھے، اس کے حقوق عبادات اور تعظیم میں سب سے زیادہ جاننے والے تھے۔ لیکن اس کے باوجود وہ سب سے بڑے عابد تھے اور نیکی کے کاموں میں سب لوگوں سے زیادہ عبادت کرنے والے تھے۔ یقین سے یہاں مراد موت ہے۔''

(تفسیر ابن کثیر: 554/4، سلامة)

✿ علامہ ابن عابدین شامی حنفی رحمہ اللہ (۱۲۵۲ھ) نقل کرتے ہیں:

مِنْ جِنْسِ ذٰلِكَ مَا يَدَّعِيهِ بَعْضُ مَنْ يَدَّعِي التَّصَوُّفَ أَنَّهٗ بَلَغَ حَالَةً بَيْنَهٗ وَبَيْنَ اللّٰهِ تَعَالٰى أَسْقَطَتْ عَنْهُ الصَّلَاةَ وَحَلَّ لَهٗ شُرْبُ الْمُسْكِرِ وَالْمَعَاصِي وَأَكْلُ مَالِ السُّلْطَانِ، فَهٰذَا مِمَّا لَا أَشُكُّ فِي وُجُوبِ قَتْلِهٖ إِذْ ضَرَرُهٗ فِي الدِّينِ أَعْظَمُ؛ وَيَنْفَتِحُ بِهٖ بَابٌ مِّنَ الْإِبَاحَةِ لَا يَنْسَدُّ؛ وَضَرَرُ هٰذَا فَوْقَ ضَرَرِ مَنْ يَقُولُ بِالْإِبَاحَةِ مُطْلَقًا؛ فَإِنَّهٗ يُمْتَنَعُ عَنِ الْإِصْغَاءِ إِلَيْهِ لِظُهُورِ كُفْرِهٖ.

”بعض صوفیا دعوی کرتے ہیں کہ وہ اپنے اور اللہ کے درمیان اس حالت کو پہنچ گئے ہیں، جہاں ان سے نماز ساقط ہوگئی ہے۔ نشہ حلال ہوگیا ہے، گناہ اور سلطان کا مال کھانا حلال ہوگیا ہے۔ تو میں ان لوگوں کے قتل کے وجوب میں کوئی شک نہیں کرتا، کیونکہ دین میں اس کا ضرر بہت بڑا ہے۔ اس سے اباحیت کا وہ باب کھل جاتا ہے جو بند ہی نہیں ہوسکتا، اس کا ضرر اس شخص کے ضرر سے کہیں بڑا ہے، جو مطلق اباحت کا قول اختیار کرتا ہے، کیونکہ اس کا کفر ظاہر ہوتا ہے، تو لوگ اس کی طرف نہیں جاتے۔“

(فتاوى الشّامي : 243/4)

✿ علامہ ملا علی قاری حنفی رحمہ اللہ (۱۰۱۴ھ) فرماتے ہیں:

يَزْعُمُونَ أَنَّ الْعَبْدَ إِذَا بَلَغَ فِي الْحُبِّ غَايَةَ الْمَحَبَّةِ يَسْقُطُ عَنْهُ التَّكْلِيفُ وَيَكُونُ عِبَادَتُهٗ بَعْدَ ذٰلِكَ التَّفَكُّرَ وَهٰؤُلَاءِ شَرُّ الطَّوَائِفِ

وَكَأَنَّهُمُ اسْتَنَدُوا فِي مُعْتَقَدِهِمْ إِلٰى قَوْلِهٖ تَعَالٰى : ﴿وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَأْتِيَكَ الْيَقِينُ﴾ وَقَدْ أَجْمَعَ الْمُفَسِّرُونَ عَلٰى أَنَّ الْمُرَادَ بِالْيَقِينِ الْمَوْتُ هُنَا .

"(غالی) صوفیا کا کہنا ہے کہ بندہ جب محبت الٰہیہ کی انتہا کو پہنچ جاتا ہے، تو وہ شرعی احکام کا پابند نہیں رہتا، اس کے بعد اس کی عبادت محض تفکر (غور و خوض) ہو جاتی ہے۔ یہ گروہ سب سے برا ہے۔ انہوں نے اپنے اس عقیدے کی بنیاد اس فرمان باری تعالیٰ پر ڈالی ہے: ﴿وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَأْتِيَكَ الْيَقِينُ﴾ (الحجر : 99) "اللہ کی عبادت کریں، یہاں تک کہ موت آ جائے۔" مفسرین کا اجماع ہے کہ یہاں "یقین" سے مراد موت ہے۔"

(شرح الشّفا : 513/2)

ثابت ہوا کہ صوفیا کا مذکورہ بالا آیت سے استدلال واضح خطا اور آیت کریمہ کی معنوی تحریف ہے۔ یہ مقاصد شریعت کو معطل کرنے کی سازش ہے۔

❀❀❀❀❀❀❀

فتاویٰ امن پوری (قسط ۳۹۵)

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

سوال: سیدنا ابوبکرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

كُنَّا عِنْدَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَانْكَسَفَتِ الشَّمْسُ، فَقَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَجُرُّ رِدَاءَهُ حَتّٰى دَخَلَ الْمَسْجِدَ، فَدَخَلْنَا، فَصَلّٰى بِنَا رَكْعَتَيْنِ حَتّٰى انْجَلَتِ الشَّمْسُ.

''ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے کہ سورج گرہن لگ گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم چادر گھسیٹے ہوئے اُٹھے اور مسجد میں داخل ہو گئے، ہم بھی مسجد میں داخل ہو گئے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں گرہن ختم ہونے تک دو رکعتیں پڑھائیں۔''

(صحيح البخاري: 1040)

❁ صحابی رسول سیدنا عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

بَيْنَمَا أَنَا أَرْمِي بِأَسْهُمِي فِي حَيَاةِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، إِذِ انْكَسَفَتِ الشَّمْسُ، فَنَبَذْتُهُنَّ، وَقُلْتُ: لَأَنْظُرَنَّ إِلٰى مَا يَحْدُثُ لِرَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي انْكِسَافِ الشَّمْسِ الْيَوْمَ، فَانْتَهَيْتُ إِلَيْهِ وَهُوَ رَافِعٌ يَدَيْهِ يَدْعُو، وَيُكَبِّرُ، وَيَحْمَدُ، وَيُهَلِّلُ، حَتّٰى جُلِّيَ عَنِ الشَّمْسِ، فَقَرَأَ

سُورَتَيْنِ، وَرَكَعَ رَكْعَتَيْنِ .

''میں رسول اللہ ﷺ کی حیات مبارکہ میں تیر اندازی کر رہا تھا کہ اچانک سورج گرہن ہوا، میں نے تیر وہیں پھینکے اور کہا کہ میں آج ضرور دیکھوں گا کہ سورج گرہن میں رسول اللہ ﷺ کیا کرتے ہیں، چنانچہ میں آپ ﷺ کے پاس پہنچا تو آپ ﷺ ہاتھ اٹھائے دعا کر رہے تھے، جب تک سورج صاف نہیں ہو گیا آپ اللہ کی بڑائی، حمد و ثنا اور الوہیت بیان کرتے رہے، آپ ﷺ نے دو سورتیں پڑھیں اور دو رکعتیں ادا کی تھیں۔''

(صحيح مسلم : 913)

ان احادیث کی بنا پر بعض اہل علم کہتے ہیں کہ نماز خسوف و کسوف میں بھی ایک رکعت میں ایک رکوع کیا جائے گا، ایک سے زائد رکوع نہیں کیا جائے گا۔

اس بارے میں کیا فرماتے ہیں؟

جواب: نماز کسوف اور خسوف کی ایک رکعت میں ایک، دو، تین اور چار رکوع تک مشروع ہیں۔ چاروں طریقے مسنون ہیں اور ان کے بارے میں صحیح احادیث ثابت ہیں۔ مختلف اوقات میں نبی کریم ﷺ کا مختلف عمل رہا ہے۔ ایک طریقہ مان کر دوسرے طریقوں کا انکار کرنا درست نہیں۔ سبھی طریقے جائز اور مشروع ہیں۔

❀ علامہ ابن حزم رحمہ اللہ (۴۵۶ھ) فرماتے ہیں:

مَا رَوَوْا قَطُّ عَنْ أَحَدٍ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يُصَلِّ الْكُسُوفَ إِلَّا مَرَّةً وَكُسُوفُ الشَّمْسِ يَكُونُ مُتَوَاتِرًا، بَيْنَ كُلِّ كُسُوفَيْنِ خَمْسَةُ أَشْهُرٍ قَمَرِيَّةٍ، فَأَيُّ نَكِرَةٍ فِي أَنْ

يُصَلِّي عَلَيْهِ السَّلَامُ فِيهِ عَشْرَاتٍ مِنَ الْمَرَّاتِ فِي نُبُوَّتِهِ؟ .

”محدثین نے کسی صحابی سے نقل نہیں کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک ہی مرتبہ نماز کسوف ادا کی ہو۔ سورج گرہن تو ہوتا ہی رہتا ہے، ہر پانچ قمری مہینوں کے بعد کسوف ہو سکتا ہے، لہٰذا بعید نہیں کہ نبی کریم ﷺ نے عہد نبوت میں دسیوں مرتبہ یہ نماز ادا کی ہو۔“

(المحلّٰى بالآثار : 320/3)

❀ حافظ نووی رحمہ اللہ (٦٧٦ھ) نقل کرتے ہیں:

قَالَ جَمَاعَةٌ مِنَ الْعُلَمَاءِ مِنْهُمْ إِسْحَاقُ بْنُ رَاهَوَيْهِ وَابْنُ جَرِيرٍ وَابْنُ الْمُنْذِرِ : جَرَتْ صَلَاةُ الْكُسُوفِ فِي أَوْقَاتٍ وَّاخْتِلَافُ صِفَاتِهَا مَحْمُولٌ عَلٰى بَيَانِ جَوَازِ جَمِيعِ ذٰلِكَ فَتَجُوزُ صَلَاتُهَا عَلٰى كُلِّ وَاحِدٍ مِنَ الْأَنْوَاعِ الثَّابِتَةِ وَهٰذَا قَوِيٌّ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ .

”علما کی ایک جماعت، جس میں امام اسحاق بن راہویہ، امام ابن جریر طبری اور امام ابن منذر رحمہم اللہ شامل ہیں، کا کہنا ہے: نماز کسوف مختلف اوقات میں ادا کی گئی۔ اس میں مختلف طریقے بیانِ جواز کے لیے ہیں، لہٰذا نماز کسوف کسی بھی ثابت طریقے سے ادا کی جا سکتی ہے، یہ قوی بات ہے۔ واللہ اعلم!“

(شرح النّووي : 199/6)

نوٹ:

نماز خسوف و کسوف کی ایک رکعت میں پانچ رکوع کرنا ثابت نہیں۔ اس بارے میں مروی روایت ضعیف ہے۔

❁ سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

انْكَسَفَتِ الشَّمْسُ عَلٰى عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَإِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلّٰى بِهِمْ فَقَرَأَ بِسُورَةٍ مِّنَ الطُّوَلِ وَرَكَعَ خَمْسَ رَكَعَاتٍ وَّسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ ثُمَّ قَامَ الثَّانِيَةَ فَقَرَأَ سُورَةً مِّنَ الطُّوَلِ وَرَكَعَ خَمْسَ رَكَعَاتٍ وَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ ثُمَّ جَلَسَ كَمَا هُوَ مُسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةِ يَدْعُو حَتّٰى انْجَلٰى كُسُوفُهَا .

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں سورج گرہن ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں لمبی سورت تلاوت فرمائی اور پانچ رکوع کیے، دو سجدے کیے، پھر دوسری رکعت میں قیام کیا، لمبی سورت پڑھی اور پانچ رکوع کیے، دو سجدے کیے، پھر اسی طرح قبلہ رُخ بیٹھ کر دعا مانگتے رہے حتی کہ کسوف ختم ہو گیا۔“

(سنن أبي داوٗد : 1182، زوائد مسند الإمام أحمد : 134/4)

سند ضعیف ہے۔

❁ امام ابن حبان رحمہ اللہ ربیع بن انس کے ترجمہ میں فرماتے ہیں:

اَلنَّاسُ يَتَّقُونَ حَدِيثَهٗ مَا كَانَ مِنْ رِوَايَةِ أَبِي جَعْفَرٍ عَنْهُ لِأَنَّ فِيهَا اضْطِرَابًا كَثِيرًا .

”محدثین اس کی ان احادیث سے بچتے تھے، جو اس سے ابو جعفر نے بیان کی ہیں، کیونکہ ان میں بہت اضطراب ہے۔“

(الثقات : 228/4)

مذکورہ روایت بھی اسی طریق سے ہے، یہ جرح مفسر ہے۔

سوال: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

لَعَنَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُحِلَّ وَالْمُحِلَّلَ لَهٗ .

''رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حلالہ کرنے اور کرانے والے پر لعنت کی ہے۔''

(مسند الإمام أحمد : 323/2، مسند البزّار(كشف الأستار : 1442)، مسند إسحاق ومسند أبي يعلىٰ (نصب الرّاية : 240/3)، السنن الكبرىٰ للبيهقي : 208/7، المتفق للخطيب : 1705، وسندهٗ حسنٌ)

امام ابن الجارود رحمہ اللہ (٦٨٤) نے اسے ''صحیح'' قرار دیا ہے۔

❀ حافظ زیلعی حنفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اَلْحَدِيثُ صَحِيحٌ . ''یہ حدیث صحیح ہے۔''

(نصب الرّاية : 240/3)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ (اعلام الموقعین لابن القیم : ۳/ ۴۸)، علامہ ابن عبد الہادی (تنقیح التحقیق: ۴/۳۶۳) اور حافظ ابن الملقن رحمہم اللہ (التوضیح : ۲۵/۲۲۴) نے اس کی سند کو ''جید'' کہا ہے۔

❀ حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے سند کو ''حسن'' کہا ہے۔

(إعلام المؤقعين : 119/5)

❀ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

رُوَاتُهٗ مُوَثَّقُونَ . ''اس کے راویوں کی توثیق کی گئی ہے۔''

(الدّراية : 73/2)

❁ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (۸۵۲ھ) فرماتے ہیں:

اِسْتَدَلُّوا بِهٰذَا الْحَدِيثِ عَلٰى بُطْلَانِ النِّكَاحِ إِذَا شَرَطَ الزَّوْجُ أَنَّهٗ إِذَا نَكَحَهَا بَانَتْ مِنْهُ أَوْ شَرَطَ أَنَّهٗ يُطَلِّقُهَا أَوْ نَحْوَ ذٰلِكَ وَحَمَلُوا الْحَدِيثَ عَلٰى ذٰلِكَ وَلَا شَكَّ أَنَّ إِطْلَاقَهٗ يَشْمَلُ هٰذِهِ الصُّورَةَ وَغَيْرَهَا .

''اہل علم نے اس حدیث سے اس نکاح کے بطلان پر استدلال کیا ہے، جس میں شوہر یہ شرط لگائے کہ جب بھی وہ (فلاں) عورت سے نکاح کرے گا، وہ جدا ہو جائے گی، یا یہ شرط لگائے کہ وہ اُسے طلاق دے دے گا، وغیرہ وغیرہ۔ اہل علم نے اس حدیث کو اسی صورت پر محمول کیا ہے، اس میں کوئی شک نہیں کہ اس کا عموم اس اور اس جیسی تمام صورتوں کو شامل ہے۔''

(التّلخيص الحبير : 373/3)

ثابت ہوا کہ حلالہ جائز نہیں، حلالہ کرنے اور کرانے والے پر لعنت ہے، لعنت ہمیشہ حرام کام پر ہوتی ہے۔ نکاح حلالہ باطل ہے، اس سے عورت سابقہ شوہر کے لیے حلال نہیں ہوتی۔ جبکہ اس کے معارض روایت ملاحظہ ہو؛

❁ ایک صحابی سے مروی ہے:

إِنَّ رَجُلًا طَلَّقَ امْرَأَتَهٗ عَلٰى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثًا، ثُمَّ تَزَوَّجَتْ زَوْجًا غَيْرَهٗ لِيُحِلَّهَا، فَدَخَلَ بِهَا الزَّوْجُ الثَّانِي، وَطَلَّقَهَا، وَانْقَضَتْ عِدَّتُهَا، فَأَرَادَ الْأَوَّلُ أَنْ يَتَزَوَّجَهَا، فَذَكَرُوا

ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ : أَلَيْسَ سَمّٰى لَهَا صَدَاقًا؟ قَالُوا : بَلٰى؛ قَالَ : أَلَيْسَ تَزَوَّجَهَا بِوَلِيٍّ؟ قَالُوا : بَلٰى؛ قَالَ : أَلَيْسَ تَزَوَّجَهَا بِشُهُودٍ؟ قَالُوا : بَلٰى؛ قَالَ : أَلَيْسَ قَدْ دَخَلَ بِهَا حَتّٰى ذَاقَ عُسَيْلَتَهَا وَذَاقَتْ عُسَيْلَتَهٗ؟ قَالُوا : بَلٰى؛ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : ذَهَبَ الْخِدَاعُ، ذَهَبَ الْخِدَاعُ .

”عہد نبوی میں ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاق دے دیں۔ پھر عورت نے دوسرے شخص سے شادی کی، تا کہ وہ اسے (پہلے شوہر کے لیے) حلال کر دے، دوسرے خاوند نے اس سے ازدواج قائم کیا اور اسے طلاق دے دی، عدت گزر گئی، تو پہلے خاوند نے اس سے دوبارہ شادی کرنے کا ارادہ کیا۔ صحابہ نے یہ تمام ماجرا نبی کریم ﷺ کے گوش گزار کیا، تو آپ ﷺ نے پوچھا: کیا اس (دوسرے خاوند) نے عورت کا حق مہر ادا کیا تھا؟ صحابہ نے عرض کیا: جی ہاں، فرمایا: کیا یہ شادی ولی کی اجازت سے ہوئی؟ عرض کیا: جی ہاں۔ فرمایا: کیا یہ نکاح گواہوں کی موجودگی میں ہوا؟ عرض کیا: جی ہاں۔ فرمایا: کیا اس نے اس سے ازدواجی تعلق قائم کیا، عرض کیا: جی ہاں۔ تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: پھر دھوکہ نہ رہا، دھوکہ نہ رہا۔“

(عِلَل الحديث لابن أبي حاتم : 4/99، الرقم : 1285)

جواب: نکاح حلالہ باطل ہے، اس سے عورت پہلے شوہر کے لیے حلال نہیں ہوتی، جیسا کہ مذکورہ بالا روایت سے ثابت ہوتا ہے۔ جبکہ اس کے معارض پیش کی جانے والی روایت جھوٹی ہے۔

① موسیٰ بن مطیر کوفی ''متروک وکذاب'' ہے۔

② مطیر بن ابی خالد کوفی ''ضعیف ومنکر الحدیث'' ہے۔

✿ امام ابوزرعہ رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

هٰذَا وَاهٍ، ضَعِيفٌ، بَاطِلٌ، غَيْرُ ثَابِتٍ وَلَا صَحِيحٍ، وَلَا أَعْلَمُ بَيْنَ أَهْلِ الْعِلْمِ بِالْحَدِيثِ خِلَافًا أَنَّهٗ حَدِيثٌ وَاهٍ ضَعِيفٌ لَا تَقُومُ بِمِثْلِهٖ حُجَّةٌ.

''یہ کمزور، ضعیف، باطل اور غیر ثابت نہیں۔ اس حدیث کے ضعیف وغیر ثابت ہونے کے بارے میں مجھے محدثین کے مابین کسی اختلاف کا علم نہیں، اس جیسی روایت سے حجت قائم نہیں ہوتی۔''

(عِلَل الحديث لابن أبي حاتم : 100/4، تحت الرّقم : 1285)

لٰہذا حلالہ کے جواز میں پیش کردہ یہ روایت جھوٹی ہے، اس سے دلیل پکڑنا جائز نہیں۔

سوال: عورت کی اقتدا میں مردوں کی نماز کا کیا حکم ہے؟

جواب: عورت مردوں کی امام نہیں بن سکتی، نہ نفل میں اور نہ فرض میں۔

✿ علامہ ابوالمعالی محمد بن احمد اسبیجابی حنفی رحمہ اللہ (۵۹۱ھ) فرماتے ہیں:

لَا يَجُوزُ لِلرِّجَالِ أَنْ يَقْتَدُوا بِامْرَأَةٍ لِإِجْمَاعِ الْأُمَّةِ .

''اُمت کا اجماع ہے کہ مردوں کے لیے عورت کی اقتدا جائز نہیں۔''

(زاد الفُقهاء شرح مُختصر القدوري :180/1)

سوال: کچھوا کا کیا حکم ہے؟

جواب: کچھوا حرام ہے۔ یہ خبائث میں سے ہے۔

❁ علامہ قاضیخان حنفی رحمہ اللہ (۵۹۲ھ) فرماتے ہیں:

يُكْرَهُ أَكْلُهَا، لِأَنَّهَا مِنَ الْخَبَائِثِ.

''کچھوا کھانا مکروہ (تحریمی) ہے، کیونکہ یہ خبائث میں سے ہے۔''

(شرح الجامع الصّغير : 1291/3)

سوال: قبلہ کی طرف ٹانگیں پھیلانا کیسا ہے؟

جواب: قبلہ رخ پاؤں پھیلانے میں حرج نہیں۔ یہ کعبہ کی بے ادبی نہیں ہے، کیونکہ قبلہ رخ ٹانگیں پھیلانے کی ممانعت یا کراہت پر کوئی دلیل منقول نہیں، البتہ بطور اہانت رو بہ قبلہ ٹانگیں پھیلانا جائز نہیں۔

❁ علمائے احناف لکھتے ہیں:

يُكْرَهُ مَدُّ الرِّجْلَيْنِ إِلَى الْكَعْبَةِ فِي النَّوْمِ وَغَيْرِهِ عَمْدًا.

''نیند وغیرہ میں جانتے بوجھتے کعبہ کی طرف پاؤں پھیلانا مکروہ ہے۔''

(فتاویٰ عالمگیری : 319/5، شرح الجامع الصّغير لقاضيخان : 92/1، المُحيط البُرهاني لابن مازة الحنفي : 321/5، الدُّر المختار للحصكفي : 341/1، التّنبيه على مُشكلات الهداية لابن أبي العز الحَنفي : 717/2، البِناية للعَيْني الحَنفي : 468/2، فتاویٰ شامی: 341/1)

کراہت اور ممانعت کا فتویٰ شرعی دلائل سے ثابت ہوتا ہے۔ علمائے احناف نے کراہت پر کوئی دلیل پیش نہیں کی۔

قبلہ کی طرف پاؤں پھیلانے کو خلاف ادب کہنا بھی درست نہیں، کیونکہ ادب اور تعظیم کا طریقہ شرعی دلیل پر موقوف ہے۔

جب رو بہ قبلہ پاؤں کرنے سے منع نہیں کیا گیا، تو بغیر کسی دلیل کے اسے خلاف ادب

و تعظیم قرار دینا اور مکروہ کہنا درست نہیں، واللہ اعلم!

سوال: علمائے احناف نے لکھا ہے:

شَاةٌ وَلَدَتْ وَلَدًا بِصُورَةِ الْكَلْبِ فَأَشْكَلَ أَمْرُهٗ، فَإِنْ صَاحَ مِثْلَ الْكَلْبِ لَا يُؤْكَلُ، وَإِنْ صَاحَ مِثْلَ الشَّاةِ يُؤْكَلُ، وَإِنْ صَاحَ مِثْلَهُمَا يُوضَعُ الْمَاءُ بَيْنَ يَدَيْهِ إِنْ شَرِبَ بِاللِّسَانِ لَا يُؤْكَلُ؛ لِأَنَّهٗ كَلْبٌ، وَإِنْ شَرِبَ بِالْفَمِ يُؤْكَلُ؛ لِأَنَّهٗ شَاةٌ، وَإِنْ شَرِبَ بِهِمَا جَمِيعًا يُوضَعُ التِّبْنُ وَاللَّحْمُ قِبَلَهٗ إِنْ أَكَلَ التِّبْنَ يُؤْكَلُ؛ لِأَنَّهٗ شَاةٌ، وَإِنْ أَكَلَ اللَّحْمَ لَا يُؤْكَلُ، وَإِنْ أَكَلَهُمَا جَمِيعًا يُذْبَحُ إِنْ خَرَجَ الْأَمْعَاءُ لَا يُؤْكَلُ، وَإِنْ خَرَجَ الْكِرْشُ يُؤْكَلُ، كَذَا فِي جَوَاهِرِ الْأَخْلَاطِيِّ.

’’ایک بکری نے بچہ جنم دیا، جس کی شکل کتے کے ساتھ ایسے مشابہ ہے کہ اس کا فرق کرنا مشکل ہو گیا ہے، اس صورت میں اگر وہ بچہ کتے کی طرح آواز نکالے، تو اسے نہیں کھایا جائے گا اور اگر بکری کی طرح آواز نکالے، تو اسے کھایا جائے گا، اگر کتے اور بکری دونوں کی طرح آواز نکالے، تو اس کے سامنے پانی رکھا جائے گا، اگر زبان سے پیے، تو اسے نہیں کھایا جائے گا، کیونکہ وہ کتا ہے اور اگر وہ منہ سے پانی پیے، تو اس کا گوشت کھایا جا سکتا ہے، کیونکہ وہ بکری ہے۔ اگر کتے اور بکری دونوں کی طرح پانی پیے، تو اس کے سامنے چارا اور گوشت کیا جائے گا، اگر وہ چارا کھائے، تو اس کا گوشت کھایا جا سکتا ہے،

کیونکہ وہ بکری ہے اور اگر وہ گوشت کھائے، تو اسے نہیں کھایا جا سکتا (کیونکہ وہ کتا ہے)۔ اگر وہ بچہ (چارا اور گوشت) دونوں کو کھا لے، تو اسے ذبح کیا جائے گا، اگر (پیٹ سے) اس کی انتڑیاں نکلیں، تو اسے کھانا نہیں جائے گا اور اگر اوجھڑی نکلے، تو اسے کھایا جائے گا۔ جواہر الاخلاطی میں اسی طرح لکھا ہے۔''

(فتاویٰ عالمگیری : 290/5، فتاویٰ قاضیخان : 214/3، الجَوهرة النّيرة للزَّبيدي الحَنفي : 185/2)

اس بارے میں کیا کہتے ہیں؟

جواب: جو لوگ فقہ حنفی کو قرآن وحدیث کا نچوڑ کہتے ہیں، ان سے عرض ہے کہ کیا ایسا مضحکہ خیز مسئلہ دین ہو سکتا ہے؟

محدثین کرام کی فقہ کتاب وسنت سے ماخوذ ہے، وہ قرآن، حدیث، آثار سلف اور اجماع اُمت کے دلائل سے واقف تھے، انہوں نے اپنے اجتہادات کی بنیاد انہی اصولوں پر رکھی ہے۔

یہ فرضی مسائل ہیں۔ ان کا حقیقت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ بکری کی جفتی کتے سے ہو، تو غیر جنس ہونے کی وجہ سے بچہ پیدا نہیں ہو سکتا۔

سوال: بغیر عذر فرض نماز توڑنے کا کیا حکم ہے؟

جواب: بغیر عذر فرض نماز توڑنا جائز نہیں۔ ایسا کرنے والا اگر استخفاف اور اہانت کے طور پر کرے، تو یہ ناجائز وحرام ہے، اس پر کفر کا اندیشہ ہے، اسے چاہیے کہ فوراً تائب ہو اور نماز کی قضا دے۔

❀ علمائے احناف کا فتویٰ ہے:

اَلْحَاصِلُ أَنَّ نَقْضَ الصَّلَاةِ بِغَيْرِ عُذْرٍ حَرَامٌ لِأَنَّهُ إِبْطَالُ الْعَمَلِ لَا سِيَّمَا صَلَاةَ الْفَرْضِ .

''حاصل کلام یہ ہے کہ بغیر عذر کے نماز توڑنا حرام ہے، کیونکہ یہ عمل کو باطل کرنا ہے، خاص کر فرض نماز۔''

(شرح الجامع الصّغير لقاضيخان : 112/1، البناية للعَيني : 563/2)

سوال: موزوں پر مسح کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟

جواب: موزوں پر مسح بالا جماع جائز اور مشروع ہے۔

❀ علامہ قاضیخان حنفی رحمہ اللہ (۵۹۲ھ) فرماتے ہیں:

أَمَّا جَوَازُ الْمَسْحِ عَلَى الْخُفِّ مِنْ كُلِّ حَدَثٍ لَا يُوجِبُ الْغُسْلَ، ثَابِتٌ بِالسُّنَّةِ وَإِجْمَاعِ الصَّحَابَةِ .

''ہر وہ حدث، جو غسل کو واجب نہیں کرتا، اس سے (وضو کرتے وقت) موزوں پر مسح کرنا سنت (متواترہ) اور اجماع صحابہ کی رُو سے جائز ہے۔''

(شرح الجامع الصّغير : 56/1)

❀ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (۷۲۸ھ) فرماتے ہیں:

قَدْ تَوَاتَرَتِ السُّنَّةُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْمَسْحِ عَلَى الْخُفَّيْنِ، وَبِغَسْلِ الرِّجْلَيْنِ، وَالرَّافِضِيَّةُ تُخَالِفُ هٰذِهِ السُّنَّةَ الْمُتَوَاتِرَةَ .

''وضو میں موزوں پر مسح کرنا اور ننگے پاؤں دھونا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی متواتر سنت ہے، لیکن روافض اس متواتر سنت کے مخالف ہیں۔''

(منهاج السنّة النبويّة : 177/4)

❀ علامہ ابن ابی العز حنفی رحمہ اللہ (۷۹۲ھ) فرماتے ہیں:

تَوَاتَرَتِ السُّنَّةُ عَنْ رَّسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْمَسْحِ عَلَى الْخُفَّيْنِ، وَبِغَسْلِ الرِّجْلَيْنِ، وَالرَّافِضَةُ تُخَالِفُ هٰذِهِ السُّنَّةَ الْمُتَوَاتِرَةَ .

''موزوں پر مسح کرنا اور پاؤں دھونا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی متواتر سنت سے ثابت ہے،لیکن رافضی اس سنت متواترہ کی مخالفت کرتے ہیں۔''

(شرح العقيدة الطّحاوية، ص 386)

سوال: جس روایت کو امام ترمذی رحمہ اللہ ''غریب'' کہیں،کیا وہ ان کے نزدیک ''ضعیف'' ہوتی ہے؟

جواب: امام ترمذی رحمہ اللہ جس روایت پر ''غریب'' کا لفظ بولیں،تو ضروری نہیں کہ وہ روایت ان کے ہاں ''ضعیف'' ہو،کیونکہ غریب سے مراد یہ ہوتی ہے کہ اس سند کے کسی ایک طبقہ میں ایک راوی ہے،جس کی متابعت نہیں۔

غریب روایت صحیح بھی ہو سکتی ہے،حسن بھی اور ضعیف بھی۔بالالفاظ دیگر ''غریب'' کا تعلق راویوں کی تعداد کے ساتھ ہے اور حسن، صحیح اور ضعیف کا تعلق روایت کے درجہ کے ساتھ ہے۔

❀ علامہ طیبی رحمہ اللہ (۷۴۳ھ) فرماتے ہیں:

قَوْلُ التِّرْمِذِيِّ : «هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ» لَا يُشْعِرُ بِالطَّعْنِ فِيهِ؛ لِأَنَّ الْغَرِيبَ قَدْ يَكُونُ صَحِيحًا .

”امام ترمذی رحمہ اللہ کا کسی حدیث کو ”غریب“ کہنا اس روایت میں طعن نہیں، کیونکہ ”غریب“ روایت کبھی صحیح بھی ہوتی ہے۔“

(شرح الطّيبي : 2749/9)

سوال: درج ذیل روایت کی استنادی حیثیت کیا ہے؟

❀ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

سَبْعَةٌ مِّنَ السُّنَّةِ فِي الصَّبِيِّ يَوْمَ السَّابِعِ؛ يُسَمّٰى، وَيُخْتَنُ، وَيُمَاطُ عَنْهُ الْأَذٰى، وتُثْقَبُ أُذُنُهٗ، ويُعَقُّ عَنْهُ، وَيُحْلَقُ رَأْسُهٗ، ويُلَطَّخُ بِدَمِ عَقِيقَتِهٖ، وَيُتَصَدَّقُ بِوَزْنِ شَعَرِهٖ فِي رَأْسِهٖ ذَهَبًا أَوْ فِضَّةً .

”بچے کی پیدائش کے ساتویں دن سات عمل سنت ہیں: ① بچے کا نام رکھا جائے ② بچے کا ختنہ کیا جائے ③ اس سے میل کچیل اور آلائشیں دور کی جائیں ④ اس کے کانوں میں سوراخ کیے جائیں ⑤ اس کی طرف سے عقیقہ کیا جائے گا ⑥ اس کے سر کے بال مونڈ کر اس پر عقیقہ کے جانور کا خون لیپا جائے گا ⑦ سر کے بالوں کے وزن برابر سونا یا چاندی صدقہ کیا جائے گا۔“

(المُعجم الأوسط للطّبراني : 558)

جواب: سند ضعیف ہے۔

① رواد بن جراح ضعیف ہے۔

② عبدالملک بن ابی سلیمان کی عطاء سے روایت میں کلام ہے۔

سوال: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اثْنَتَانِ فِي النَّاسِ هُمَا بِهِمْ كُفْرٌ؛ الطَّعْنُ فِي النَّسَبِ وَالنِّيَاحَةُ

عَلَى الْمَيِّتِ .

”لوگوں میں دو کفریہ چیزیں پائی جاتی ہیں؛ نسب میں طعن کرنا اور میت پر نوحہ کرنا۔“

(صحیح مسلم : 67)

کیا نسب میں طعن کرنے یا میت پر نوحہ کرنے سے انسان کافر ہو جاتا ہے؟

جواب : نبی کریم ﷺ نے زمانہ جاہلیت جو زمانہ کفر ہے، میں کیے جانے والے دو بڑے کاموں کو بیان کیا کہ یہ اہل کفر کا عمل ہے۔ اس سے ان کی مذمت مقصود ہے۔

حدیث کا یہ مطلب نہیں کہ نوحہ کرنے سے یا نسب میں طعن کرنے سے کفر لازم آتا ہے اور انسان دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ بلکہ نوحہ کرنا اور نسب میں طعن کرنا حرام ہے، اس سے انسان کافر نہیں ہوتا۔

دیگر احادیث میں اسی بات کی تائید ہوتی ہے۔

❁ سیدنا ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

أَرْبَعٌ فِي أُمَّتِي مِنْ أَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ، لَا يَتْرُكُونَهُنَّ؛ الْفَخْرُ فِي الْأَحْسَابِ، وَالطَّعْنُ فِي الْأَنْسَابِ، وَالْاِسْتِسْقَاءُ بِالنُّجُومِ، وَالنِّيَاحَةُ، وَقَالَ : النَّائِحَةُ إِذَا لَمْ تَتُبْ قَبْلَ مَوْتِهَا، تُقَامُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَعَلَيْهَا سِرْبَالٌ مِنْ قَطِرَانٍ، وَدِرْعٌ مِنْ جَرَبٍ .

”میری امت کے (بعض) لوگ جاہلیت کے چار کام نہیں چھوڑیں گے، حسب و نسب میں فخر، نسب میں طعن و عیب، ستاروں کے ذریعے بارش طلب کرنا اور نوحہ کرنا، نوحہ کرنے والی عورت توبہ کے بغیر مر جائے، روز قیامت

اسے اٹھایا جائے گا،تو اس پر گندھک کی قمیص اور خارش کی چادر ہوگی۔“

(صحيح مسلم : 934)

سوال: جو شخص علمائے حق کی طعن کرے اور ان کی مجلس اختیار کرنے سے منع کرے، اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: علمائے حق پر طعن کرنا، ان سے بغض رکھنا اور لوگوں کو ان کی مجلس اختیار کرنے سے روکنا گمراہی ہے۔ علمائے حق اللہ تعالیٰ کے اولیا ہیں، ان سے نفرت کرنا اللہ تعالیٰ سے اعلان جنگ کرنا ہے۔

کوئی حق پرست اہل حق سے نفرت نہیں کرسکتا۔لہٰذا جو اہل حق سے نفرت کرے اور لوگوں کو ان سے الگ رہنے کا کہے، وہ راہِ حق سے منحرف ہے اور الحاد کا شکار ہے۔

سوال: درج ذیل روایت بلحاظ سند کیسی ہے؟

❁ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

قُلْتُ : يَا رَسُولَ اللّٰهِ، إِنْ نَزَلَ بِنَا أَمْرٌ لَيْسَ فِيهِ بَيَانٌ؛ أَمْرٌ وَلَا نَهْيٌ، فَمَا تَأْمُرُنَا؟ قَالَ : تُشَاوِرُونَ الْفُقَهَاءَ وَالْعَابِدِينَ، وَلَا تُمْضُوا فِيهِ رَأْيَ خَاصَّةٍ .

”میں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! اگر ہمیں کوئی معاملہ درپیش ہو، جس کے متعلق (کتاب وسنت میں) کوئی واضح حکم یا ممانعت نہ ہو، تو آپ ہمیں کیا حکم فرماتے ہیں؟ فرمایا: اس صورت میں فقہا اور نیک لوگوں سے مشاورت کرلینا، کسی خاص رائے پر فیصلہ نہ کرنا۔“

(المُعجم الأوسط للطّبراني : 1618)

جواب: سند ضعیف ہے۔ ولید بن صالح مجہول الحال ہے، اسے صرف امام ابن حبان رحمہ اللہ نے ''الثقات: ۵/ ۴۹۱'' میں ذکر کیا ہے۔

اسے ولید بن صالح نحاس قرار دینا خطا ہے۔

سوال: سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں ہے:

يَؤُمُّهَا عَبْدُهَا ذَكْوَانُ مِنَ الْمُصْحَفِ .

''آپ رضی اللہ عنہا کے غلام ذکوان انہیں امامت مصحف سے دیکھ کر کرواتے تھے۔''

(صحيح البخاري : 1 / 96 تعليقاً، مصنّف ابن أبي شيبة : 2 / 337؛ كتاب المَصاحف لابن أبي داود : 797، السنن الكبرىٰ للبَيهقي : 2/253، وسندهٗ صحيحٌ)

حافظ نووی رحمہ اللہ (خُلاصة الأحكام : 1/550) نے سند کو ''صحیح'' اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (تغليق التعليق : 2/291) نے روایت کو ''صحیح'' قرار دیا ہے۔

اس اثر سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن کریم ہاتھ میں پکڑ کر امامت کرانا جائز ہے، جبکہ اس کے معارض ایک روایت پیش کی جاتی ہے:

❀ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

نَهَانَا أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنْ يُؤَمَّ النَّاسُ فِي الْمُصْحَفِ .

''سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ہمیں قرآن کریم ہاتھ میں پکڑ کر امامت کروانے سے منع فرمایا۔''

(كتاب المَصاحف : 772)

اس کا کیا جواب ہے؟

(جواب): نماز میں زبانی قرأت کی قدرت نہ ہو، تو قرآن ہاتھ میں پکڑ کر قرأت کی جا سکتی ہے، محدثین اسے جائز سمجھتے تھے، اسی طرح اگر سامع حافظ نہ ہو، تو وہ بھی ایسا کر سکتا ہے، جیسا کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا اثر اور دیگر آثار سلف سے ثابت ہوتا ہے۔

رہا سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا قرآن کریم سے دیکھ کر امامت کرانے سے منع کرنا، تو اس بارے میں مذکور روایت ہی باطل ہے۔

① نہشل بن سعید متروک وکذاب ہے۔

(تقريب التّهذيب لابن حَجَر : 7197، ميزان الاعتدال للذهبي : 275/4)

② ضحاک بن مزاحم کا سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے سماع نہیں۔

(شُعَب الإيمان للبَيهقي : 367/3، 187/4؛ القراء ة خلفَ الإمام للبَيهقي : 197؛ تفسير ابن كثير : 236/5؛ التلخيص الحبير لابن حَجَر : 21/1؛ العجائب في بَيان الأسباب لابن حجر، ص : 104)

لہٰذا سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ضعیف و غیر ثابت اثر کو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول صحیح و ثابت عمل کے معارض پیش نہیں کیا جا سکتا۔

(سوال): بعض کہتے ہیں کہ نماز میں آمین کہنا مشروع نہیں، بلکہ آمین کہنے سے نماز باطل ہو جاتی ہے۔ اس بارے میں کیا فرماتے ہیں؟

(جواب): نماز میں سورت فاتحہ کے اختتام پر امام اور مقتدی دونوں آمین کہیں گے، جہری نمازوں میں اونچی اور سری نمازوں میں آہستہ آمین کہی جائے گی۔

نماز میں آمین کہنا متواتر احادیث اور اجماع سے ثابت ہے۔ اس کا انکار قطعاً سنت کی مخالفت ہے۔

❀ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِذَا أَمَّنَ الْإِمَامُ، فَأَمِّنُوا، فَإِنَّهُ مَنْ وَّافَقَ تَأْمِينُهُ تَأْمِينَ الْمَلَائِكَةِ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ.

''امام آمین کہے، تو آپ بھی آمین کہیں۔ جس کی آمین فرشتوں کی آمین سے موافق ہوگئی، اس کے سابقہ تمام (صغیرہ) گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔''

(صحيح البخاري : ٧٨٠، صحيح مسلم : ٤١٠)

❀ صحیح مسلم (۴۱۰، ۷۶۱) میں ہے:

إِذَا قَالَ الْقَارِي : ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّينَ﴾ (الفاتحة:٧) فَقَالَ : مَنْ خَلْفَهُ : آمِينَ، فَوَافَقَ قَوْلُهُ قَوْلَ أَهْلِ السَّمَاءِ، غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ.

''جب امام ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّينَ﴾ کہے، مقتدی بھی آمین کہیں اور اس کی آمین فرشتوں کی آمین سے موافق ہوگئی، اس کے سابقہ تمام گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔''

❀ حافظ عراقی رحمہ اللہ (٨٠٦ھ) فرماتے ہیں:

فِيهِ رَدٌّ عَلَى الْإِمَامِيَّةِ فِي دَعْوَاهُمْ أَنَّ التَّأْمِينَ فِي الصَّلَاةِ مُبْطِلٌ لَهَا وَهُمْ فِي ذٰلِكَ خَارِقُونَ لِإِجْمَاعِ السَّلَفِ وَالْخَلَفِ وَلَا حُجَّةَ لَهُمْ فِي ذٰلِكَ لَا صَحِيحَةً وَّلَا سَقِيمَةً.

''اس حدیث میں امامیہ شیعہ کا رد ہے، جن کا دعویٰ ہے کہ نماز میں آمین کہنے سے نماز باطل ہو جاتی ہے۔ امامیہ نے اس مسئلہ میں سلف اور خلف کے اجماع

کی مخالفت کی ہے، ان کے پاس اپنے مؤقف پر کوئی صحیح یا ضعیف دلیل نہیں۔“

(طَرح التّثریب : 266/2)

سوال: جو شخص کہے کہ وہ احکام الٰہی کی معرفت رسولوں کے ذریعے نہیں کرتا، بلکہ اسے اللہ کے احکامات کا علم کسی دوسرے ذرائع سے ہو جاتا ہے۔ ایسے شخص کا کیا حکم ہے؟

جواب: یہ کفر محض ہے، ایسا شخص اگر تائب نہ ہو، تو مرتد ہو جائے گا۔ یہ فساد فی الارض کا مرتکب ہے۔ اس کی سزا قتل ہے، جس کا نفاذ اسلامی ریاست کا فریضہ ہے۔

❀ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (۸۵۲ھ) فرماتے ہیں:

مَنِ ادَّعٰی أَنَّ هُنَاكَ طَرِيقًا أُخْرٰی يَعْرِفُ بِهَا أَمْرَهٗ وَنَهْيَهٗ غَيْرَ الطُّرُقِ الَّتِي جَاءَ تْ بِهَا الرُّسُلُ يَسْتَغْنِي بِهَا عَنِ الرَّسُولِ فَهُوَ كَافِرٌ يُقْتَلُ وَلَا يُسْتَتَابُ .

”جو شخص یہ دعویٰ کرے کہ رسولوں کی لائی ہوئی شریعت کے علاوہ بھی راستہ ہے، جس سے اللہ تعالیٰ کے امر اور نہی کی پہچان ہو سکتی ہے، تو وہ کافر ہے، اسے قتل کر دیا جائے گا، اس سے توبہ بھی نہیں کرائی جائے گی۔“

(فتح الباري :221/1)

احکام الٰہی کو جاننے کا واحد راستہ رسولوں پر نازل ہونے والی وحی رہا ہے۔ اب ہمارے نبی محمد کریم ﷺ تشریف لا چکے ہیں، آپ ﷺ کے بعد اب یہ راستہ بھی بند ہو چکا ہے۔ تمام احکام الٰہی تعلیلاً وتنصیصاً مکمل ہو چکے ہیں، اب کسی حکم کی ضرورت باقی نہیں۔

❀❀❀❀❀❀❀

فتاویٰ امن پوری (قسط ۳۹۶)

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

سوال: بعض ملحدین کہتے ہیں کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے ''مجمع البحرین'' کا سفر نہیں کیا، کیونکہ آپ علیہ السلام تاریخی طور پر اس علاقہ سے واقف نہ تھے۔ اس بارے میں کیا کہتے ہیں؟

جواب: سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے مجمع البحرین کا سفر کیا اور سیدنا خضر علیہ السلام سے ملاقات کی، اس سفر کا ذکر قرآن کریم اور احادیث صحیحہ میں موجود ہے۔

یہ کہنا کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام مجمع البحرین سے واقف نہ تھے، تو ممکن ہے کہ آپ علیہ السلام مجمع البحرین سے واقف ہوں، یا کسی سے پوچھ کر وہاں پہنچ گئے ہوں یا اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو مطلع کر دیا ہو۔

یہ ایک با مشقت سفر تھا، جو سیدنا موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھی یوشع بن نون نے کیا۔ اس کا انکار کرنا یا اسے مجاز پر محمول کرنا واضح الحاد ہے۔

❀ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَإِذْ قَالَ مُوسٰى لِفَتَاهُ لَا أَبْرَحُ حَتّٰى أَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ أَوْ أَمْضِيَ حُقُبًا، فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا نَسِيَا حُوتَهُمَا فَاتَّخَذَ سَبِيلَهُ فِي الْبَحْرِ سَرَبًا﴾ (الکہف: ٦٠-٦١)

''جب موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنے خادم سے کہا کہ میں جب تک ''مجمع البحرین''

تک نہیں پہنچ جاتا، تب تک چلتا رہوں گا، خواہ کئی برس چلنا پڑے، پس جب وہ دونوں مجمع البحرین پر پہنچ گئے، تو اپنی مچھلی بھول گئے، تو مچھلی نے سمندر میں راستہ بنالیا۔''

❁ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

''مجھے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کے رسول جناب موسیٰ علیہ السلام نے ایک دن لوگوں کو وعظ کیا، یہاں تک کہ لوگوں کی آنکھیں بہہ پڑی، دلوں پر رقت طاری ہوگئی، پھر واپس جانے لگے، تو ایک آدمی آکر پوچھنے لگا: اللہ کے رسول! کیا زمین میں آپ سے بڑا علم والا بھی کوئی ہے؟ موسیٰ علیہ السلام نے کہا: نہیں، تو اللہ تعالیٰ نے اس بات ڈانٹ دی، کیونکہ انہوں نے علم کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف نہیں کی۔ لہٰذا کہا گیا: کیوں نہیں؟ موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا: اے میرے رب! وہ کہاں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: مجمع البحرین (جہاں دو سمندر ملتے ہیں)، موسیٰ علیہ السلام نے کہا: اللہ اس جگہ کی کوئی علامت بتا دیں۔ (راوی حدیث کہتے ہیں:) مجھے عمرو بن دینار یہ لفظ بیان کیے: (اے موسیٰ!) جہاں تجھ سے مچھلی جدا ہو جائے، جبکہ امام یعلی رحمہ اللہ نے مجھے یہ الفاظ بیان کیے: (اے موسیٰ!) ایک مردہ مچھلی لو، جہاں اس میں روح پھونک دی جائے گی (وہی مجمع البحرین ہے)، تو موسیٰ علیہ السلام نے مچھلی لی اور اسے ایک ٹوکری میں رکھ لیا، اپنے خادم سے کہا: آپ کی صرف یہی ڈیوٹی ہے کہ جہاں مچھلی جدا ہو جائے، مجھے خبر کرنا۔ خادم کہنے لگا: یہ کوئی زیادہ بڑی ڈیوٹی نہیں ہے۔ جیسا کہ قرآن نے بیان کیا: ﴿وَإِذْ قَالَ مُوسَى لِفَتَاهُ﴾ (الکھف: ٦٠) یہ یوشع

بن نون تھے۔ یہ نام سعید بن جبیر رحمہ اللہ کی روایت میں نہیں ہے۔ موسیٰ علیہ السلام ٹیلے کے سائے میں تر زمین پر آرام کر رہے تھے، اچانک مچھلی ہلنے لگی، موسی علیہ السلام سوئے ہوئے تھے، خادم نے موسیٰ علیہ السلام کو اٹھانا مناسب نہ سمجھا، لیکن جب موسیٰ علیہ السلام بیدار ہوئے، تو خادم انہیں خبر دینا بھول گیا، جبکہ مچھلی چل کر سمندر میں داخل ہو چکی تھی، اللہ تعالیٰ نے مچھلی کے داخل ہونے والی جگہ کا پانی ملنے نہ دیا، یوں لگا کہ جیسے یہ مچھلی کی بِل کا راستہ ہو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انگوٹھے اور ساتھ والی انگلی کا حلقہ بنا کر دکھایا۔ ﴿لَقَدْ لَقِينَا مِنْ سَفَرِنَا هَٰذَا نَصَبًا﴾ (الکہف: ٦٢) خادم نے کہا: اللہ تعالیٰ نے آپ کی تھکن دور کر دی ہے۔ یہ الفاظ سعید بن جبیر رحمہ اللہ کی روایت میں نہیں ہیں۔ خادم نے موسیٰ علیہ السلام کو خبر دی، تو دونوں واپس آئے اور خضر علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ عثمان بن ابی سلیمان کی روایت میں ہے کہ (خضر علیہ السلام) سمندر کے وسط میں ایک بستر پر تھے۔ سعید بن جبیر کی روایت میں ہے کہ کپڑے میں لپٹے ہوئے تھے اس طرح کہ کپڑے کا ایک سرا پاؤں کی نیچے تھا اور دوسرا کنارہ سر کے نیچے تھا، موسیٰ علیہ السلام نے انہیں سلام کیا، تو خضر علیہ السلام نے چہرے سے کپڑا اہٹایا اور کہا: میرے علاقے میں سلام کیسے، آپ کون ہیں؟ کہا: میں موسیٰ ہوں۔ کہا: بنی اسرائیل والے موسیٰ؟ کہا: جی ہاں، خضر علیہ السلام پوچھا: کیا کام ہے؟ کہا: وہ علم سیکھنے آیا ہوں، جو آپ کو سکھایا گیا ہے، کہا: اے موسیٰ! اتنا کافی نہیں کہ تورات آپ کے ہاتھوں میں ہے اور وحی آپ پر نازل ہوتی ہے؟ جو علم میرے پاس ہے، وہ آپ کو سیکھنے کی ضرورت نہیں اور جو آپ کے پاس ہے، وہ مجھے سیکھنے کی ضرورت نہیں۔ اتنے میں ایک

پرندہ آیا اور سمندر سے چونچ بھر پانی پیا۔ خضر علیہ السلام نے فرمایا: میرا اور آپ کا علم اللہ کے علم کے مقابلہ میں ایسے ہی ہے، جیسے اس پرندے نے سمندر سے چونچ بھر پانی پیا۔ یہاں تک کہ موسیٰ اور خضر علیہما السلام کشتی پر سوار ہوئے، دونوں نے چھوٹی چھوٹی کشتیاں دیکھی، جو لوگوں کو ایک ساحل سے دوسرے ساحل تک پہنچاتی تھیں۔ کشتی والوں نے خضر علیہ السلام کو پہچان لیا، کہنے لگے: اللہ کے نیک بندے۔ راوی کہتے ہیں: میں نے سعید بن جبیر سے پوچھا: یہ خضر علیہ السلام کے بارے کہا تھا، فرمایا: جی ہاں۔ ہم ان سے کرایا نہیں لیں گے۔ خضر علیہ السلام نے کشتی میں سوراخ کر کے اس میں کیل داغ دیے، تو موسیٰ علیہ السلام نے کہا: ﴿أَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ أَهْلَهَا، لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا إِمْرًا﴾ (الکہف: ۷۱) مجاہد کہتے ہیں: یہ بات موسیٰ علیہ السلام نے خضر علیہ السلام کی فعل پر نکیر کرتے ہوئے کہی تھی۔ اس پر خضر علیہ السلام نے کہا: آپ سے پہلے ہی کہا تھا کہ میرے ساتھ رہنا آپ کے بس کی بات نہیں ہے۔"

(صحيح البخاري: 4726، صحيح مسلم: 2380)

❁ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ہی بیان کرتے ہیں:

"ان کا اور حر بن قیس بن بن حصن فزاری رضی اللہ عنہ کا صاحبِ موسیٰ علیہ السلام کے بارے تنازعہ ہو گیا، ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وہ خضر علیہ السلام تھے، اسی اثنا دونوں کے قریب سے سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کا گزر ہوا، تو ابن عباس رضی اللہ عنہما نے انہیں بلایا اور عرض کیا: میرا اور میرے دوست کا صاحب موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں مباحثہ ہوا ہے، کہ جس کی ملاقات کے لیے موسیٰ علیہ السلام نے اللہ سے سوال کیا تھا، اس سلسلہ میں

آپ کو نبی کریم ﷺ کی کوئی حدیث یاد ہے، ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کہنے لگے: جی ہاں، میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے: ایک دفعہ موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کی ایک جماعت میں (خطبہ دے رہے) تھے کہ ایک آدمی آیا اور پوچھنے لگا: کیا اس وقت کرۂ ارض پر آپ سے بڑا عالم ہے؟ تو موسیٰ علیہ السلام نے کہا: نہیں، تو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو وحی کی کہ کیوں نہیں، ہمارا بندہ خضر آپ سے بھی بڑا عالم ہے، تو موسیٰ علیہ السلام نے ان سے ملاقات کا طریقہ پوچھا، تو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے مچھلی کو نشانی مقرر کر دیا اور کہا گیا کہ جب مچھلی گم ہو جائے تو وہیں لوٹ جانا، قریب ہی انہیں پا لیں گے۔ موسیٰ علیہ السلام مچھلی کے نشانات کے پیچھے پیچھے جاتے رہے، تو خادم نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا: بھلا جب ہم نے ٹیلے کے پاس آرام کیا تھا؟ تو میں وہاں مچھلی کے متعلق بتانا بھول گیا، مجھے شیطان نے ہی بھلا دیا، موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: اسی کی تو ہمیں تلاش تھی، تو دونوں الٹے پاؤں واپس آئے، تو اسی جگہ خضر علیہ السلام کو پایا، لہٰذا یہ موسیٰ اور خضر علیہما السلام ہی تھے، جن کا قصہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں بیان فرمایا ہے۔"

(صحيح البخاري : 74، صحيح مسلم : 2380)

ثابت ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام کا مجمع البحرین کا سفر حقیقی تھا، یہ سب کچھ عالم بیداری میں ہوا۔

سوال: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَلَمَّا أَتَاهَا نُودِيَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْأَيْمَنِ فِي الْبُقْعَةِ الْمُبَارَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ أَنْ يَّامُوسَىٰ إِنِّي أَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ......﴾

(القصص : ٣٠)

”جب وہ (موسیٰ علیہ السلام) اس (آگ) کے پاس آئے، تو انہیں مبارک قطعہ میں وادی کے دائیں کنارے میں موجود ایک درخت سے آواز دی گئی کہ اے موسیٰ! بلاشبہ میں ہی اللہ رب العالمین ہوں۔“

ملحدین کہتے ہیں کہ درخت سے جو آواز آئی، وہ اللہ تعالیٰ کی آواز نہ تھی، بلکہ اللہ تعالیٰ نے درخت میں آواز پیدا کر دی تھی، جس نے موسیٰ علیہ السلام سے مکالمہ کیا۔

اس بارے میں کیا کہتے ہیں؟

(جواب): ملحدین اور جہمیہ وغیرہ کا نظریہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کلام نہیں کرتا، بلکہ وہ اپنے کلام کو مخلوق میں پیدا کرتا ہے، یہ واضح الحاد و کفر ہے۔

اہل سنت والجماعت کا اتفاق واجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ صفت کلام سے متصف ہے، وہ صوت وحروف سے کلام کرتا ہے، کما یلیق بہ۔

مذکورہ آیت میں بھی اللہ تعالیٰ نے خود کلام کیا۔ وہ ندا درخت کی طرف سے آ رہی تھی، ایسا نہیں کہ درخت سے ہی آواز آ رہی تھی، صرف آواز کی سمت درخت تھا۔

❀ امام ابوالحسن اشعری رحمہ اللہ (۳۲۴ھ) فرماتے ہیں:

قَدْ قَالَ اللّٰهُ تَعَالیٰ : ﴿وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِنْ وَّرَاءِ حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِإِذْنِهٖ مَا يَشَاءُ﴾، فَلَوْ كَانَ كَلَامُ اللّٰهِ لَا يُوجَدُ إِلَّا مَخْلُوقًا فِي شَيْءٍ مَّخْلُوقٍ لَّمْ يَكُنْ لِاشْتِرَاطِ هٰذِهِ الْوُجُوهِ مَعْنًى، لِأَنَّ الْكَلَامَ قَدْ سَمِعَهٗ جَمِيعُ الْخَلْقِ وَوَجَدُوهُ ـ بِزَعْمِ الْجَهْمِيَّةِ ـ مَخْلُوقًا فِي

غَيْرِ اللّٰهِ تَعَالىٰ، وَهٰذَا يُوجِبُ إِسْقَاطَ مَرْتَبَةِ النَّبِيِّينَ صَلَوَاتُ اللّٰهِ عَلَيْهِمْ أَجْمَعِينَ، وَيَجِبُ عَلَيْهِمْ إِذَا زَعَمُوا أَنَّ كَلَامَ اللّٰهِ لِمُوسٰى خَلَقَهٗ فِي شَجَرَةٍ أَنْ يَّكُونَ مَنْ سَمِعَ كَلَامَ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ مِنْ مَلَكٍ أَوْ مِنْ نَبِيٍّ أَتٰى بِهٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ أَفْضَلَ مَرْتَبَةٍ مِّنْ سَمَاعِ الْكَلَامِ مِنْ مُّوسٰى، لِأَنَّهُمْ سَمِعُوهُ مِنْ نَبِيٍّ، وَلَمْ يَسْمَعْهُ مُوسٰى مِنَ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ، وَإِنَّمَا سَمِعَهٗ مِنْ شَجَرَةٍ، وَأَنْ يَزْعُمُوا أَنَّ الْيَهُودِيَّ إِذَا سَمِعَ كَلَامَ اللّٰهِ مِنَ النَّبِيِّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ أَفْضَلَ مَرْتَبَةٍ فِي هٰذَا الْمَعْنٰى مِنْ مُّوسٰى صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، لِأَنَّ الْيَهُودِيَّ سَمِعَهٗ مِنْ نَبِيٍّ مِّنْ أَنْبِيَاءِ اللّٰهِ، وَمُوسٰى سَمِعَهٗ مَخْلُوقًا فِي شَجَرَةٍ، وَلَوْ كَانَ مَخْلُوقًا فِي شَجَرَةٍ لَّمْ يَكُنْ مُّكَلِّمًا لِّمُوسٰى مِنْ وَّرَاءِ حِجَابٍ، لِأَنَّ مَنْ حَضَرَ الشَّجَرَةَ مِنَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ قَدْ سَمِعُوا الْكَلَامَ مِنْ ذٰلِكَ الْمَكَانِ، وَكَانَ سَبِيلُ مُوسٰى وَغَيْرِهٖ فِي ذٰلِكَ سَوَاءً فِي أَنَّهٗ لَيْسَ كَلَامُ اللّٰهِ لَهٗ مِنْ وَّرَاءِ حِجَابٍ، ثُمَّ يُقَالُ لَهُمْ : إِذَا زَعَمْتُمْ أَنَّ مَعْنٰى أَنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ كَلَّمَ مُوسٰى : أَنَّهٗ خَلَقَ كَلَامًا كَلَّمَهٗ بِهٖ فِي الشَّجَرَةِ، وَقَدْ خَلَقَ اللّٰهُ عِنْدَكُمْ فِي الذِّرَاعِ كَلَامًا، لِأَنَّ الذِّرَاعَ قَالَتْ لِرَسُولِ اللّٰهِ

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : لَا تَأْكُلْنِي ، فَإِنِّي مَسْمُومَةٌ ، فَيَلْزَمُكُمْ أَنَّ ذٰلِكَ الْكَلَامَ الَّذِي سَمِعَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَلَامُ اللّٰهِ تَعَالٰى .

''اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:﴿ وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِإِذْنِهٖ مَا يَشَاءُ﴾ ''کسی بشر کے لیے ممکن نہیں کہ اللہ اس سے کلام کرے، مگر وحی کے ذریعے یا پردے کے پیچھے سے یا کوئی فرشتہ بھیج دے، پھر اس کی طرف اپنے اذن سے جو چاہے وحی کرے۔'' اگر اللہ تعالیٰ کی کلام کسی مخلوق میں ہی پیدا کی ہوئی پائی جاتی، تو ان قیود کے ساتھ مشروط کرنے کا کوئی معنی باقی نہیں رہتا، کیونکہ جہمی لوگوں کے بقول اسے بسا اوقات ساری مخلوقات اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور ذات میں پیدا شدہ حالت میں سن لیتی ہیں۔ اس عقیدے سے انبیائے کرام کے مقام ومرتبہ میں تنقیص لازم آتی ہے۔ جب جہمی لوگ یہ دعویٰ کریں کہ اللہ تعالیٰ نے جو سیدنا موسیٰ علیہ السلام سے کلام کی تھی، اسے ایک درخت میں پیدا کیا تھا، تب ان پر لازم آئے گا کہ جن لوگوں نے اس کلام کو کسی فرشتے یا ایلچی سے سنا ہو، جو اسے اللہ کے پاس سے لے کر آیا تھا، وہ کلام سننے کے اعتبار سے سیدنا موسیٰ علیہ السلام سے افضل ہوں، کیونکہ ان لوگوں نے اسے کسی نبی سے سنا ہوگا، لیکن موسیٰ علیہ السلام نے اسے اللہ عزوجل سے نہیں سنا، بلکہ ایک درخت سے سنا تھا، نیز ان جہمیہ پر یہ دعویٰ بھی لازم آتا ہے کہ ایک یہودی جب اللہ تعالیٰ کی کلام کو اپنے نبی علیہ السلام سے سنے، تو وہ اس کام میں موسیٰ علیہ السلام سے افضل ہوگا، کیونکہ یہودی

نے اسے اللہ کی کسی نبی سے سنا ہوگا اور موسیٰ علیہ السلام نے اسے ایک درخت میں مخلوق ہونے کی صورت میں سنا ہوگا۔ اگر اللہ کی کلام درخت میں پیدا کر دی گئی تھی، تو اللہ تعالیٰ نے پھر موسیٰ علیہ السلام سے پردے کے پیچھے سے کلام نہیں کی، کیونکہ جو بھی جن یا انسان اس جگہ حاضر ہوگا، اس نے اسی جگہ سے کلام کو سنا ہو گا۔ یوں موسیٰ علیہ السلام اور ان کے غیر کا ذریعہ ایک ہی ہوگا کہ انہوں نے کلام کو پردے کے پیچھے سے نہیں سنا۔ پھر ان جہمیوں سے کہا جائے گا کہ جب تمہارا یہ دعویٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے موسیٰ علیہ السلام سے کلام کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس نے کلام کو درخت میں پیدا کیا، پھر اس کے ذریعے موسیٰ علیہ السلام سے کلام کی، تو پھر اللہ تعالیٰ نے شانے کے گوشت میں بھی کلام پیدا کی ہے، کیونکہ شانے کے گوشت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا کہ مجھے نہ کھائیں، کیونکہ میں زہر آلود ہوں۔ چنانچہ تمہارے نزدیک یہ لازم آئے گا کہ جو کلام نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سنی تھی، وہ اللہ تعالیٰ کی کلام تھی۔"

(الإبانة عن أصول الدّيانة، ص 109)

✿ امام آجری رحمہ اللہ (۳۶۰ھ) فرماتے ہیں:

إِنْ قَالَ مِنْهُمْ قَائِلٌ : إِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى خَلَقَ كَلَامًا فِي الشَّجَرَةِ، فَكَلَّمَ بِهٖ مُوسٰى قِيلَ لَهٗ : هٰذَا هُوَ الْكُفْرُ، لِأَنَّهٗ يَزْعُمُ أَنَّ الْكَلَامَ مَخْلُوقٌ، تَعَالَى اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ عَنْ ذٰلِكَ وَيَزْعُمُ أَنَّ مَخْلُوقًا يَدَّعِي الرُّبُوبِيَّةَ، وَهٰذَا مِنْ أَقْبَحِ الْقَوْلِ وَأَسْمَجِهٖ، وَقِيلَ لَهٗ : يَا مُلْحِدُ، هَلْ يَجُوزُ لِغَيْرِ اللّٰهِ أَنْ يَقُولَ : إِنَّنِي أَنَا اللّٰهُ؟ نَعُوذُ

بِاللّٰهِ أَنْ يَكُونَ قَائِلُ هٰذَا مُسْلِمًا، هٰكَذَا كَافِرٌ يُّسْتَتَابُ، فَإِنْ تَابَ وَرَجَعَ عَنْ مَذْهَبِهِ السُّوءِ وَإِلَّا قَتَلَهُ الْإِمَامُ، فَإِنْ لَّمْ يَقْتُلْهُ الْإِمَامُ وَلَمْ يَسْتَتِبْهُ وَعُلِمَ مِنْهُ أَنَّ هٰذَا مَذْهَبُهٗ هُجِرَ وَلَمْ يُكَلَّمْ، وَلَمْ يُسَلَّمْ عَلَيْهِ وَلَمْ يُصَلَّ خَلْفَهٗ، وَلَمْ تُقْبَلْ شَهَادَتُهٗ، وَلَمْ يُزَوِّجْهُ الْمُسْلِمُ كَرِيمَتَهٗ.

''اگر ان میں سے کوئی کہے کہ اللہ نے درخت میں کلام کو پیدا کیا تھا اور اس کے ذریعے موسیٰ علیہ السلام سے کلام کی تھی، تو اسے کہا جائے گا، یہی کفر ہے، کیونکہ ان کا دعویٰ ہے کہ کلامِ الٰہی مخلوق ہے۔ اللہ اس سے پاک ہے۔ وہ شخص گمان کرتا ہے کہ مخلوق ربوبیت کا دعویٰ کر رہی ہے۔ یہ سب سے قبیح اور بدترین قول ہے، اس سے مزید کہا جائے گا: اے ملحد و بے دین! کیا غیر اللہ کے لیے یہ کہنا جائز ہے کہ میں ہی اللہ ہوں؟ ہم اللہ کی پناہ میں آتے ہیں کہ ایسا کہنے والا مسلمان ہو۔ یہ تو کافر ہے، اس سے توبہ کروائی جائے گی، اگر توبہ کر لے اور اپنے برے مذہب سے لوٹ آئے، تو ٹھیک ورنہ حاکمِ وقت اسے قتل کر دے۔ اگر حکمران وقت قتل نہیں کرتا اور اس سے توبہ نہیں کروائی جاتی اور اس کا مذہب معلوم ہو جاتا ہے، تو اس سے قطع تعلقی کی جائے گی، اس سے کلام نہیں کیا جائے گا، سلام بھی نہیں کہا جائے گا، نہ ہی اس کی اقتدا میں نماز پڑھی جائے گی، نہ اس کی گواہی قبول ہو گی اور نہ اس سے کوئی مسلمان اپنی بیٹی کی شادی کرے گا۔''

(كتاب الشّريعة : 1109/3)

❀ حافظ بیہقی رحمہ اللہ (۴۵۸ھ) فرماتے ہیں:

لَوْ كَانَ كَلَامُ اللّٰهِ لَا يُوجَدُ إِلَّا مَخْلُوقًا فِي شَيْءٍ مَّخْلُوقٍ لَّمْ يَكُنْ لِاشْتِرَاطِ هٰذِهِ الْوُجُوهِ مَعْنًى لِّاسْتِوَاءِ جَمِيعِ الْخَلْقِ فِي سَمَاعِهٖ مِنْ غَيْرِ اللّٰهِ وَوُجُودِهِمْ ذٰلِكَ عِنْدَ الْجَهْمِيَّةِ مَخْلُوقًا فِي غَيْرِ اللّٰهِ، وَهٰذَا يُوجِبُ إِسقَاطَ مَرْتَبَةِ النَّبِيِّينَ صَلَوَاتُ اللّٰهِ عَلَيْهِمْ أَجْمَعِينَ، وَيَجِبُ عَلَيْهِمْ إِذَا زَعَمُوا أَنَّ كَلَامَ اللّٰهِ لِمُوسٰى خَلَقَهٗ فِي شَجَرَةٍ، أَنْ يَّكُونَ مَنْ سَمِعَ كَلَامَ اللّٰهِ مِنْ مَلَكٍ أَوْ مِنْ نَبِيٍّ أَتَاهُ بِهٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ أَفْضَلَ مَرْتَبَةً فِي سَمَاعِ الْكَلَامِ مِنْ مُّوسٰى، لِأَنَّهُمْ سَمِعُوهُ مِنْ نَبِيٍّ وَلَمْ يَسْمَعْهُ مُوسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ مِنَ اللّٰهِ، وَإِنَّمَا سَمِعَهٗ مِنْ شَجَرَةٍ، وَأَنْ يَّزْعُمُوا أَنَّ الْيَهُودَ إِذْ سَمِعَتْ كَلَامَ اللّٰهِ مِنْ مُّوسٰى نَبِيِّ اللّٰهِ أَفْضَلُ مَرْتَبَةً فِي هٰذَا الْمَعْنٰى مِنْ مُّوسَى بْنِ عِمْرَانَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى نَبِيِّنَا وَسَلَّمَ؛ لِأَنَّ الْيَهُودَ سَمِعَتْهُ مِنْ نَبِيٍّ مِّنَ الْأَنْبِيَاءِ وَمُوسٰى صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى نَبِيِّنَا وَسَلَّمَ سَمِعَهٗ مَخْلُوقًا فِي شَجَرَةٍ وَّلَوْ كَانَ مَخْلُوقًا فِي شَجَرَةٍ لَّمْ يَكُنِ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ مُكَلِّمًا لِّمُوسٰى مِنْ وَّرَاءِ حِجَابٍ؛ وَّلِأَنَّ كَلَامَ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ لِمُوسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ لَوْ كَانَ مَخْلُوقًا فِي شَجَرَةٍ كَمَا زَعَمُوا لَزِمَهُمْ أَنْ تَكُونَ الشَّجَرَةُ بِذٰلِكَ الْكَلَامِ مُتَكَلِّمَةً،

وَوَجَبَ عَلَيْهِمْ أَنَّ مَخْلُوقًا مِّنَ الْمَخْلُوقِينَ كَلَّمَ مُوسٰى وَقَالَ لَهٗ: ﴿إِنَّنِي أَنَا اللّٰهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدْنِي﴾، وَهٰذَا ظَاهِرُ الْفَسَادِ.

''اگر اللہ کا کلام صرف کسی مخلوق چیز میں مخلوق ہو کر ہی پایا جائے، تو ان قیود میں سے کسی کی شرط لگانے کا کوئی معنی نہیں، کیونکہ تمام مخلوق اس کو غیر اللہ سے سننے میں برابر ہے اور یہ جہمیہ کے ہاں غیر اللہ میں پیدا شدہ ہے۔ یہ چیز انبیا کے مقام ومرتبہ کو کم کرنے کا سبب بنتی ہے۔ جب وہ یہ دعویٰ کریں کہ اللہ کی موسیٰ علیہ السلام سے کلام ایک درخت میں پیدا کی گئی تھی تو ان پر لازم آتا ہے کہ جن لوگوں نے اس کلام کو کسی فرشتے یا نبی سے سنا ہے، جو اسے اللہ کی طرف سے لے کر آیا تھا، وہ لوگ اس کلام کو سننے میں موسیٰ علیہ السلام سے بہتر وافضل ہیں، کیونکہ انہوں نے تو اس کلام کو کسی نبی سے سنا ہے، جبکہ موسیٰ علیہ السلام نے اس کلام کو اللہ تعالیٰ سے نہیں سنا، بلکہ ایک درخت سے سنا ہے، نیز ان پر لازم آتا ہے کہ وہ یہ دعویٰ کریں کہ یہودی جب اللہ کی کلام کو اللہ کے نبی موسیٰ علیہ السلام سے سنتے تھے تو وہ اس سننے میں موسیٰ بن عمران علیہ السلام سے افضل تھے، کیونکہ یہودیوں نے اسے اللہ کے نبیوں میں سے ایک نبی موسیٰ علیہ السلام سے سنا تھا، جبکہ موسیٰ علیہ السلام نے اسے ایک مخلوق درخت سے سنا تھا۔ اگر یہ کلام ایک درخت میں پیدا گیا ہوتا، تو اللہ تعالیٰ پردے کے پیچھے سے موسیٰ علیہ السلام سے کلام نہیں کر رہا تھا، بلکہ اس صورت میں تو ان پر یہ کہنا لازم آتا ہے کہ وہ درخت موسیٰ علیہ السلام سے کلام کر رہا تھا اور یوں لازم آتا ہے کہ مخلوق میں سے ایک مخلوق نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام کی تھی اور انہیں کہا تھا کہ میں ہی اللہ ہوں، میری عبادت کرو اور یہ واضح طور پر فاسد بات ہے۔''

(الاعتقاد، ص 97-98)

علامہ ابن ابی العز حنفی رحمہ اللہ (۷۹۲ھ) فرماتے ہیں:

مَا أَفْسَدَ اسْتِدْلَالُهُمْ بِقَوْلِهِ تَعَالَىٰ: ﴿نُوْدِيَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِي الْأَيْمَنِ فِي الْبُقْعَةِ الْمُبَارَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ﴾ عَلٰى أَنَّ الْكَلَامَ خَلَقَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى فِي الشَّجَرَةِ، فَسَمِعَهُ مُوسٰى مِنْهَا! وَعَمَوْا عَمَّا قَبْلَ هٰذِهِ الْكَلِمَةِ وَمَا بَعْدَهَا، فَإِنَّ اللّٰهَ قَالَ: ﴿فَلَمَّا أَتَاهَا نُوْدِيَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِي الْأَيْمَنِ﴾، النِّدَاءُ هُوَ الْكَلَامُ مِنْ بُعْدٍ، فَسَمِعَ مُوسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ النِّدَاءَ مِنْ حَافَةِ الْوَادِي، ثُمَّ قَالَ: ﴿فِي الْبُقْعَةِ الْمُبَارَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ﴾ أَيْ أَنَّ النِّدَاءَ كَانَ فِي الْبُقْعَةِ الْمُبَارَكَةِ مِنْ عِنْدِ الشَّجَرَةِ، كَمَا يَقُولُ: سَمِعْتُ كَلَامَ زَيْدٍ مِّنَ الْبَيْتِ، يَكُونُ مِنَ الْبَيْتِ لِابْتِدَاءِ الْغَايَةِ، لَا أَنَّ الْبَيْتَ هُوَ الْمُتَكَلِّمُ! وَلَوْ كَانَ الْكَلَامُ مَخْلُوقًا فِي الشَّجَرَةِ لَكَانَتِ الشَّجَرَةُ هِيَ الْقَائِلَةُ: ﴿يَا مُوْسٰى إِنِّي أَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعَالَمِيْنَ﴾، وَهَلْ قَالَ: إِنِّي أَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ، غَيْرُ رَبِّ الْعَالَمِينَ؟ وَلَوْ كَانَ هٰذَا الْكَلَامُ بَدَأَ مِنْ غَيْرِ اللّٰهِ لَكَانَ قَوْلُ فِرْعَوْنَ: أَنَا رَبُّكُمُ الْأَعْلٰى صِدْقًا إِذْ كُلٌّ مِّنْ كَلَامَيْنِ عِنْدَهُمْ مَخْلُوقٌ قَدْ قَالَهُ غَيْرُ اللّٰهِ! وَقَدْ فَرَّقُوا بَيْنَ الْكَلَامَيْنِ عَلٰى أُصُولِهِمُ الْفَاسِدَةِ:

أَنَّ ذَاكَ كَلَامُ اللّٰهِ خَلَقَهُ اللّٰهُ فِي الشَّجَرَةِ، وَهٰذَا كَلَامٌ خَلَقَهُ فِرْعَوْنُ! فَحَرَّفُوا وَبَدَّلُوا وَاعْتَقَدُوا خَالِقًا غَيْرَ اللّٰهِ .

''ان (جہمیہ) کا فرمانِ باری تعالیٰ:﴿نُوْدِيَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِي الْأَيْمَنِ فِي الْبُقْعَةِ الْمُبَارَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ﴾ سے اس بات پر استدلال کتنا فاسد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کلام کو درخت میں پیدا کیا، پھر موسیٰ علیہ السلام نے اس سے سنا! وہ اس فرمانِ باری تعالیٰ کے ماقبل اور مابعد سے اندھے بن گئے ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:﴿ فَلَمَّا أَتَاهَا نُوْدِيَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِي الْأَيْمَنِ﴾ ندا تو دور سے کلام کرنے کو کہتے ہیں اور موسیٰ علیہ السلام نے کلام کو وادی کے اندر سے سنا تھا، پھر فرمان ہوا:﴿فِي الْبُقْعَةِ الْمُبَارَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ﴾ یعنی ندا بقعۂ مبارکہ میں درخت کے پاس سے تھی، جیسا کہ کوئی آدمی کہتا ہے کہ میں نے زید کی کلام کو گھر سے سنا، گھر کا لفظ ابتدائے غایت کے لیے ہوتا ہے، یہ نہیں کہ گھر کلام کر رہا تھا۔ اگر یہ کلام مخلوق ہوتی اور درخت میں پیدا کی گئی ہوتی، تو درخت ہی یہ کہنے والا ہوتا کہ اے موسیٰ میں ہی رب العالمین ہوں۔ کیا رب العالمین کے علاوہ کسی اور نے کہا تھا کہ میں رب العالمین ہوں؟ اگر یہ کلام غیر اللہ سے ظاہر ہوئی تھی، تو پھر فرعون کا یہ کہنا سچ تھا کہ میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں! کیونکہ دونوں کلام جہمیوں کے ہاں مخلوق ہیں اور دونوں کا قائل غیر اللہ ہے، لیکن انہوں نے اپنے فاسد اصولوں کے مطابق ان دونوں کلاموں میں فرق کیا ہے کہ وہ اللہ کی کلام تھی، جسے اس نے درخت میں پیدا کیا تھا اور یہ وہ کلام تھی، جسے فرعون نے پیدا کیا تھا! انہوں نے تحریف وتبدل سے

کام لیا ہے اور یہ اعتقاد رکھا ہے کہ اللہ کے علاوہ بھی کوئی خالق ہے۔‘‘

(شرح العقيدة الطّحاوية، ص 174-175)

سوال: ملحدین کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی تمام آیات محکم کیوں نہ نازل کیں، کیونکہ متشابہات کو سمجھنا مشکل ہوتا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی بعض آیات محکم اور بعض متشابہ نازل کی ہیں۔ اس میں کئی حکمتیں ہیں، مثلاً: یہ تقسیم اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے بندوں کا امتحان ہے، اس کے مخلص بندے محکم آیات کا اتباع کرتے ہیں اور متشابہات کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیتے ہیں، جبکہ گمراہ لوگ متشابہات میں پڑ کر مزید گمراہ ہو جاتے ہیں۔

❁ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ أُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ فَأَمَّا الَّذِيْنَ فِي قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِيْلِهِ﴾(آل عمران : ٧)

’’اسی ذات نے آپ پر کتاب نازل کی، اس کی بعض آیات محکم ہیں، بعض متشابہ ہیں، محکم آیات اصل کتاب ہیں۔ ٹیڑھے دل والے فتنہ و تاویل باطلہ کی غرض سے متشابہ آیات کا سہارا لیتے ہیں۔‘‘

❁ امام طبری رحمہ اللہ (۳۱۰ھ) فرماتے ہیں:

هٰذِهِ الْآيَةُ وَإِنْ كَانَتْ نَزَلَتْ فِيمَنْ ذَكَرْنَا أَنَّهَا نَزَلَتْ فِيهِ مِنْ أَهْلِ الشِّرْكِ، فَإِنَّهُ مَعْنِيٌّ بِهَا كُلُّ مُبْتَدِعٍ فِي دِينِ اللّٰهِ بِدْعَةً، فَمَالَ قَلْبُهُ إِلَيْهَا، تَأْوِيلًا مِّنْهُ لِبَعْضِ مُتَشَابِهِ آيِ الْقُرْآنِ، ثُمَّ

حَاجَّ بِهٖ وَجَادَلَ بِهٖ أَهْلَ الْحَقِّ، وَعَدَلَ عَنِ الْوَاضِحِ مِنْ أَدِلَّةِ آيِهِ الْمُحْكَمَاتِ إِرَادَةً مِنْهُ بِذٰلِكَ اللَّبْسَ عَلٰى أَهْلِ الْحَقِّ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ، وَطَلَبًا لِّعِلْمِ تَأْوِيلِ مَا تَشَابَهَ عَلَيْهِ مِنْ ذٰلِكَ كَائِنًا مَنْ كَانَ ....

''اگرچہ یہ آیت مشرکین کے بارے میں نازل ہوئی ہے، لیکن اس سے مراد ہر بدعتی ہے، جو اللہ کے دین میں بدعت جاری کرتا ہے، پھر قرآن کی بعض متشابہ آیات میں تاویل کرتے ہوئے اس کا دل اس بدعت کی طرف مائل ہو جاتا ہے اور وہ اہل حق سے جھگڑا کرتے ہوئے محکم آیات میں موجود واضح حق سے ہٹ جاتا ہے، اس کا ارادہ ہوتا ہے کہ مومنوں سے حق چھپائے اور متشابہ آیات کی تاویل تلاش کرے، چاہے جو بھی ہو۔''

(تفسير الطّبري : 181/3)

یادر ہے کہ اہل سنت والجماعت کے نزدیک آیات صفات متشابہ آیات نہیں ہیں۔

سوال: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَمَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُّصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ وَيَعْفُوا عَنْ كَثِيرٍ﴾(الشّوریٰ : ٣٠)

''مصائب کا سبب تمہارے گناہ ہیں، بہت سے گناہوں سے تو اللہ ویسے ہی درگزر کر دیتا ہے۔''

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کو جو بھی مصیبت پہنچتی ہے، وہ اس کے اپنے گناہوں کی وجہ سے پہنچتی ہے۔

جبکہ دیگر آیات میں ہے کہ ہر مصیبت اور پریشانی اللہ تعالیٰ کے حکم سے آتی ہے اور اسے لوح محفوظ میں لکھ دیا گیا ہے۔

❁ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿قُلْ لَنْ يُّصِيبَنَا إِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا هُوَ مَوْلَانَا وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ﴾(التّوبة: ٥١)

”(اے نبی!) فرما دیجئے کہ ہمیں وہی مصائب پہنچتی ہیں، جنہیں اللہ تعالیٰ نے ہمارے نصیب میں لکھ دیا ہے۔ وہ ہمارا کارساز ہے اور مؤمنوں کو اسی پر بھروسہ کرنا چاہیے۔“

❁ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿مَا أَصَابَ مِنْ مُصِيبَةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي أَنْفُسِكُمْ إِلَّا فِي كِتَابٍ مِنْ قَبْلِ أَنْ نَبْرَأَهَا﴾(الحديد: ٢٢)

”زمین اور تمہاری جانوں میں جو مصیبت بھی پہنچتی ہے، وہ ہم نے تمہاری تخلیق سے پہلے ہی لوحِ محفوظ میں لکھ دی ہے۔“

❁ فرمان الٰہی ہے:

﴿مَا أَصَابَ مِنْ مُصِيبَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللّٰهِ وَمَنْ يُؤْمِنْ بِاللّٰهِ يَهْدِ قَلْبَهُ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ﴾(التَّغابُن: ١١)

”ہر مصیبت اللہ کے حکم سے ہی نازل ہوتی ہے۔ جس کا اللہ پر پختہ ایمان ہو، اللہ اس کے دل کی راہ نمائی کرتا ہے اور اللہ ہر چیز سے بخوبی واقف ہے۔“

اس تعارض کا کیا جواب ہے؟

جواب: مذکورہ آیات میں تناقض نہیں ہے۔ ہر مصیبت اور پریشانی اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہی ہے، نیز ان کا وقوع پذیر ہونا لوح محفوظ میں پہلے سے ہی لکھ دیا گیا ہے، مگر ان کا سبب انسانوں کے اعمال ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ برے حالات نازل کرتا ہے، تو وہ انسانوں کے گناہوں کا نتیجہ ہے، لہٰذا انہیں توبہ واستغفار کرتے رہنا چاہیے اور مصائب کے اترنے پر اللہ تعالیٰ کا شکوہ وشکایت نہیں کرنی چاہیے۔

سوال: بعض غالی صوفیا کہتے ہیں کہ آسمان پر بجلی فرشتوں کے پَر مارنے سے پیدا ہوتی ہے اور بارش کا نزول فرشتوں کے رونے کی وجہ سے ہوتا ہے۔

اس کی کیا حقیقت ہے؟

جواب: غالی صوفیا کا وطیرہ ہے کہ وہ دین کے متعلق غیر محتاط پائے گئے ہیں، بغیر علم کے کئی دعاوی کر دیتے ہیں۔ ان کا یہ کہنا کہ آسمان پر بجلی فرشتوں کے پَر مارنے سے پیدا ہوتی ہے اور بارش فرشتوں کے رونے سے نازل ہوتی ہے، بے حقیقت اور بے دلیل بات ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ملائم اور دقیق مخلوق کے متعلق یہ دعویٰ جھوٹ اور نری جہالت ہے۔

❁ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ﴾(بني إسرائيل : ٣٦)

''اس چیز کا پیچھا مت کریں، جس کا آپ کو علم نہیں۔''

❁ مزید فرمایا:

﴿اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْاَنْفُسُ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنْ رَّبِّهِمُ الْهُدٰى﴾(النّجم : ٢٣)

”یہ لوگ محض ظن اور خواہشات نفس کی پیروی کرتے ہیں، حالانکہ ان کے پاس اللہ کی طرف سے ہدایت آ چکی ہے۔“

سوال: بعض ملحدین کہتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ ”الرحمٰن الرحیم“ ہے، تو اس نے لوگوں کو کفر وشرک کیوں کرنے دیا کہ جس کے نتیجے میں وہ ہمیشہ ہمیشہ جہنم رسید ہوں گے، اللہ انہیں توحید وسنت پر بھی گامزن کر سکتا تھا؟

اس اشکال کا کیا جواب ہے؟

جواب: یہ اعتراض اکثر ملحدین کی طرف سے پیش کیا جاتا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بے شمار صفات سے متصف ہے، بعض میں اللہ تعالیٰ کی رحمت، کرم، انعام اور رضا وغیرہ کا ذکر ہے۔ بعض صفات ایسی ہیں، جن میں اللہ تعالیٰ کے غضب، عذاب، ناراضی اور پکڑ وغیرہ کا ذکر ہے۔

رحمت وانعام والی صفات اللہ تعالیٰ کے مطیع وفرمان بردار بندوں کے لیے ہیں اور غیظ وغضب والی صفات کفار وفساق کے لیے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے دنیا کو دار الامتحان بنایا ہے، کسی کو نیکی یا بدی پر مجبور نہیں کیا۔ جو مکلّف دنیا میں جس طرح کا عمل کرے گا، اسے اسی مطابق بدلہ ملے گا۔

کسی کافر اور فاسق کو اس کے گناہ سے زیادہ سزا نہ ملے گی، البتہ اللہ تعالیٰ اپنے بعض مؤمن بندوں پر لطف وکرم کرے گا اور انہیں اعمال سے زیادہ بدلہ دے گا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کی بدولت ہوگا۔

اللہ تعالیٰ نے نیکوکاروں اور بدکاروں کا انجام پہلے ہی بتا دیا ہے، تاکہ لوگ اللہ تعالیٰ کے عذاب کا خوف کھائیں اور اس کی رحمت کی اُمید رکھیں۔

اگر اللہ تعالیٰ صرف برے لوگوں کو پیدا کرتا، کوئی صالح نہ ہوتا، تو یہ اللہ تعالیٰ کی صفات کاملہ کے شایان شان نہ تھا اور اگر صرف اچھے لوگ ہی پیدا کرتا، تو اللہ تعالیٰ کی صفات غضب وغیظ کے مناسب نہ تھا۔

❀ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَاءُ﴾(إبراهيم : ٢٧)

''اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے، کرتا ہے۔''

سوال: بعض ملحدین کہتے ہیں کہ ایک سے زائد شادیاں کرنا خلاف عقل ہے، انسان دو، تین یا چار بیویوں میں عدل نہیں کرسکتا۔ اس کی کیا حقیقت ہے؟

جواب: ایک سے زائد بیک وقت چار تک شادیوں کی اجازت شریعت نے دی ہے۔ یہ کسی طرح خلاف عقل نہیں۔ یہ اجازت اس صورت میں ہے، جب تمام بیویوں میں ظاہری طور پر عدل وانصاف قائم کر سکے، اگر نہیں کرسکتا، تو اس کے لیے صرف ایک شادی کی اجازت ہے۔

❀ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا فِي الْيَتَامٰى فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَاءِ مَثْنٰى وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ذَالِكَ أَدْنٰى أَلَّا تَعُولُوا﴾(النّساء : ٣)

''اگر اندیشہ ہو کہ آپ یتیم اور نابالغ بچیوں میں عدل نہیں کر پاؤ گے، تو کہیں اور پسند کی شادی کرلو۔ دو دو، تین تین، چار چار شادیاں کر سکتے ہو، البتہ ایک سے زائد بیویوں میں عدل نہ کرسکو، تو صرف ایک شادی کرو، یا پھر لونڈی رکھ لو،

یہ بے اعتدالی سے بچنے کا بہترین ذریعہ ہے۔''

❁ علامہ ابن ہمام رحمہ اللہ (۸۶۱ھ) فرماتے ہیں:

مَنَعَ مِنْ نِكَاحِهِنَّ عِنْدَ خَوْفِ عَدَمِ الْعَدْلِ فِيهِنَّ، وَهٰذَا فَرْعُ جَوَازِ نِكَاحِهَا عِنْدَ عَدَمِ الْخَوْفِ، وَلَا يُقَالُ ذَالِكَ بِمَفْهُومِ الشَّرْطِ؛ لِأَنَّ الْأَصْلَ جَوَازُ نِكَاحِ غَيْرِ الْمُحَرَّمَاتِ مُطْلَقًا، فَمُنِعَ مِنْ هٰذِهٖ عِنْدَ خَوْفِ عَدَمِ الْعَدْلِ فِيهِنَّ، فَعِنْدَ عَدَمِهٖ يَثْبُتُ الْجَوَازُ بِالْأَصْلِ الْمُمَهَّدِ لَا مُضَافًا إِلَى الشَّرْطِ، وَيُصَرِّحُ بِجَوَازِ نِكَاحِهَا قَوْلُ عَائِشَةَ : إِنَّهَا نَزَلَتْ فِي يَتِيمَةٍ تَكُونُ فِي حَجْرِ وَلِيِّهَا .

''یتیم بچی سے نکاح اس صورت میں ممنوع ہے، جب آپ عدل نہ کر سکتے ہوں، اگر یہ خدشہ نہ ہو، تو جائز ہے۔ غیر محرم سے مطلقا بغیر کسی شرط کے نکاح جائز ہے، لیکن جب ناانصافی کا اندیشہ ہو، تو منع ہے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس قول میں صراحت موجود ہے کہ یہ آیت اس یتیم بچی کی بارے میں نازل ہوئی، جو اپنے ولی کی سرپرستی میں ہے۔''

(فتح القدیر : 275/3)

❁❁❁❁❁❁

فتاویٰ امن پوری (قسط ۳۹۷)

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

سوال: قوم ثمود کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَأَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَأَصْبَحُوا فِي دَارِهِمْ جَاثِمِينَ﴾(الأعراف : ۷۸)

”انہیں (قوم ثمود کو) زلزلے نے آ پکڑا، تو صبح تک وہ اپنے گھروں میں اوندھے منہ پڑے تھے۔“

❀ جبکہ دوسری آیت میں قوم ثمود کے بارے میں ہی ہے:

﴿وَأَخَذَ الَّذِينَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَأَصْبَحُوا فِي دِيَارِهِمْ جَاثِمِينَ﴾

(هود : ٦٧)

”(قوم ثمود میں سے) ظالم لوگوں کو چیخ نے آ پکڑا، تو صبح تک وہ اپنے گھروں میں اوندھے منہ پڑے تھے۔“

❀ تیسری جگہ ہے:

﴿فَأَمَّا ثَمُودُ فَأُهْلِكُوا بِالطَّاغِيَةِ﴾(الحاقّة : ٥)

”قوم ثمود کو اونچی آواز (چیخ) سے ہلاک کر دیا گیا۔“

ملحدین اعتراض کرتے ہیں کہ قرآنی آیات میں تناقض ہے، کہیں قوم ثمود کی ہلاکت کی وجہ زلزلے کو بتایا گیا ہے اور کہیں چیخ اور اونچی آواز کو۔

اس اشکال کا کیا جواب ہے؟

جواب: آیات قرآنیہ میں کوئی تناقض نہیں۔ دراصل قوم ثمود پر دو عذاب آئے، زلزلے کا بھی اور چیخ کا بھی۔ دونوں ہی ہلاکت کا سبب بنے، لہٰذا ایک جگہ زلزلے کا ذکر کر دیا اور دوسری جگہ چیخ اور اونچی آواز کا ذکر کر دیا۔

سوال: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِينَ إِلَى الرَّحْمٰنِ وَفْدًا﴾(مریم : ۸۵)

''جس دن ہم پرہیزگاروں کو رحمٰن کی طرف مہمان بنا کر اکھٹا کریں گے۔''

ملحدین کہتے ہیں کہ اکھٹا تو سب نے اللہ تعالیٰ کے پاس ہی ہونا ہے، تو پھر خاص پرہیزگاروں کا ذکر کیوں؟

جواب: اگرچہ سب کا انجام اللہ تعالیٰ کے پاس ہی ہونے والا ہے، مگر آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم کی طرف اکھٹے ہونے کا ذکر ہے۔ مطلب کہ اللہ تعالیٰ اپنی تیار کردہ جنتوں اور نعمتوں کی طرف پرہیزگار بندوں کو لائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے مہمانوں کی طرح ان کی عزت و تکریم کا سامان تیار کیا ہے۔

جبکہ برے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی رحمت نصیب نہ ہوگی، ان کا ٹھکانہ جہنم ہوگا۔ سورت مریم کی اگلی آیت میں ہی ہے:

﴿وَنَسُوقُ الْمُجْرِمِينَ إِلٰى جَهَنَّمَ وِرْدًا﴾(مریم : ۸۶)

''ہم مجرموں کو جہنم کی طرف پیاسے ہانک کر لائیں گے۔''

سوال: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحٰى إِلَيَّ﴾

(الکھف : ۱۱۰، حم السّجدۃ : ٦)

”کہہ دیجیے کہ میں تمہاری طرح کا ایک بشر ہوں، میری طرف وحی کی جاتی ہے۔“

❀ مفتی احمد یار خان نعیمی بریلوی صاحب لکھتے ہیں:

”نیز اس آیت:﴿قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ﴾ میں کفار سے خطاب ہے، چونکہ ہر چیز اپنی جنس سے نفرت کرتی ہے، لہٰذا فرمایا گیا کہ اے کفار! تم مجھ سے گھبراؤ نہیں، میں تمہاری جنس سے ہوں، یعنی بشر ہوں۔ شکاری جانوروں کی سی آواز نکال کر شکار کرتا ہے، اس سے کفار کو اپنی طرف مائل کرنا مقصود ہے۔ اگر دیوبندی بھی کفار ہیں تو ان سے بھی یہ خطاب ہوسکتا ہے۔۔۔“

(جاء الحق:۱/۱۷۶)

اس اعتراض اور اشکال کا کیا جواب ہے؟

جواب: مفتی نعیمی بریلوی صاحب کا یہ استدلال نصوص قرآن و سنت اور تاریخی حقائق سے مطابقت نہیں رکھتا، ملاحظہ ہو:

① ایسی کوئی مثال نہیں ملتی کہ مشرکین مکہ نبی کریم ﷺ کو غیر جنس سمجھ کر بھاگ گئے ہوں، ان کا تو اعتراض ہی یہ تھا کہ آپ ﷺ ایک بشر ہیں اور بشر نبی کیسے ہوسکتا ہے؟

② رسول اللہ ﷺ نے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے فرمایا:

إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ، أَنْسٰى كَمَا تَنْسَوْنَ، فَإِذَا نَسِيتُ فَذَكِّرُونِي .

”میں آپ جیسا بشر ہوں، آپ ہی کی طرح بھول جاتا ہوں، تو جب میں بھول جاؤں، مجھے یاد کروا دیا کریں۔“

(صحيح البخاري :401، صحيح مسلم :572)

یہاں تو صحابہ سے یہ بات فرمائی جا رہی ہے کہ میں آپ جیسا بشر ہوں، معلوم ہوتا ہے

کہ مقصود کفار کو مائل کرنا نہیں، بلکہ اس حقیقت کا بیان تھا کہ نبی کریم ﷺ ایک بشر ہیں، وگرنہ صحابہ کے سامنے خود کو بشر کہنے کی کوئی حاجت ہی نہیں تھی، خصوصاً اس صورت میں جب صحابہ کو ابلاغِ وحی کا چارج دیا جا رہا تھا۔

اسی طرح جب کفار نے کہا کہ بشریت رسالت کے منافی ہے، تو اللہ نے رسول ﷺ کی بشریت کی نفی نہیں کی، بلکہ یہ فرمایا کہ آپ ﷺ سے پہلے نبی بھی بشر تھے۔ زمین پر انسان بستے ہیں، لہٰذا انسانوں کی رہنمائی کے لیے انسان ہی مبلغ ہو سکتا ہے۔ اسی طرح آپ ﷺ کی زبانِ نبوت سے بھی اسی حقیقت کا اعلان کروایا۔

③ نبی کریم ﷺ اگر بشری لبادہ اوڑھ کر آئے تھے اور جنس کے اعتبار سے نوری ہی تھے، تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو یہ بات چھپانے کی ضرورت کیا تھی؟ اس کے بیان کرنے میں آخر کیا چیز مانع تھی؟

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی دعا:

﴿رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ﴾(البقرة : ١٢٩)

کا کیا مطلب ہے؟

اللہ تعالیٰ کے ارشاد:

﴿لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنْفُسِهِمْ﴾

(آل عمران : ١٦٤)

اور فرمانِ الٰہی: ﴿لَقَدْ جَاءَ كُمْ رَسُولٌ مِنْ أَنْفُسِكُمْ﴾(التوبة : ١٢٨)

کا معنی و مفہوم کیا ہے؟

پھر اس پر دلیل کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نور تھے اور بشریت کا روپ دھار کر آئے تھے؟

✿ مفتی نعیمی بریلوی صاحب نے خود لکھا ہے:

”عقائد میں تخمینے، قیاس، اٹکل کافی نہیں، اس کے لیے یقینِ شرعی درکار ہے۔“

(تفسیر نور العرفان، ص ۲۳۴، ۳۳۸، ۷۸۲)

یہ تمام تشنہ سوال تب تک سر اٹھائے کھڑے رہیں گے، جب تک مفتی صاحب کے اس استدلال کو نادرست تسلیم نہ کر لیا جائے۔

سوال: بعض غالی ملحدین اللہ تعالیٰ کے وجود کے منکر ہیں، وہ کہتے ہیں کہ کائنات بغیر صانع کے چلتی ہے۔ (نعوذ باللہ!) اس بارے میں کیا کہتے ہیں؟

جواب: اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کے وجود کا اقرار انسان کی فطرت میں شامل ہے، دوسری موجودات کے مقابلہ میں وجود حق تعالیٰ کا اقرار دل کی بڑی مجبوری ہے، بنی آدم کا ہر فرد خالق کائنات کے وجود کا معترف ہے۔

بعض ملحدین نے جو اس کا انکار کیا ہے، وہ فطرت کو دبانے کی ایک ناکام سعی ہے۔

✿ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿أَفِي اللّٰهِ شَكٌّ﴾ (إبراهيم : ١٠)

”کیا اللہ تعالیٰ کے بارے میں شک ہے؟“

✿ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (۷۷۴ھ) فرماتے ہیں:

هٰذَا يَحْتَمِلُ شَيْئَيْنِ، أَحَدُهِمَا : أَفِي وُجُودِهٖ شَكٌّ؟ فَإِنَّ الْفِطَرَ شَاهِدَةٌ بِوُجُودِهٖ، وَمَجْبُولَةٌ عَلَى الْإِقْرَارِ بِهٖ، فَإِنَّ الْاعْتِرَافَ بِهٖ ضَرُورِيٌّ فِي الْفِطَرِ السَّلِيمَةِ، وَلٰكِنْ قَدْ يَعْرِضُ لِبَعْضِهَا شَكٌّ وَاضْطِرَابٌ، فَتَحْتَاجُ إِلَى النَّظَرِ فِي الدَّلِيلِ الْمُوَصِّلِ إِلٰى

وُجُودِهِ؛ وَلِهٰذَا قَالَتْ لَهُمُ الرُّسُلُ تُرْشِدُهُمْ إِلٰى طَرِيقِ مَعْرِفَتِهِ بِأَنَّهُ ﴿فَاطِرِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾ الَّذِي خَلَقَهَا وَابْتَدَعَهَا عَلٰى غَيْرِ مِثَالٍ سَبَقَ، فَإِنَّ شَوَاهِدَ الْحُدُوثِ وَالْخَلْقِ وَالتَّسْخِيرِ ظَاهِرٌ عَلَيْهَا، فَلَا بُدَّ لَهَا مِنْ صَانِعٍ، وَهُوَ اللّٰهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ، خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَإِلَهُهُ وَمَلِيكُهُ، وَالْمَعْنَى الثَّانِي فِي قَوْلِهِمْ: ﴿أَفِي اللّٰهِ شَكٌّ﴾ أَيْ أَفِي إِلٰهِيَّتِهِ وَتَفَرُّدِهِ بِوُجُوبِ الْعِبَادَةِ لَهُ شَكٌّ، وَهُوَ الْخَالِقُ لِجَمِيعِ الْمَوْجُودَاتِ، وَلَا يَسْتَحِقُّ الْعِبَادَةَ إِلَّا هُوَ، وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ؛ فَإِنَّ غَالِبَ الْأُمَمِ كَانَتْ مُقِرَّةً بِالصَّانِعِ، وَلٰكِنْ تَعْبُدُ مَعَهُ غَيْرَهُ مِنَ الْوَسَائِطِ الَّتِي يَظُنُّونَهَا تَنْفَعُهُمْ أَوْ تُقَرِّبُهُمْ مِنَ اللّٰهِ زُلْفٰى.

”اس میں دو احتمال ہیں، ایک تو یہ کہ (رسولوں نے پوچھا) کیا اس کے وجود میں شک ہے؟ فطرت اس کے وجود کی گواہ ہے اور اس کے وجود کا اقرار جبلت میں داخل ہے، کیونکہ فطرت سلیمہ کے لیے اس کا اعتراف ضروری ہے، البتہ بسا اوقات کسی فطرت کو شک و اضطراب لاحق ہو جاتا ہے، پھر وہ اس کے وجود پر دلیل کی محتاج ہو جاتی ہے، اسی لیے معرفت الٰہی کی طرف راہنمائی کرتے ہوئے ان رسولوں نے فرمایا: ﴿فَاطِرِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾ ”وہ آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے۔“ اس نے ان کو بغیر کسی سابقہ نمونہ کے پیدا فرمایا ہے، اس کی تخلیق و تسخیر کی علامات ان آسمانوں اور زمین پر واضح موجود

ہیں، جن سے پتا چلتا ہے کہ ان کا ضرور کوئی خالق ہے اور وہ اللہ ہے، جس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، وہ ہر چیز کا خالق و مالک ہے۔ دوسرا معنی یہ ہے کہ رسولوں کا یہ کہنا: ﴿أَفِي اللّٰهِ شَكٌّ﴾ ''کیا اللہ کے بارے میں شک ہے۔'' سے مراد ہے کہ کیا اس کی الوہیت و حدانیت اور استحقاق عبادت میں شک ہے، حالانکہ وہی تمام موجودات کا خالق ہے، عبادت کا مستحق اس کے سوا کوئی نہیں، اکثر امتیں صانع کا اقرار کرتی تھیں، لیکن اپنے زعم میں حصول نفع یا تقرب الٰہی کے لیے دوسرے وسائل کو اس کا شریک ٹھہراتی تھیں۔''

(تفسير ابن كثير : 4/401-402)

✿ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (۷۲۸ھ) فرماتے ہیں:

لَمَّا كَانَ الْإِقْرَارُ بِالصَّانِعِ فِطْرِيًّا، فَإِنَّ الْفِطْرَةَ تَتَضَمَّنُ الْإِقْرَارَ بِاللّٰهِ وَالْإِنَابَةَ إِلَيْهِ وَهُوَ مَعْنٰى لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، فَإِنَّ الْإِلٰهَ هُوَ الَّذِي يُعْرَفُ وَيُعْبَدُ، لَمْ يَذْكُرِ اللّٰهُ جُحُودَ الصَّانِعِ إِلَّا عَنْ فِرْعَوْنَ مُوسٰى، فَإِنَّ جُحُودَ الصَّانِعِ لَمْ يَكُنْ دِينًا غَالِبًا عَلٰى أُمَّةٍ مِنَ الْأُمَمِ قَطُّ وَإِنَّمَا كَانَ دِينُ الْكُفَّارِ الْخَارِجِينَ عَنِ الرِّسَالَةِ هُوَ الْإِشْرَاكُ.

''صانع (خالق و مالک) کا اقرار فطری امر ہے، اس فطری اقرار میں اللہ تعالیٰ کے وجود کا اعتراف اور اسی کی طرف رجوع شامل ہیں، لا الہ الا اللہ کا یہی معنی ہے، کیونکہ الہ اسی ذات کو کہا جاتا ہے، جسے پہچان کر اس کی عبادت کی جائے،

اللہ تعالیٰ نے صرف فرعونِ موسیٰ سے صانع کا انکار نقل کیا ہے، کسی امت میں بھی وجود باری تعالیٰ کا انکار غالب دین نہیں رہا ہے، کفار جو رسالت کے منکر تھے، ان کا دین شرک پر مبنی تھا (انکار وجود باری تعالیٰ پر نہیں)۔"

(مَجموع الفتاوٰی: 7/630-631)

❁ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ (۷۵۱ھ) فرماتے ہیں:

سَمِعْتُ شَيْخَ الْإِسْلَامِ تَقِيَّ الدِّينِ ابْنَ تَيْمِيَّةَ قَدَّسَ اللّٰهُ رُوحَهُ يَقُولُ : كَيْفَ يُطْلَبُ الدَّلِيلُ عَلٰى مَنْ هُوَ دَلِيلٌ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ؟ وَكَانَ كَثِيرًا مَّا يَتَمَثَّلُ بِهٰذَا الْبَيْتِ، وَلَيْسَ يَصِحُّ فِي الْأَذْهَانِ شَيْءٌ إِذَا احْتَاجَ النَّهَارُ إِلٰى دَلِيلٍ، وَمَعْلُومٌ أَنَّ وُجُودَ الرَّبِّ تَعَالٰى أَظْهَرُ لِلْعُقُولِ وَالْفِطَرِ مِنْ وُجُودِ النَّهَارِ، وَمَنْ لَمْ يَرَ ذٰلِكَ فِي عَقْلِهٖ وَفِطْرَتِهٖ فَلْيَتَّهِمْهُمَا .

"میں نے شیخ الاسلام تقی الدین ابن تیمیہ رحمہ اللہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اس ذات پر دلیل کیسے طلب کی جا سکتی ہے، جو خود ہر چیز پر دلیل ہے؟ آپ اکثر سمجھانے کے لیے یہ شعر پڑھا کرتے تھے:

وَلَيْسَ يَصِحُّ فِي الْأَذْهَانِ شَيْءٌ إِذَا احْتَاجَ النَّهَارُ إِلٰى دَلِيلٍ

"جب دن بھی دلیل کا محتاج ہو جائے، تو عقل وفہم درست نہیں رہتے۔"

یہ بات عیاں ہے کہ دن سے زیادہ وجود باری تعالیٰ عقل وفطرت کی رو سے واضح ہے، جو اس سے اختلاف کرتا ہے اس کی عقل وفطرت کا قصور ہے۔"

(مَدارج السّالکین: 71/1)

سوال: درج ذیل روایت کی سند کیسی ہے؟

❁ **قیس بن ابی حازم** رحمہ اللہ سے مروی ہے:

كُنْتُ بِالْمَدِينَةِ فَبَيْنَا أَنَا أَطُوفُ فِي السُّوقِ إِذْ بَلَغْتُ أَحْجَارَ الزَّيْتِ، فَرَأَيْتُ قَوْمًا مُجْتَمِعِينَ عَلٰى فَارِسٍ قَدْ رَكِبَ دَابَّةً، وَهُوَ يَشْتِمُ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ، وَالنَّاسُ وُقُوفٌ حَوَالَيْهِ إِذْ أَقْبَلَ سَعْدُ بْنُ أَبِي وَقَّاصٍ فَوَقَفَ عَلَيْهِمْ، فَقَالَ: مَا هٰذَا؟ فَقَالُوا: رَجُلٌ يَشْتِمُ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ، فَتَقَدَّمَ سَعْدٌ فَأَفْرَجُوا لَهُ حَتّٰى وَقَفَ عَلَيْهِ فَقَالَ: يَا هٰذَا، عَلَامَ تَشْتُمُ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ؟ أَلَمْ يَكُنْ أَوَّلَ مَنْ أَسْلَمَ؟ أَلَمْ يَكُنْ أَوَّلَ مَنْ صَلَّى مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ أَلَمْ يَكُنْ أَزْهَدَ النَّاسِ؟ أَلَمْ يَكُنْ أَعْلَمَ النَّاسِ؟ وَذَكَرَ حَتّٰى قَالَ: أَلَمْ يَكُنْ خَتَنَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى ابْنَتِهٖ؟ أَلَمْ يَكُنْ صَاحِبَ رَايَةِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي غَزَوَاتِهٖ؟ ثُمَّ اسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ وَرَفَعَ يَدَيْهِ، وَقَالَ: اَللّٰهُمَّ إِنَّ هٰذَا يَشْتِمُ وَلِيًّا مِّنْ أَوْلِيَائِكَ، فَلَا تُفَرِّقْ هٰذَا الْجَمْعَ حَتّٰى تُرِيَهُمْ قُدْرَتَكَ، قَالَ قَيْسٌ: فَوَاللّٰهِ مَا تَفَرَّقْنَا حَتّٰى سَاخَتْ بِهٖ دَابَّتُهٗ فَرَمَتْهُ عَلٰى هَامَتِهٖ فِي تِلْكَ الْأَحْجَارِ، فَانْفَلَقَ دِمَاغُهٗ وَمَاتَ.

''میں مدینہ میں مقیم تھا، ایک دفعہ میں بازار میں چکر لگا رہا تھا، جب احجار زیت (جگہ کا نام) پر پہنچا، تو دیکھا کہ کچھ لوگ ایک فارسی شخص کے پاس جمع ہوئے ہیں، جو اپنی سواری پر سوار تھا، وہ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو سب وشتم کر رہا تھا، لوگ اس کے اردگرد کھڑے تھے، اسی اثنا میں سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ تشریف لائے، لوگوں کے پاس کھڑے ہو کر فرمایا: کیا ہوا؟ لوگوں نے کہا: یہ آدمی سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو سب وشتم کر رہا ہے۔ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ آگے بڑھے اور لوگوں کے ہجوم سے گزرتے ہوئے اس شخص کے پاس آ کھڑے ہوئے اور فرمایا: اے فلاں! تم کس بنا پر سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو سب وشتم کر رہے ہو؟ کیا وہ پہلے مسلمان نہ تھے؟ کیا انہوں نے سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز نہیں پڑھی؟ کیا وہ سب سے زیادہ زہد وتقویٰ والے انسان نہ تھے؟ کیا وہ سب سے زیادہ علم والے نہ تھے؟ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے کچھ مزید خوبیاں گنوائیں۔ پھر یہ بھی فرمایا: کیا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد نہ تھے؟ کیا وہ غزوات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے کو اٹھانے والے نہ تھے؟ پھر سیدنا سعد رضی اللہ عنہ قبلہ رخ ہوئے اور ہاتھ اٹھا کر یہ دعا کی: ''اے اللہ! یہ آدمی تیرے اولیا میں سے ایک ولی کو سب وشتم کرتا ہے، لوگوں کے جانے سے پہلے پہلے تو انہیں اپنی قدرت دکھا دے۔'' قیس بن ابی حازم رحمہ اللہ کہتے ہیں: اللہ کی قسم! ہم ابھی وہاں سے ہٹے نہ تھے کہ اس کے جانور نے اسے زمین پر گرایا اور اسی احجار زیت (بازار) میں اس کی کھوپڑی پر ٹانگ ماری، جس سے اس کا دماغ پھٹ گیا اور وہ مر گیا۔''

(المُستدرك للحاكم :6121)

(جواب): سند ضعیف ہے۔

① حسن بن علی بن زیاد سری کی توثیق نہیں۔

② سفیان بن عیینہ کا عنعنہ ہے۔

③ اسماعیل بن ابی خالد کا عنعنہ ہے۔

(سوال): روافض کہتے ہیں کہ سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ خلافت پر بیعت نہیں کی تھی۔ اس بارے میں کیا فرماتے ہیں؟

(جواب): پہلی بات یہ ہے کہ اہل حل وعقد کی ایک جماعت جس شخص کو خلیفہ منتخب کرنے پر اتفاق کر لیں، تو اسے خلیفہ منتخب کیا جا سکتا ہے۔

سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت پر تمام مہاجرین وانصار نے اتفاق کیا تھا۔

❀ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جہانِ فانی سے رخصت ہوئے، تو انصار کہنے لگے:

مِنَّا أَمِيرٌ، وَمِنْكُمْ أَمِيرٌ، فَأَتَاهُمْ عُمَرُ فَقَالَ : يَا مَعْشَرَ الْأَنْصَارِ أَلَسْتُمْ تَعْلَمُونَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ أَمَرَ أَبَا بَكْرٍ أَنْ يَؤُمَّ النَّاسَ، فَأَيُّكُمْ تَطِيبُ نَفْسُهُ أَنْ يَتَقَدَّمَ أَبَا بَكْرٍ فَقَالَتِ الْأَنْصَارُ : نَعُوذُ بِاللّٰهِ أَنْ نَتَقَدَّمَ أَبَا بَكْرٍ .

”ایک امیر ہم میں سے ہو اور ایک آپ میں سے، عمر رضی اللہ عنہ ان کے پاس آئے اور فرمایا: انصاریو! کیا آپ کو معلوم نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو بکر رضی اللہ عنہ کو امامت کا حکم دیا تھا؟ کون ہے جو ابو بکر سے مقدم ہونا چاہتا ہے؟ انصار کہنے لگے

:اللہ کی پناہ کہ ہم ابوبکر رضی اللہ عنہ سے آگے بڑھنے کا سوچیں۔“

(مسند الإمام أحمد : 21/1، 396، سنن النّسائي : 778، مصنّف ابن أبي شيبة : 330/2، 567/14، طَبَقات ابن سعد : 224/2، 178/3، السّنّة لابن أبي عاصم : 1193، المعرفة والتّاريخ للفسوي : 454/1، المُستدرك للحاكم : 67/2، السّنن الكبرٰى للبيهقي : 152/8، التّمهيد لابن عبد البر : 128/22، وسندهٗ حسنٌ)

اس حدیث کی سند کو امام حاکم رحمہ اللہ نے ”صحیح“ کہا ہے، حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے ان کی موافقت کی ہے۔

❀ نیز حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی اس کی سند کو ”حسن“ کہا ہے۔

(فتح الباري : 153/12)

اگر چہ ایک روایت سے اشارہ ملتا ہے کہ سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی تھی۔

(صحیح البخاري : 6830)

لیکن یہ سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کا اجتہاد تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ خود کو انصار کی طرف سے امارت کا حق دار سمجھتے تھے، آپ کی امارت کسی انصاری یا مہاجر نے قبول نہ کی، بلکہ آپ کے علاوہ سب انصار و مہاجرین نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔

❀ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

إِنَّا وَاللّٰهِ مَا وَجَدْنَا فِيمَا حَضَرْنَا مِنْ أَمْرٍ أَقْوٰى مِنْ مُبَايَعَةِ أَبِى بَكْرٍ، خَشِينَا إِنْ فَارَقْنَا الْقَوْمَ وَلَمْ تَكُنْ بَيْعَةٌ : أَنْ يُبَايِعُوا رَجُلًا مِنْهُمْ بَعْدَنَا، فَإِمَّا بَايَعْنَاهُمْ عَلٰى مَا لَا نَرْضٰى، وَإِمَّا نُخَالِفُهُمْ فَيَكُونُ فَسَادٌ .

”اللہ کی قسم! ہم نے اس وقت کی صورت حال میں سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کی بیعت سے بہتر کوئی حل نہیں پایا، ہمیں خدشہ لاحق ہوا کہ اگر ہم لوگوں کو اسی حالت میں چھوڑ دیں اور بیعت نہ کی جائے، تو وہ اپنے کسی شخص کے ہاتھ پر بیعت کر لیں گے، پھر یا تو ہم نا چاہتے ہوئے اس شخص کی بیعت کر لیتے یا ہم ان کی مخالفت کرتے اور فساد برپا ہو جاتا۔“

(صحيح البخاري : 6830)

❁ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (728ھ) فرماتے ہیں:

قَدْ عُلِمَ بِالتَّوَاتُرِ أَنَّهٗ لَمْ يَتَخَلَّفْ عَنْ بَيْعَتِهٖ (أَيْ أَبِي بَكْرٍ) إِلَّا سَعْدُ بْنُ عُبَادَةَ .

”یہ بات تواتر کے ساتھ ثابت ہے کہ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کی بیعت سے سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے سوا کوئی پیچھے نہیں رہا۔“

(مِنهاج السّنّة : 330/8)

❁ نیز فرمایا:

لَمْ يَتَخَلَّفْ مِنْهُمْ إِلَّا سَعْدُ بْنُ عُبَادَةَ .

”سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے ماسوا سب نے بیعت کر لی تھی۔“

(مِنهاج السّنّة : 333/8)

❁ مزید فرماتے ہیں:

ثُمَّ جَمِيعُ النَّاسِ بَايَعُوا عُمَرَ إِلَّا سَعْدًا .

”عمر رضی اللہ عنہ کی بیعت بھی سعد رضی اللہ عنہ کے علاوہ سب نے کر لی تھی۔“

(مِنہاج السّنّۃ : 331/8)

معلوم ہوا سیدنا ابو بکر اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہما کی بیعت جمیع صحابہ نے کر لی تھی، لیکن سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے بیعت نہ کی، انہوں نے ایسا کیوں کیا؟

❀ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رضی اللہ عنہ (۷۲۸ھ) فرماتے ہیں:

''سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے بیعت نہ کی، وجہ ظاہر ہے کہ ان کا مطالبہ تھا کہ ایک امیر مہاجرین کا ہو اور ایک انصار کا اور انہیں (انصار کا) امیر بنا دیا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صریح فرمان اور مسلمانوں کے اجماع کے مقابلہ میں سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کا یہ مطالبہ درست نہ تھا۔ جب اجماع کے مقابلہ میں ایک آدمی کی خطا ثابت ہو گئی، تو اجماع درست ہوا اور حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابل فرد واحد کی بات شاذ قرار پائی۔ ہاں اگر فردِ واحد کتاب وسنت سے کوئی نص پیش کر دے، تو اس کا اختلاف معتبر ہو گا، بسا اوقات فردِ واحد حق پر ہوتا ہے اور دوسرے لوگ رجوع کر لیتے ہیں۔''

(مِنہاج السّنّۃ : 331/8)

❀ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (۸۵۲ھ) فرماتے ہیں:

...... أَنَّهُ امْتَنَعَ مِنْ بَيْعَةِ أَبِي بَكْرٍ فِيمَا يُقَالُ وَتَوَجَّهَ إِلَى الشَّامِ فَمَاتَ بِهَا وَالْعُذْرُ لَهُ فِي ذٰلِكَ أَنَّهُ تَأَوَّلَ أَنَّ لِلْأَنْصَارِ فِي الْخِلَافَةِ اسْتِحْقَاقًا فَبَنٰى عَلٰى ذٰلِكَ وَهُوَ مَعْذُورٌ وَإِنْ كَانَ مَا اعْتَقَدَهُ مِنْ ذٰلِكَ خَطَأً.

''......سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کی بیعت نہیں کی اور شام کا

رخ کیا اور وہیں فوت ہو گئے۔ اس بارے میں آپ رضی اللہ عنہ کا عذر یہ ہے کہ آپ سمجھتے تھے کہ خلافت میں انصار کا بھی حق ہے۔ (بیعت نہ کرنے پر) آپ نے اسی کو بنیاد بنایا۔ آپ معذور ہیں، اگرچہ آپ کی یہ بات مبنی برخطا ہے۔''

(فتح الباري : 127/7)

سوال: بعض ملحدین اور فلسفی کہتے ہیں کہ قرآن کریم میں کئی ایسی باتیں ہیں، جو سائنس اور دیگر علوم عقلیہ کے خلاف ہیں۔ اس بارے میں کیا کہتے ہیں؟

جواب: قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی منزل کتاب ہے۔ اس کی ہر خبر اور ہر بات حق اور سچ ہے۔ یہ تواتر کے ساتھ نقل ہوتا رہا اور قیامت تک باقی رہے گا۔

❁ حافظ ذہبی رحمہ اللہ (۷۴۸ھ) فرماتے ہیں:

أَمَّا الْقُرْآنُ الْعَظِيْمُ، سُوَرُهٗ وَآيَاتُهٗ، فَمُتَوَاتِرٌ، وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ، مَحْفُوْظٌ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى لَا يَسْتَطِيعُ أَحَدٌ أَنْ يُبَدِّلَهٗ، وَلَا يَزِيْدَ فِيْهِ آيَةً، وَلَا جُمْلَةً مُّسْتَقِلَّةً، وَلَوْ فَعَلَ ذٰلِكَ أَحَدٌ عَمْدًا، لَانْسَلَخَ مِنَ الدِّيْنِ .

''قرآن عظیم کی سورتیں اور آیات متواتر ہیں، وللہ الحمد۔ اللہ تعالیٰ کی حفاظت کے ساتھ محفوظ ہے، کوئی اس میں تبدیلی یا زیادتی نہیں کر سکتا، نہ کوئی جملہ بڑھا سکتا ہے، اگر کوئی ایسا جان بوجھ کر کرے گا، تو وہ دین سے نکل جائے گا (یعنی مرتد ہو جائے گا)۔''

(سِيَر أعلام النُّبلاء : 171/10)

❁ قاضی عیاض رحمہ اللہ (۵۴۴ھ) فرماتے ہیں:

قَدْ ثَبَتَ الْقُرْآنُ وَوَقَعَ عَلَيْهِ الْإِجْمَاعُ، فَلَا يُزَادُ فِيهِ حَرْفٌ وَّلَا يُنْقَصُ حَرْفٌ وَقَدْ رَامَ الرَّوَافِضُ وَالْمُلْحِدَةُ ذٰلِكَ فَمَا يُمْكِنُ لَهُمْ.

''یقیناً قرآن صحیح سلامت ہے، اس پر اجماع ہو چکا ہے، لہٰذا اس میں ایک حرف بھی بڑھایا جائے، نہ کم کیا جائے۔ روافض (شیعہ) اور ملحدین نے تحریف قرآن کی کوشش کی ہے، لیکن کامیاب نہیں ہو سکے۔''

(إكمال المُعلِم: 119/1)

❀ علامہ ابن ہبیرہ رحمہ اللہ (۵۶۰ھ) فرماتے ہیں:

اَلْقُرْآنُ هُوَ مَا أَجْمَعَ عَلَيْهِ الْمُسْلِمُونَ وَنَقَلَ النَّقْلَ الْمُتَوَاتِرَ كَوَافٌ عَنْ كَوَافٍ.

''قرآن وہ کتاب ہے، جس پر مسلمانوں کا اجماع ہے، اسے ہر دور کے لوگوں نے ایک دوسرے سے تواتر کے ساتھ نقل کیا ہے۔''

(الإفصاح عن معاني الصِّحاح: 49/3)

قرآن کریم کی تمام معلومات اور اخبار حق ہیں۔ اس کی بنیاد وحی الٰہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا علم تمام اشیا پر محیط ہے۔ کوئی شے اس کے علم سے باہر نہیں۔ اللہ کے علم میں ذرہ برابر غلطی کا امکان نہیں۔

جبکہ سائنس اور دیگر علوم عقلیہ کی بنیاد مشاہدات اور عقل پر ہے، ان میں بہر حال غلطی اور کوتاہی کا نہ صرف امکان ہے، بلکہ مشاہدات اور تھیوریز آئے روز بدلتی رہتی ہیں۔ ایک صدی کے سائنسدان پچھلی صدی کے ماہرین کا رد کرتے رہتے ہیں۔

کتنے ملحدین آئے، جو کل تک اپنے مشاہدات اور تجربات کو قرآنی آیات کے خلاف

پیش کرتے رہے، لیکن بعد میں آنے والے سائنس دانوں نے پچھلے مشاہدات کو غلط ثابت کیا اور قرآن کریم کی تصدیق کی۔

الغرض قرآن کریم مشاہدات کا محتاج نہیں، کیونکہ یہ اس اللہ رب العزت کا علم ہے، جو تمام اشیا کا خالق اور مالک ہے۔ بھلا خالق کا علم خطا کھا سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔

لہٰذا ملحدین کا یہ کہنا کہ کئی قرآنی معلومات سائنس اور علوم عقلیہ کے خلاف ہے، بے بنیاد ہے، بلکہ سائنس اور دنیاوی علوم کا قرآن کریم سے موازنہ کرنا ہی سب سے بڑی بے عقلی ہے، کیونکہ قرآن خالق کا علم ہے اور سائنس مخلوق کا۔

❀ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ﴾ (القمر : ۴۹)

''بلا شبہ ہم نے ہر چیز کو اندازے کے ساتھ پیدا کیا ہے۔''

❀ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ (البقرة : ۲۰)

''بلا شبہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔''

﴿وَإِنْ مِّنْ شَيْءٍ إِلَّا عِنْدَنَا خَزَائِنُهُ وَمَا نُنَزِّلُهُ إِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُومٍ﴾ (الحِجَر : ۲۱)

''ہمارے پاس ہر چیز کے خزانے ہیں اور ہم اسے معینہ مقدار میں اتارتے ہیں۔''

❀ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ﴾ (البقرة : ۲۵۵)

''وہ اللہ تعالیٰ کے علم کا احاطہ نہیں کر سکتے، مگر جتنا وہ چاہے۔''

❁ نیز فرمایا:

﴿لِتَعْلَمُوا أَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ وَّأَنَّ اللّٰهَ قَدْ أَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا﴾(الطلاق : ١٢)

”تاکہ تم جان لو کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور اس نے ہر چیز کو علم کے اعتبار سے گھیر رکھا ہے۔“

سوال: فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿يَآ أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُ وْسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ وَإِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا وَإِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى أَوْ عَلٰى سَفَرٍ أَوْ جَآءَ أَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ أَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَأَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾

(المائدة : ٦)

”اہل ایمان! نماز کے لئے کھڑے ہونے سے پہلے چہرہ دھو لیں اور کہنیوں سمیت ہاتھ دھو لیں، سر کا مسح کریں اور دونوں پاؤں ٹخنوں سمیت دھو لیں، جنبی ہوں، تو غسل کر لیں، مریض ہوں، یا مسافر ہوں، قضائے حاجت سے فارغ ہوں یا بیوی سے مباشرت کی ہو اور پانی میسر نہ ہو، تو پاک مٹی سے تیمّم کر لیں،

چنانچہ چہرے اور ہاتھوں پر مٹی سے مسح کر لیں، اللہ آپ کو تنگی میں نہیں ڈالنا چاہتا، بل کہ یہ چاہتا ہے کہ آپ پاک ہو جائیں، وہ آپ پر اپنی نعمت تمام کرنا چاہتا ہے، تا کہ آپ شکر گزار بن جائیں۔“

ملحدین کہتے ہیں کہ یہ بات عقل میں نہیں آتی ہے کہ نماز کے لیے وضو شرط ہو۔ اگر کسی انسان کا وجود صاف ستھرا ہے، تو اسے وضو کرنے کی کیا ضرورت۔

اس کا کیا جواب ہے؟

(جواب): ملحدین عقل کی پوجا کرتے ہیں، جبکہ مسلمان اپنے معبود برحق کی پوجا کرتے ہیں، ملحدین وہ بات تسلیم کرتے ہیں، جو ان کی اپنی ناقص عقل کہے، جبکہ مسلمان اس کی پیروی کرتے ہیں، جو انہیں ان کا خالق اور مالک حکم دے۔

❁ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿اِنْ یَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْاَنْفُسُ وَلَقَدْ جَاءَهُمْ مِّنْ رَّبِّهِمُ الْهُدٰى﴾ (النّجم : ٢٣)

”یہ لوگ محض ظن اور خواہشات نفس کی پیروی کرتے ہیں، حالانکہ ان کے پاس اللہ کی طرف سے ہدایت آ چکی ہے۔“

❁ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاِنَّ كَثِيْرًا لَّيُضِلُّوْنَ بِاَهْوَائِهِمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ﴾ (الأنعام : ١١٩)

”بہت سے لوگ محض جہالت کی بنا پر نفسانی خواہشات کے ذریعے گمراہی پھیلاتے ہیں۔“

نماز کے لیے وضو کو مشروع اللہ تعالیٰ نے کیا ہے۔ اب اس میں کیا حکمت ہے، وہ اللہ

تعالیٰ ہی جانتا ہے۔اس کا علم کامل ہے اور ہماری عقل ناقص۔وحی کا موازنہ عقل سے کرنا سب سے بڑی بے وقوفی ہے۔

سوال: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ فَقَالَ مَا لِيَ لَا أَرَى الْهُدْهُدَ أَمْ كَانَ مِنَ الْغَائِبِينَ، لَأُعَذِّبَنَّهُ عَذَابًا شَدِيدًا أَوْ لَأَذْبَحَنَّهُ أَوْ لَيَأْتِيَنِّي بِسُلْطَانٍ مُّبِينٍ، فَمَكَثَ غَيْرَ بَعِيدٍ فَقَالَ أَحَطتُ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهِ وَجِئْتُكَ مِنْ سَبَإٍ بِنَبَإٍ يَقِينٍ ......﴾(النّمل : ۲۰۔۲۲)

”اس (سلیمان علیہ السلام) نے پرندوں کا جائزہ لیا،تو کہا مجھے ہدہد پرندہ نظر نہیں آ رہا یا وہ غائب ہے۔میں اسے ضرور بالضرور سخت سزا دوں گا یا اسے ذبح کر دوں گا یا وہ کوئی واضح عذر لے کر آئے۔کچھ دیر ہی گزری تھی کہ (ہدہد آ گیا اور) اس نے کہا میں ایسی بات جانتا ہوں، جو آپ نہیں جانتے اور میں آپ کے پاس سبا سے ایک پکی خبر لایا ہوں۔“

ملحدین کہتے ہیں کہ ایک پرندہ کیسے باتیں کر سکتا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے سیدنا سلیمان علیہ السلام کو یہ معجزہ دیا تھا کہ وہ پرندوں کی بولیاں سمجھ لیتے تھے اور ان سے باتیں کرتے تھے۔معجزہ عقل میں آنے والی شے نہیں، یہ عقل کو عاجز وقاصر کرنے والی شے ہے۔اس پر ایمان لانا ضروری ہوتا ہے۔معجزہ عمومی دلیل نہیں ہوتا۔

اللہ تعالیٰ اپنے انبیا اور رسولوں کی حقانیت ثابت کرنے کے لیے انہیں معجزات عطا فرماتا ہے۔معجزات پر انبیائے کرام کا اختیار نہیں ہوتا۔جو معجزات قرآن وحدیث سے ثابت ہیں،ان پر ایمان واجب ہے۔

فتاویٰ امن پوری (قسط ۳۹۸)

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

سوال: بعض ملحدین کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے چوپائیوں وغیرہ میں بھی ان کی جنس سے رسول بھیجے گئے ہیں، اس کی کیا حقیقت ہے؟

جواب: اہل سنت والجماعت کا اتفاق واجماع ہے کہ رسول اور نبی صرف جنس انسان میں سے آئے ہیں، ہر نبی بشر اور انسان تھا، انسان کے علاوہ کسی جنس سے کوئی نبی یا رسول نہیں آیا۔

❀ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ إِلَّا رِجَالًا نُوحِي إِلَيْهِمْ فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ﴾ (النّحل: ٤٣)

”(اے نبی!) آپ سے قبل جتنے انبیاء ہم نے بھیجے اور ان کی طرف وحی کی، سبھی مرد تھے۔ اگر آپ کو نہیں معلوم تو اہل ذکر سے پوچھ لیجئے۔“

❀ نیز فرمانِ الٰہی ہے:

﴿وَمَآ أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ إِلَّا رِجَالًا نُّوْحِي إِلَيْهِمْ فَسْئَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ (الأنبياء: ٧)

”(اے نبی!) آپ سے قبل جتنے انبیا ہم نے بھیجے اور ان کی طرف وحی کی، سبھی

مرد تھے۔ اگر آپ کو نہیں معلوم تو اہل ذکر سے پوچھ لیجئے۔"

❁ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ أَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً وَّمَا كَانَ لِرَسُولٍ أَنْ يَأْتِيَ بِآيَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللّٰهِ لِكُلِّ أَجَلٍ كِتَابٌ﴾

(الرّعد: ٣٨)

"یقیناً آپ سے پہلے ہم نے بہت سے رسول بھیجے، انہیں بیوی بچے عطا کئے، کسی رسول کو یہ اختیار نہیں تھا کہ وہ اللہ کے اذن کے بغیر کوئی نشانی لے آتا اور ہر مقررہ وقت کے لئے ایک کتاب ہے۔"

❁ امام طبری رحمہ اللہ (٣١٠ھ) فرماتے ہیں:

يَقُولُ تَعَالٰى ذِكْرُهُ : ﴿وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا﴾(الأنعام : ٤٢) يَا مُحَمَّدُ ﴿رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ﴾(الرعد : ٣٨) إِلٰى أُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِ أُمَّتِكَ فَجَعَلْنَاهُمْ بَشَرًا مِّثْلَكَ، لَهُمْ أَزْوَاجٌ يَنْكِحُونَ، وَذُرِّيَّةٌ أَنْسَلُوهُمْ، وَلَمْ نَجْعَلْهُمْ مَلَائِكَةً لَا يَأْكُلُونَ، وَلَا يَشْرَبُونَ، وَلَا يَنْكِحُونَ، فَنَجْعَلُ الرَّسُولَ إِلٰى قَوْمِكَ مِنَ الْمَلَائِكَةِ مِثْلَهُمْ، وَلٰكِنْ أَرْسَلْنَا إِلَيْهِمْ بَشَرًا مِّثْلَهُمْ، كَمَا أَرْسَلْنَا إِلٰى مَنْ قَبْلِهِمْ مِنْ سَائِرِ الْأُمَمِ بَشَرًا مِّثْلَهُمْ .

"اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اے محمد! آپ کی امت سے پہلے کی امتوں کی طرف بھی ہم نے رسول بھیجے تھے۔ ان رسولوں کو ہم نے بشر بنایا تھا، ان کی بیویاں تھیں،

جن سے انہوں نے نکاح کیے اور ان کی اولاد بھی تھی، جن سے ان کی نسل چلی۔ ہم نے انہیں فرشتے نہیں بنایا تھا کہ وہ نہ کھاتے پیتے اور نہ نکاح کرتے۔ ایسا ہوتا، تو ہم پہلی قوموں کی طرح آپ کی قوم کی طرف بھی فرشتوں میں سے رسول بھیجتے۔ ہم نے مگران کی طرف ایک بشر کو رسول بنا کر بھیجا، جس طرح کہ پہلی امتوں کی طرف بشر کو رسول بنا کر بھیجا تھا۔''

(تفسير الطّبري : 13/216)

انبیائے کرام علیہم السلام کی بعثت انسانوں اور جنات کی طرف ہوئی، کیونکہ جن وانس ہی مکلّف ہیں، ان کے علاوہ کوئی مخلوق مکلّف نہیں، تو جب کوئی تیسری مخلوق مکلّف ہی نہیں، تو ان میں رسول یا نبی کیسے مبعوث ہوسکتا ہے؟

❁ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ﴾(الذّاريات : ٥٦)

''میں نے تمام جن وانس کو صرف اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا۔''

یہ کہنا کہ چوپائے بھی نبی یا رسول ہوئے ہیں، اللہ تعالیٰ پر جھوٹ اور بہتان ہے اور یہ بہت بڑا ظلم ہے۔

❁ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا أَوْ قَالَ أُوحِيَ إِلَيَّ وَلَمْ يُوحَ إِلَيْهِ شَيْءٌ﴾(الأنعام : ٩٣)

''اس سے بڑا ظالم کون ہوسکتا ہے، جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھے یا یہ کہے کہ مجھے وحی ہوئی ہے، جبکہ اسے کوئی وحی نہ ہوئی ہو؟''

(سوال): ملحدین کا ایک گروہ کہتا ہے کہ شراب حلال ہے اور جنابت لاحق ہونے پر غسل واجب نہیں۔اس بارے میں کیا کہتے ہیں؟

(جواب): ملحدین نے کئی ضروریات دین کا انکار کیا ہے،جس کی بنیاد ان کی ناقص عقل ہے، جو بات ان کی عقل اور سمجھ میں نہیں آتی یا جو ان کی عقل میں آتا ہے، اسے وہ دین اور شریعت کا درجہ دے دیتے ہیں، خواہ اس کے خلاف قرآن وحدیث کی صریح نصوص موجود ہوں۔دراصل یہ لوگ وحی کا اتباع نہیں کرتے، بلکہ اپنی عقل نارسا کو دلیل سمجھتے ہیں۔

❀ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْاَنْفُسُ وَلَقَدْ جَاءَ هُمْ مِّنْ رَّبِّهِمُ الْهُدٰى﴾(النّجم : ٢٣)

”یہ لوگ محض ظن اور خواہشات نفس کی پیروی کرتے ہیں، حالانکہ ان کے پاس اللہ کی طرف سے ہدایت آ چکی ہے۔“

شراب کی حرمت قرآن کریم، احادیث متواترہ اور اجماع اُمت سے ثابت ہے۔یہ ضروریات دین میں سے ہے، اس کا انکار ارتداد ہے۔

❀ حافظ ابن ملقن رحمہ اللہ (۸۰۴ھ) فرماتے ہیں:

تَحْرِيمُ الْخَمْرِ قَلِيلِهَا وَكَثِيرِهَا مَعْلُومٌ مِنَ الدِّينِ بِالضُّرُورَةِ، وَالْإِجْمَاعُ قَائِمٌ عَلَيْهِ، وَشَارِبُهَا مُسْتَحِلًّا كَافِرٌ، أَوْ غَيْرَ مُسْتَحِلٍّ فَاسِقٌ .

”شراب کی قلیل اور کثیر مقدار کا حرام ہونا ضروریات دین میں سے ہے، اس پر اجماع ہے، شراب کو حلال سمجھتے ہوئے پینے والا کافر ہے اور بغیر حلت کا

اعتقاد رکھے پینے والا فاسق ہے۔''

(التّوضیح : 20/27)

اسی طرح غسل جنات کا ثبوت نص قرآنی، احادیث متواترہ، آثار صحابہ اور اجماع اُمت سے ثابت ہے۔ ہر دور میں مسلمان غسل جنابت کرتے آئے ہیں اور جنابت کی صورت میں اس کے وجوب کے قائل رہے ہیں۔اس کا انکار بھی کفر وارتداد ہے۔

❁ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿يَآ أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُ وْسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ وَإِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا وَإِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى أَوْ عَلٰى سَفَرٍ أَوْ جَآءَ أَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَائِطِ أَوْ لَامَسْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَاءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَأَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾

(المائدة : ٦)

''اہل ایمان! نماز کے لئے کھڑے ہونے سے پہلے چہرہ دھولیں اور کہنیوں سمیت ہاتھ دھولیں، سر کا مسح کریں اور دونوں پاؤں ٹخنوں سمیت دھولیں، جنبی ہوں، تو غسل کرلیں، مریض ہوں، یا مسافر ہوں، قضائے حاجت سے فارغ ہوں یا بیوی سے مباشرت کی ہو اور پانی میسر نہ ہو، تو پاک مٹی سے تیمّم کرلیں، چنانچہ چہرے اور ہاتھوں پر مٹی سے مسح کرلیں، اللہ آپ کو تنگی میں نہیں ڈالنا

چاہتا، بلکہ یہ چاہتا ہے کہ آپ پاک ہو جائیں، وہ آپ پر اپنی نعمت تمام کرنا چاہتا ہے، تا کہ آپ شکر گزار بن جائیں۔‘‘

اس آیت مبارکہ سے وضو، غسل اور تیمّم کی مشروعیت ثابت ہوتی ہے۔ تیمّم وضو اور غسل کا نائب ہے، جب پانی میسر نہ ہو یا پانی استعمال کرنا ممکن نہ ہو، تو تیمّم سے پاکی حاصل کی جائے گی۔

وضو، غسل یا تیمّم کی مشروعیت کا انکار دراصل آیت مبارکہ کا انکار ہے اور قرآن کریم کی ایک آیت کا انکار کرنا کفر وارتداد ہے۔ ایسا شخص اگر تائب نہ ہو، تو اس کی سزا قتل ہے، جس کا نفاذ اسلامی ریاست کا وظیفہ ہے۔

سوال: بعض غالی صوفیا کہتے ہیں کہ ارسطو ہی دراصل خضر علیہ السلام تھے، اس اشکال کی کیا حقیقت ہے؟

جواب: ارسطو اور خضر علیہ السلام کو ایک ہی قرار دینا محض بہتان اور دعویٰ بلا دلیل ہے۔ سیدنا خضر علیہ السلام سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں اپنے علاقہ کے نبی تھے۔ صوفیا کو اللہ تعالیٰ سے ڈر جانا چاہیے کہ وہ کیسے غیر نبی کو نبی باور کرا رہے ہیں، صوفیا جھوٹ کے ذریعہ اپنے باطل نظریات کو سہارا دینا چاہتے ہیں، العیاذ باللہ!

❁ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِۦ عِلْمٌ﴾ (بني إسرائيل : ٣٦)

’’اس چیز کا پیچھا مت کریں، جس کا آپ کو علم نہیں۔‘‘

سوال: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَاسْتَكْبَرُوا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ أَبْوَابُ

السَّمَاءِ وَلَا يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِي سَمِّ الْخِيَاطِ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُجْرِمِينَ﴾(الأعراف : ٤٠)

”بلاشبہ جنہوں نے ہماری آیات کی تکذیب کی اور ان سے تکبر کیا، ان کے لیے آسمان کی دروازے نہیں کھولے جائیں گے اور وہ کبھی بھی جنت میں داخل نہ ہوں گے، یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے سے داخل ہو جائے، ہم مجرموں کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں۔“

جو لوگ تناسخ ارواح کا عقیدہ رکھتے ہیں، وہ مذکورہ بالا آیت سے استدلال کرتے ہیں کہ گناہ گاروں کی روحیں مرنے کے بعد مختلف جسموں میں منتقل ہوتی رہتی ہیں، کبھی اونٹ کے جسم میں اور کبھی کسی اور جانور میں، بالآخر اسے کیڑے کے جسم میں منتقل کر دیا جاتا ہے، وہ کیڑا سوئی کے سوراخ میں سے گزر جائے گا اور وہ روح پاک ہو کر جنت میں چلی جائے گی۔ اس استدلال کی کیا حقیقت ہے؟

جواب: تناسخ ارواح کا عقیدہ کفریہ ہے۔ مذکورہ بالا آیت سے استدلال باطل ہے۔ دراصل آیت میں تعلیق بالمحال لگائی گئی ہے، مطلب کہ جس طرح اونٹ کا سوئی کے سوراخ سے گزرنا محال اور ناممکن ہے، اسی طرح کافروں کا جنت میں جانا بھی محال ہے۔

اہل سنت والجماعت میں سے کسی نے اس آیت کو عقیدہ تناسخ پر پیش نہیں کیا، قرآنی کی وہی تفسیر وتعبیر معتبر ہے، جو سلف صالحین اور ائمہ دین سے منقول ہو، قرآن سے من چاہے استدلال کرنا ہی دراصل الحاد ہے۔

❀ علامہ فخر رازی رحمہ اللہ (٦٠٦ھ) فرماتے ہیں:

الْقَائِلُونَ بِالتَّنَاسُخِ احْتَجُّوا بِهٰذِهِ الْآيَةِ فَقَالُوا : إِنَّ الْأَرْوَاحَ الَّتِي

كَانَتْ فِي أَجْسَادِ الْبَشَرِ لَمَّا عَصَتْ وَأَذْنَبَتْ فَإِنَّهَا بَعْدَ مَوْتِ الْأَبْدَانِ تُرَدُّ مِنْ بَدَنٍ إِلٰى بَدَنٍ وَلَا تَزَالُ تَبْقٰى فِي التَّعْذِيبِ حَتّٰى أَنَّهَا تَنْتَقِلُ مِنْ بَدَنِ الْجَمَلِ إِلٰى بَدَنِ الدُّودَةِ الَّتِي تَنْفُذُ فِي سَمِّ الْخِيَاطِ فَحِينَئِذٍ تَصِيرُ مُطَهَّرَةً عَنْ تِلْكَ الذُّنُوبِ وَالْمَعَاصِي وَحِينَئِذٍ تَدْخُلُ الْجَنَّةَ وَتَصِلُ إِلَى السَّعَادَةِ وَاعْلَمْ أَنَّ الْقَوْلَ بِالتَّنَاسُخِ بَاطِلٌ وَهٰذَا الْاِسْتِدْلَالُ ضَعِيفٌ.

”تناسخ کے قائلین اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں: انسانوں کے اجسام میں موجود وہ روحیں، جو نافرمانی اور گناہ کرتی رہیں، مرنے کے بعد انہیں ایک بدن سے دوسرے بدن میں منتقل کر دیا جاتا ہے، وہ لگاتار یہی عذاب جھیلتی رہتی ہیں، یہاں تک کہ انہیں اونٹ کے جسم سے کیڑے کے جسم میں منتقل کر دیا جاتا ہے، وہ کیڑا سوئی کے ناکے سے گزر جائے گا، تب یہ روح گناہوں اور نافرمانی سے پاک ہو جائے گی، پھر جنت میں داخل ہو جائے گی اور سعادت حاصل کر لے گی۔ یاد رہے کہ عقیدہ تناسخ باطل ہے اور یہ استدلال بودا ہے۔“

(تفسير الرّازي: 241/14)

❀ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَمَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ وَيَعْفُو عَنْ كَثِيرٍ﴾

(الشّورىٰ: 30)

”تمہیں جو بھی مصیبت پہنچتی ہے، وہ تمہارے اپنے ہاتھوں کی کمائی ہے اور

بہت سے گناہوں سے اللہ درگزر کر دیتا ہے۔“

❁ علامہ سمعانی رحمہ اللہ (۴۸۹ھ) فرماتے ہیں:

تَعَلَّقَ بِهٰذِهِ الْآيَة بَعْضُ مَنْ يَقُولُ بِالتَّنَاسُخِ، وَقَالَ: إِنَّا نَرَى الْبَلَاءَ يُصِيبُ الْأَطْفَالَ وَلَمْ يَكُنْ مِنْهُم ذَنْبٌ، فَدَلَّ أَنَّهٗ سَبَقَ مِنْهُمْ ذُنُوبٌ مِنْ قَبْلُ وَعُوقِبُوا بِهَا .

”عقیدہ تناسخ کے ایک قائل نے اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے کہا ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ بچوں پر مصائب آتی ہیں، جبکہ ان کا تو کوئی گناہ بھی نہیں ہوتا، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان بچوں کے اس سے پہلے کے کچھ گناہ موجود ہیں، جن پر انہیں سزا دی جا رہی ہے۔“

(تفسير السّمعاني : 78/5)

ہر مصیبت اور پریشانی گناہوں کی وجہ سے نہیں ہوتی، انبیائے کرام اور صلحا پر جو مصائب آئی ہیں، وہ گناہوں کے سبب نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ انہیں درجات کی معراج پر پہنچانا چاہتا ہے کہ جسے اعمال سے حاصل نہیں کیا جا سکتا۔

یہی معاملہ بچوں کا ہے۔ بچوں پر آنے والی مصائب والدین کے لیے تکلیف دہ ہوتی ہیں، جن پر صبر اُن کے لیے گناہوں کا کفارہ اور درجات کی بلندی کا موجب ہے۔

❁ علامہ شاطبی رحمہ اللہ (۷۹۰ھ) فرماتے ہیں:

مَنْ نَظَرَ إِلٰى طُرُقِ أَهْلِ الْبِدَعِ فِي الِاسْتِدْلَالِ؛ عَرَفَ أَنَّهَا لَا تَنْضَبِطُ؛ لِأَنَّهَا سَيَّالَةٌ لَا تَقِفُ عِنْدَ حَدٍّ، وَعَلٰى كُلِّ وَجْهٍ يَصِحُّ لِكُلِّ زَائِغٍ وَكَافِرٍ أَنْ يَسْتَدِلَّ عَلٰى زَيْغِهٖ وَكُفْرِهٖ حَتّٰى يَنْسِبَ النِّحْلَةَ

الَّتِي الْتَزَمَهَا إِلَى الشَّرِيعَةِ، فَقَدْ رَأَيْنَا وَسَمِعْنَا عَنْ بَعْضِ الْكُفَّارِ أَنَّهُ اسْتَدَلَّ عَلٰى كُفْرِهِ بِآيَاتِ الْقُرْآنِ، كَمَا اسْتَدَلَّ بَعْضُ النَّصَارٰى عَلٰى تَشْرِيكِ عِيسٰى بِقَوْلِهٖ تَعَالٰى: ﴿وَكَلِمَتُهُ أَلْقَاهَا إِلٰى مَرْيَمَ وَرُوحٌ مِّنْهُ﴾(النّساء: ۱۷۱) وَاسْتَدَلَّ عَلٰى أَنَّ الْكُفَّارَ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ بِإِطْلَاقِ قَوْلِهِ تَعَالٰى: ﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالنَّصَارٰى وَالصَّابِئِينَ مَنْ آمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ﴾(البقرة: ٦٢)، الْآيَةَ، وَاسْتَدَلَّ بَعْضُ الْيَهُودِ عَلٰى تَفْضِيلِهِمْ عَلَيْنَا بِقَوْلِهٖ سُبْحَانَهُ: ﴿اذْكُرُوا نِعْمَتِيَ الَّتِي أَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَأَنِّي فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعَالَمِينَ﴾(البقرة: ٤٢) وَبَعْضُ الْحُلُولِيَّةِ اسْتَدَلَّ عَلٰى قَوْلِهِ تَعَالٰى: ﴿وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُوحِي﴾(الحجر: ٢٩) وَالتَّنَاسُخِيُّ اسْتَدَلَّ بِقَوْلِهٖ: ﴿فِي أَيِّ صُورَةٍ مَا شَاءَ رَكَّبَكَ﴾(الانفطار: ٨) وَكَذٰلِكَ كُلُّ مَنِ اتَّبَعَ الْمُتَشَابِهَاتِ، أَوْ حَرَّفَ الْمَنَاطَاتِ، أَوْ حَمَّلَ الْآيَاتِ مَا لَا تَحْمَلُهُ عِنْدَ السَّلَفِ الصَّالِحِ، أَوْ تَمَسَّكَ بِالْأَحَادِيثِ الْوَاهِيَةِ، أَوْ أَخَذَ الْأَدِلَّةَ بِبَادِي الرَّأْيِ، لَهُ أَنْ يَسْتَدِلَّ عَلٰى كُلِّ فِعْلٍ أَوْ قَوْلٍ أَوِ اعْتِقَادٍ وَافَقَ غَرَضَهُ بِآيَةٍ أَوْ حَدِيثٍ لَا يَفُوزُ بِذٰلِكَ أَصْلًا.

”جو اہل بدعت کے طریقہ استدلال کو بغور دیکھے، وہ جان جائے گا کہ ان کا کوئی قانون ضابطہ نہیں ہے، کیونکہ یہ سیلاب کی طرح بہتے جاتے ہیں اور کسی

کنارے پر رکنے کا نام نہیں لیتے۔ یوں ہر گمراہ اور کافر کے لیے بھی درست ہے کہ وہ اپنی گمراہی اور کفر پر استدلال کرے اور اپنی اختیار کردہ رائے کو شریعت کی طرف منسوب کر دے۔ ہم نے بعض کفار کو دیکھا اور سنا ہے، وہ اپنے کفر پر قرآنی آیات سے استدلال کرتے ہیں، مثلاً بعض عیسائی عیسیٰ علیہ السلام کے اللہ تعالیٰ کی اُلوہیت میں شریک ہونے پر اس فرمان باری تعالیٰ سے استدلال کرتے ہیں: ﴿وَكَلِمَتُهُ أَلْقَاهَا إِلَىٰ مَرْيَمَ وَرُوحٌ مِّنْهُ﴾ (النّساء : ۱۷۱) ''عیسیٰ اللہ کا کلمہ ہیں، جو اس نے مریم کی طرف القا کیا اور اس کی طرف سے روح ہیں۔'' نیز یہ کہ کفار بھی جنت میں جائیں گے، اس پر اس فرمان باری تعالیٰ سے استدلال کیا ہے: ﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالنَّصَارَىٰ وَالصَّابِئِينَ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ......﴾ (البقرة : ٦٢) ''بے شک جو مومن ہوں، یہودی ہوں، عیسائی ہوں یا صابی ہوں، جو بھی اللہ اور روز آخرت پر ایمان لایا......'' یہودی خود کو ہم امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے افضل سمجھتے ہیں، اس پر بطور دلیل یہ فرمان الٰہی پیش کرتے ہیں: ﴿اذْكُرُوا نِعْمَتِيَ الَّتِي أَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَأَنِّي فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعَالَمِينَ﴾ (البقرة : ٤٢) ''میری اس نعمت کو یاد کرو، جو میں نے تم پر کی اور میں نے تم کو تمام جہانوں پر فضیلت دی۔'' عقیدہ حلول کا عقیدہ رکھنے والے بعض اس آیت سے استدلال کرتے ہیں: ﴿وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُوحِي﴾ (الحجر : ٢٩) ''میں نے اس (آدم) میں اپنی روح پھونکی۔'' تناسخ ارواح کا عقیدہ رکھنے

والا اس فرمان سے استدلال کرتا ہے: ﴿فِي أَيِّ صُورَةٍ مَا شَاءَ رَكَّبَكَ﴾ (الانفطار: ۸) ''جس صورت میں اس نے چاہا، تجھے جوڑ دیا۔'' اسی طرح ہر وہ شخص، جو خواہشات کا اتباع کرتا ہے یا احکامات کی علتوں کو بدل دیتا ہے یا آیات پر وہ معانی و مطالب چڑھا دیتا ہے، جو معانی و مفاہیم سلف صالحین کے ہاں ان آیات سے مراد نہیں یا ضعیف احادیث سے دلیل پکڑتا ہے یا کمزور فہم سے دلائل اخذ کرتا ہے۔ ان میں سے ہر شخص اپنے من پسند فعل، قول یا عقیدے پر آیت یا حدیث سے استدلال کرتا ہے، ایسا کرنے سے وہ قطعاً سرخرو نہیں ہوگا۔''

(الاعتصام: 363/1)

سوال: جاوید احمد غامدی صاحب نے قصہ آدم کے بیان میں کہا ہے کہ سیدنا آدم علیہ السلام اور حواء علیہا السلام کو جس جنت سے نکالا گیا تھا، اس سے مراد آسمان پر موجود جنت نہیں ہے، بلکہ اس سے مراد زمین میں موجود ایک خاص باغ ہے۔ اس کی کیا حقیقت ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے سیدنا آدم علیہ السلام کے قصہ کو تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ سیدنا آدم علیہ السلام اور سیدہ حواء علیہا السلام کو حکم دیا کہ وہ جنت میں سکونت اختیار کریں۔ یہ جنت وہی ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے نیکوکاروں کے لیے تیار کر رکھا ہے اور روز قیامت اس میں داخل کیے جائیں گے۔

❀ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَقُلْنَا يَا آدَمُ اسْكُنْ أَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا﴾ (البقرۃ: ۳۵)

”ہم نے کہا، اے آدم! تو اور تیری زوجہ جنت میں رہو، اس میں جہاں سے جی چاہے خوب کھاؤ۔“

جب آدم علیہ السلام نے ممنوعہ درخت کھایا، تو اللہ تعالیٰ نے انہیں زمین پر اتارا، یہ بھی دلیل ہے کہ سیدنا آدم علیہ السلام جس جنت میں رہے، وہ آسمان پر ہے، تب ہی تو زمین پر اتارا ہے، اگر پہلے ہی زمین پر تھے، تو اتارنے کا کیا معنی؟

❀ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِحْتَجَّ آدَمُ وَمُوسٰی عَلَيْهِمَا السَّلَامُ عِنْدَ رَبِّهِمَا، فَحَجَّ آدَمُ مُوسٰی، قَالَ مُوسٰی : أَنْتَ آدَمُ الَّذِي خَلَقَكَ اللّٰهُ بِيَدِهٖ وَنَفَخَ فِيكَ مِنْ رُوحِهٖ، وَأَسْجَدَ لَكَ مَلَائِكَتَهٗ، وَأَسْكَنَكَ فِي جَنَّتِهٖ، ثُمَّ أَهْبَطْتَ النَّاسَ بِخَطِيئَتِكَ إِلَى الْأَرْضِ، فَقَالَ آدَمُ : أَنْتَ مُوسَى الَّذِي اصْطَفَاكَ اللّٰهُ بِرِسَالَتِهٖ وَبِكَلَامِهٖ وَأَعْطَاكَ الْأَلْوَاحَ فِيهَا تِبْيَانُ كُلِّ شَيْءٍ وَقَرَّبَكَ نَجِيًّا، فَبِكَمْ وَجَدْتَ اللّٰهَ كَتَبَ التَّوْرَاةَ قَبْلَ أَنْ أُخْلَقَ، قَالَ مُوسٰی : بِأَرْبَعِينَ عَامًا، قَالَ آدَمُ : فَهَلْ وَجَدْتَ فِيهَا﴿وَعَصٰى آدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى﴾، قَالَ : نَعَمْ، قَالَ : أَفَتَلُومُنِي عَلٰى أَنْ عَمِلْتُ عَمَلًا كَتَبَهُ اللّٰهُ عَلَيَّ أَنْ أَعْمَلَهٗ قَبْلَ أَنْ يَخْلُقَنِي بِأَرْبَعِينَ سَنَةً؟ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : فَحَجَّ آدَمُ مُوسٰی .

”رب تعالیٰ کے پاس آدم علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام کی گفتگو ہوئی۔ آدم علیہ السلام دلیل میں

غالب آ گئے۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: آپ آدم ہیں کہ جنہیں اللہ نے اپنے ہاتھوں سے پیدا فرمایا، آپ میں روح پھونکی، مسجود ملائکہ بنایا اور جنت میں ٹھکانا دیا، پھر آپ نے اپنی غلطی کی وجہ سے سب کو زمین پر اتار دیا۔ آدم علیہ السلام نے فرمایا: آپ موسیٰ ہیں، جنہیں اللہ نے رسالت اور کلام کے چنا ہے، آپ کو تختیاں عطا کیں کہ جن میں ہر چیز کی وضاحت ہے، سرگوشی کے لیے اپنے قریب کیا۔ بھلا اللہ نے میری تخلیق سے کتنا پہلے تورات لکھی تھی؟ موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا: چالیس سال پہلے۔ سیدنا آدم علیہ السلام نے فرمایا: کیا آپ نے اس میں یہ آیت: ﴿وَعَصٰى آدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى﴾ دیکھی ہے؟ فرمایا: جی ہاں، آدم علیہ السلام نے فرمایا: کیا آپ مجھے ایک ایسے کام پر ملامت کر رہے ہیں کہ جو اللہ نے میری تخلیق سے چالیس سال پہلے ہی میرے متعلق لکھ دیا تھا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آدم علیہ السلام دلیل میں موسیٰ علیہ السلام پر غالب آ گئے۔"

(صحيح البخاري: 4736، صحيح مسلم: 2652، واللّفظ لهٗ)

یہ حدیث بھی دلیل ہے کہ سیدنا آدم علیہ السلام کو اسی جنت میں ٹھہرایا گیا تھا، جو اللہ تعالیٰ کے ہاں آسمانوں میں ہے اور غلطی کے بعد اسی جنت سے نکال کر زمین پر اُتارا گیا تھا۔

قرآن اور حدیث میں کہیں ذکر نہیں کہ آدم علیہ السلام اور ان کی زوجہ حواء علیہا السلام کو زمین کے کسی خاص باغ میں ٹھہرایا گیا تھا۔ بغیر دلیل کے اس جنت کو دنیا کا کوئی خاص باغ قرار دینا، اللہ تعالیٰ پر افترا ہے اور اسلاف اُمت کے متفقہ عقیدہ سے انحراف ہے۔

جاوید احمد غامدی صاحب ملحدانہ فکر کا حامل ہیں، انہوں سے اس سے پہلے بھی کئی آیات اور مسلمہ حقائق کو مجاز پر محمول کر کے انحراف برتا ہے، کئی اجماعی عقائد و نظریات کی

مخالفت کی ہے۔

غامدی صاحب احادیث کا انکار تو کرتے ہی ہیں، قرآن کریم کی بھی من چاہی تفاسیر اور مطالب بیان کرتے ہیں، پورے قرآن کریم کو مجاز اور تاویل کی بھینٹ چڑھاتے ہیں، یہ معتزلہ اور اہل کلام کی رَوش ہے۔ اہل اسلام کو ایسی آزادی فکر کے حاملین سے چوکنا رہنا چاہیے۔ ہر گمراہ کی بنیاد عقل پرستی، خواہشات کی پیروی اور اسلاف اُمت کے علم سے بے اعتمادی ہے۔

ہمارے مطابق قرآن کریم کی وہ تفسیر جو صحابہ اور تابعین کے موافق نہ ہو، وہ الحاد ہے۔ اسلاف اُمت کے خلاف تفسیر کرنا دراصل قرآن کی تحریف ہے۔

سوال: جاوید احمد غامدی صاحب نے کہا ہے کہ آدم علیہ السلام کو جنت میں کسی درخت کا پھل کھانے سے منع نہیں کیا گیا، بلکہ ایک وقت تک تناسل سے منع کیا گیا کہ وہ ایک عرصہ تک ازدواجی تعلقات قائم نہ کریں۔ اس کی کیا حقیقت ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام اور سیدہ حواء علیہا السلام کو جنت میں ایک درخت کا پھل کھانے سے منع کیا تھا، جو انہوں نے شیطان کے بہکاوے میں کر کھالیا۔

❁ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُونَا مِنَ الظَّالِمِينَ﴾(البقرة : ٣٥)

”(اے آدم اور حواء) تم دونوں اس درخت کے قریب تک نہ پھٹکیں، ورنہ خطا کاروں میں سے ہو جائیں گے۔“

ہمیشہ کی طرح غامدی صاحب نے یہاں بھی حقیقت کو مجاز میں تبدیل کر دیا۔ کہتے ہیں کہ شجرہ ممنوعہ سے مراد جماع ہے کہ جس طرح رمضان کے دنوں میں بیوی کے پاس جانا منع

ہوتا ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے بطور آزمائش ایک وقت تک آدم علیہ السلام کو بیوی کے پاس جانے سے منع کیا تھا۔شیطان کے بہکاوے پر وہ چلے گئے، جس سے دونوں کے کپڑے اتر گئے اور درختوں کے پتے اپنے ستر پر لپیٹنے لگے۔

❀ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَوَسْوَسَ إِلَيْهِ الشَّيْطَانُ قَالَ يَاآدَمُ هَلْ أَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَا يَبْلٰى﴾ (طٰهٰ : ۱۲۰)

''شیطان نے اس (آدم علیہ السلام) کو وسوسہ میں مبتلا کیا، کہا اے آدم! کیا میں آپ کو شجرۂ خلد اور نہ فنا ہونے والی بادشاہت پر راہنمائی نہ کروں؟''

شجرہ خلد سے مراد یہ ہے کہ شیطان نے کہا تھا کہ اگر تم یہ درخت کھا لو، تو ہمیشہ ہمیشہ زندہ رہو گے اور تمہارے بادشاہت قائم رہے گی۔آدم علیہ السلام شیطان کے بہکاوے میں آ گئے اور ان سے غلطی سرزد ہوئی، درخت کھا لیا، جس کی پاداش میں انہیں ایک وقت تک جنت سے نکال دیا گیا، زمین پر اُتار دیا گیا۔پھر آدم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے ہی توبہ کے کلمات سیکھے اور اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول کی۔

سوال ہے کہ آدم علیہ السلام نے جنت میں کس درخت کا پھل کھایا تھا؟ تو عرض ہے کہ اس کا ذکر قرآن وحدیث میں نہیں ہے۔

❀ امام محمد بن جریر طبری رحمہ اللہ (۳۱۰ھ) فرماتے ہیں:

اَلصَّوَابُ فِي ذٰلِكَ أَنْ يُّقَالَ : إِنَّ اللّٰهَ جَلَّ ثَنَاؤُهٗ نَهٰى آدَمَ وَزَوْجَتَهٗ عَنْ أَكْلِ شَجَرَةٍ بِعَيْنِهَا مِنْ أَشْجَارِ الْجَنَّةِ دُونَ سَائِرِ أَشْجَارِهَا، فَخَالَفَا إِلٰى مَا نَهَاهُمَا اللّٰهُ عَنْهُ، فَأَكَلَا مِنْهَا كَمَا

وَصَفَهُمَا اللّٰهُ جَلَّ ثَنَاؤُهُ بِهٖ، وَلَا عِلْمَ عِنْدَنَا أَيَّ شَجَرَةٍ كَانَتْ عَلَى التَّعْيِينِ، لِأَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَضَعْ لِعِبَادِهٖ دَلِيلًا عَلٰى ذٰلِكَ فِي الْقُرْآنِ وَلَا فِي السُّنَّةِ الصَّحِيحَةِ، فَأَنّٰى يَأْتِي ذٰلِكَ مَنْ أَتٰى؟ وَقَدْ قِيلَ : كَانَتْ شَجَرَةَ الْبُرِّ، وَقِيلَ : كَانَتْ شَجَرَةَ الْعِنَبِ، وَقِيلَ : كَانَتْ شَجَرَةَ التِّينِ، وَجَائِزٌ أَنْ تَكُونَ وَاحِدَةً مِّنْهَا، وَذٰلِكَ إِنْ عَلِمَهٗ عَالِمٌ لَّمْ يَنْفَعِ الْعَالِمَ بِهٖ عِلْمُهٗ، وَإِنْ جَهِلَهٗ جَاهِلٌ لَّمْ يَضُرَّهٗ جَهْلُهٗ بِهٖ .

”درست یہ ہے کہ سیدنا آدم علیہ السلام اوران کی اہلیہ کو جنت کے کسی خاص درخت سے روکا گیا تھا، سب سے نہیں۔ انہوں نے حکم خداوندی کی مخالفت کرتے ہوئے درخت کھا لیا، جیسا کہ قرآن میں بیان کیا گیا ہے۔ اب ہمیں کوئی علم نہیں کہ وہ درخت کونسا تھا، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے نہ قرآن میں اس کی خبر دی، نہ کسی صحیح حدیث سے آگاہ کیا، تو پھر بعض الناس نے اس درخت کا تعین کیسے کر لیا؟ کسی نے گندم کا درخت کہا، کسی نے انگور کا نام لیا اور کسی نے انجیر کی بات کی۔ ممکن ہے ان میں سے ہی ہو! لیکن اگر کسی کو اس درخت کا علم بھی ہو جائے، تو کوئی فائدہ نہ ہوگا، یا کسی کو پتہ نہ چل سکے، تو کوئی نقصان نہ ہوگا۔“

(تفسیر الطّبري :1/556-557)

❀ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (۷۷۴ھ) فرماتے ہیں:

كَذٰلِكَ رَجَّحَ الْإِمَامُ فَخْرُ الدِّينِ الرَّازِيُّ فِي تَفْسِيرِهٖ وَغَيْرُهٗ،

وَهُوَ الصَّوَابُ .

''امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر اور دیگر اہل علم نے (امام طبری رحمہ اللہ کی ذکر کردہ) اسی بات کو ترجیح دی ہے اور (میرے مطابق بھی) یہی درست ہے۔''

(تفسیر ابن کثیر :235/1، سلامۃ)

سوال: (**New Year Night**) نئے سال کی رات منانا کیسا ہے؟

جواب: نئے سال کی رات (**New Year Night**) یا دن کو منانا جائز نہیں۔ کفار کی نقالی ہے۔

ہر سال 31 دسمبر کی رات مختلف شہروں اور مقامات پر ایونٹ (**Event**) منعقد کیے جاتے ہیں، مختلف گلوکاروں کو بلایا جاتا ہے، میوزک، رقص وسرود کا سامان کیا جاتا ہے، مرد وزن کا اختلاط، بے پردگی، فحاشی، ہلڑ بازی اور بیہودگی کا بازار گرم ہوتا ہے۔

لہٰذا نئے سال کی رات یا دن کو منانا شرعی لحاظ سے حرام اور کبیرہ گناہ ہے۔ یہ کفار کا طریقہ ہے، مسلمانوں کے شایان شان نہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھنے والا قطعا ایسا نہیں کرسکتا۔ اس موقع پر ایک دوسرے کو مبارک دینا بھی درست نہیں، یہ بھی کفار کی مشابہت ہے۔

اس موقع پر منعقد ہونے والی محافل ومجالس میں شرکت کرنا یا ان کی کسی لحاظ سے معاونت کرنا حرام ہے۔

❀ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾

(المائدۃ : 2)

’’نیکی اور تقویٰ کے امور پر ایک دوسرے کی معاونت کیا کریں، گناہ اور ظلم کے کام پر کسی کا ہاتھ نہ بٹایا کریں۔‘‘

❁ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿فَلَا تَقْعُدُوا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ إِنَّكُمْ إِذًا مِّثْلُهُمْ﴾(النّساء: ١٤٠)

’’آپ اس وقت تک ان کے ساتھ بیٹھک نہ کریں جب تک کہ وہ گفتگو کا موضوع بدل نہیں لیتے، ورنہ آپ میں اوران میں کوئی فرق نہ ہوگا۔‘‘

❁ مفسر علامہ قرطبی رحمہ اللہ (٦٧١ھ) لکھتے ہیں:

﴿إِنَّكُمْ إِذًا مِّثْلُهُمْ﴾ فَدَلَّ بِهٰذَا عَلٰى وُجُوبِ اجْتِنَابِ أَصْحَابِ الْمَعَاصِي إِذَا ظَهَرَ مِنْهُمْ مُنْكَرٌ، لِأَنَّ مَنْ لَمْ يَجْتَنِبْهُمْ فَقَدْ رَضِيَ فِعْلَهُمْ، وَالرِّضَا بِالْكُفْرِ كُفْرٌ.

’’﴿إِنَّكُمْ إِذًا مِّثْلُهُمْ﴾ کے الفاظ دلالت کرتے ہیں کہ اہل بدعت جب بدعت کا پرچار کررہے ہوں، تو ان سے اجتناب واجب ہے، جو ان سے اجتناب نہیں کرتا، وہ ان کی بدعت سے راضی ہے اور کفر پر راضی ہوجانا بھی کفر ہے۔‘‘

(تفسير القرطبي: 418/5)

❁ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِينَ﴾(الأنعام: ٦٨)

’’یاد آنے پر ظالموں سے کنارہ کشی کرلیجئے۔‘‘

❁ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (٧٧٤ھ) لکھتے ہیں:

أَلَّا يَجْلِسَ مَعَ الْمُكَذِّبِينَ الَّذِينَ يُحَرِّفُونَ آيَاتِ اللّٰهِ وَيَضَعُونَهَا عَلٰى غَيْرِ مَوَاضِعِهَا، فَإِنْ جَلَسَ أَحَدٌ مَّعَهُمْ نَاسِيًا ﴿فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى﴾ بَعْدَ التَّذَكُّرِ ﴿مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ﴾.

”آیات قرآنیہ میں تحریف کرنے والوں اور انہیں مطلب برآوری کے لئے استعمال کرنے والے جھوٹوں کے ساتھ نہ بیٹھیے، اگر بھولے سے بیٹھ جائیں تو یاد آنے پر کنارہ کرلیں۔“

(تفسیر ابن کثیر: 278/3)

مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ ہوش کے ناخن لیں، اپنی ذمہ داری سنبھالیں، کفار کو اسلام سے روشناس کرائیں، انہیں دعوت دیں، نہ کہ ان کی برائیوں کا حصہ بن جائیں۔

کفار نے ہمیشہ سے بے حیائی کے ذریعہ مسلمانوں کے عزائم کو ختم کیا ہے۔ پرافسوس کہ مسلمانوں خود فحاشی وعریانی پھیلا رہے ہیں، سوشل میڈیا، ٹیلی ویژن اور موبائل کے ذریعے بے حیائی پر مبنی مواد عام کررہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے زندگی ایک بار دی ہے، اسے اگلی زندگی کے لیے کارآمد بنائیے، اپنے رب کے رضا کے مطابق گزار دیجئے، شیطان کے بہکاوے میں مت آیئے، فتنوں سے دور رہیے، دین بیزاری سے بچیئے، اہل حق سے رابطہ رکھیے، مساجد ومدارس سے جڑ جایئے، یہی حق وصداقت کے قلعے ہیں، اسی میں سکون وسلامتی ہے۔

دنیوی واُخروی کامیابیاں اسلامی تعلیمات میں ہی پنہاں ہیں، اسے غیر مسلموں کے پاس تلاش مت کیجئے۔ ہمارا اسلام مکمل ضابطہ حیات ہے، کاش کہ ہم سمجھیں!!

فتاویٰ امن پوری (قسط ۳۹۹)

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

سوال: جو جبریل علیہ السلام سے بغض رکھے، اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: جبریل علیہ السلام تمام ملائکہ کے سردار ہیں، یہ وحی پر مامور ہیں۔ تمام انبیائے کرام علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ کا پیغام سناتے رہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے مقرب ہیں۔ ان سے بغض کفر اور ارتداد ہے۔ جبریل علیہ السلام سے بغض وحی الٰہی پر بد اعتمادی کا باعث ہے۔

❀ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِجِبْرِيلَ فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَىٰ قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِينَ، مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَرُسُلِهِ وَجِبْرِيلَ وَمِيكَالَ فَإِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكَافِرِينَ﴾ (البقرة : ۹۷-۹۸)

”(اے نبی!) کہہ دیجئے کہ جو جبریل کا دشمن ہو، وہ تو اللہ کے حکم سے آپ کے دل پر وحی نازل کرتا ہے، جو پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور مؤمنوں کے لیے خوشخبری ہے۔ جو اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتوں، رسولوں، جبریل اور میکائیل سے دشمنی رکھتا ہو، تو اللہ تعالیٰ ایسے کافروں کا دشمن ہے۔“

❀ علامہ ابن حیان اندلسی رحمہ اللہ (۷۴۵ھ) فرماتے ہیں:

قَدْ أَجْمَعَ الْمُسْلِمُونَ عَلٰى أَنَّ مَنْ أَبْغَضَ رَسُولًا أَوْ مَلَكًا فَقَدْ كَفَرَ .

''مسلمانوں کا اجماع ہے کہ جس نے کسی رسول یا کسی فرشتے سے بغض رکھا، یقیناً وہ کافر ہے۔''

(البحر المُحیط :515/1)

ایک عام فرشتے سے بغض رکھنا بھی باعث کفر ہے، تو سید الملائکہ سے بغض رکھنے کا کیا انجام ہوگا؟

سوال: ایک شخص لوگوں کا مال لوٹتا رہا، پھر تائب ہو گیا، اس کے پاس لوٹا ہوا مال موجود ہے، تو اس کے لیے کیا حکم ہے؟

جواب: مال لوٹنا حرام ہے، اگر کوئی شخص تائب ہو جائے، تو اس پر واجب کہ لوٹا ہوا مال مالکان تک پہنچائے، کوئی ایسا طریقہ اختیار کر لے، جس سے اس کی عزت بھی محفوظ رہے اور مال بھی مالکوں تک لوٹ جائے۔ زبانی توبہ کرنے کے بعد لوٹا ہوا مال واپس نہ کرنا جائز نہیں۔

❀ علامہ فخر الدین رازی رحمہ اللہ (٦٠٦ھ) اور علامہ ابو حفص عمر بن علی نعمانی دمشقی رحمہ اللہ (٧٧٥ھ) فرماتے ہیں:

أَجْمَعَ الْمُسْلِمُونَ عَلٰى أَنَّهٗ لَا يَجُوزُ لِلْغَاصِبِ أَنْ يُنْفِقَ مِمَّا أَخَذَهٗ، بَلْ يَجِبُ رَدُّهٗ .

''مسلمانوں کا اجماع ہے کہ مال لوٹنے والے کے لیے جائز نہیں کہ وہ غصب کردہ مال سے خرچ کرے، بلکہ اسے (مالکان کو) واپس کرنا واجب ہے۔''

(تفسیر الرّازي : 276/2، اللُّباب في عُلوم الکتاب :292/1)

سوال: اللہ تعالیٰ کی سمع، بصر، قوۃ وغیرہ کی قسم اٹھانا کیسا ہے؟

جواب: سمع، بصر، قوۃ سب اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں اور اللہ تعالیٰ کی صفات اس کا غیر نہیں، لہٰذا صفات باری تعالیٰ میں سے کسی بھی صفت کی قسم اٹھائی جا سکتی ہے، یہ قسم منعقد ہو جائے گی۔

✿ حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ (۴۶۳ھ) فرماتے ہیں:

اَلَّذِي أَجْمَعَ عَلَيْهِ الْعُلَمَاءُ فِي هٰذَا الْبَابِ هُوَ أَنَّهٗ مَنْ حَلَفَ بِاللّٰهِ أَوْ بِاسْمٍ مِّنْ أَسْمَاءِ اللّٰهِ أَوْ بِصِفَةٍ مِّنْ صِفَاتِهٖ أَوْ بِالْقُرْآنِ أَوْ بِشَيْءٍ مِّنْهُ فَحَنِثَ فَعَلَيْهِ كَفَّارَةُ يَمِينٍ عَلٰى مَا وَصَفَ اللّٰهُ فِي كِتَابِهٖ مِنْ حُكْمِ الْكَفَّارَةِ وَهٰذَا مَا لَا خِلَافَ فِيهِ عِنْدَ أَهْلِ الْفُرُوعِ وَلَيْسُوا فِي هٰذَا الْبَابِ بِخِلَافٍ وَّأَجْمَعَ الْعُلَمَاءُ عَلٰى أَنَّ تَصْرِيحَ الْيَمِينِ بِاللّٰهِ هُوَ قَوْلُ الْحَالِفِ بِاللّٰهِ أَوْ وَاللّٰهِ أَوْ تَاللّٰهَ .

”اس پر اجماع ہے کہ جس نے اللہ، اللہ کے کسی نام، اس کی کسی صفت، قرآن کریم یا اس کے کسی حصے کی قسم اٹھائی اور نبھا نہ سکا، تو اس پر قسم کا وہ کفارہ واجب ہے، جو اللہ نے قرآن مجید میں بیان کیا ہے، اہل فرع کے ہاں اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ اہل علم کا اجماع ہے کہ اللہ کی قسم کی تصریح ان الفاظ میں ہے: باللہ، تاللہ، واللہ۔“

(التّمهيد : 369/14)

✿ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ (۷۵۱ھ) فرماتے ہیں:

أَجْمَعَ الْمُسْلِمُونَ أَنَّهٗ لَوْ حَلَفَ بِحَيَاةِ اللّٰهِ أَوْ سَمْعِهٖ أَوْ بَصَرِهٖ

أَوْ قُوَّتِهِ أَوْ عِزَّتِهِ أَوْ عَظَمَتِهِ انْعَقَدَتْ يَمِينُهُ .

''مسلمانوں کا اجماع ہے کہ اگر کوئی اللہ تعالیٰ کی حیاۃ، سمع، بصر، قوۃ، عزت یا عظمت کی قسم اٹھائی، تو وہ قسم منعقد ہو جائے گی۔''

(التّفسير القيّم، ص 33)

سوال: ایک شخص نے کہا کہ میں قرآن کریم کو اللہ تعالیٰ کی منزل کتاب مانتا ہوں، مگر فلاں آیت کو اللہ تعالیٰ کا کلام نہیں مانتا، بلکہ وہ غلطی سے قرآن کا حصہ بن گئی ہے، اس بارے میں کیا کہتے ہیں؟

جواب: قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا منزل کلام ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے صوت وحروف سے تکلم کیا، جبریل علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے سنا اور محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہو کر سنایا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے قرآن کو اپنے سینوں میں بھی محفوظ کیا اور اوراق وغیرہ پر بھی لکھا۔ جسے بعد میں سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حکم سے صحابہ کی ایک کمیٹی نے مصحف میں جمع کر دیا۔

قرآن کریم تحریف وتبدل سے پاک کتاب ہے۔ اس میں ایک حرف کا اضافہ ہو نہ کمی آئی، نہ کسی حرف کی جگہ کو تبدیل کیا گیا، بلکہ جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو لکھنے کا حکم دیا، اسی طرح آج تک محفوظ و مامون ہے۔ زمانے گزر گئے، مگر قرآن کریم میں کوئی فرق نہیں آیا۔

❀ حافظ ذہبی رحمہ اللہ (۷۴۸ھ) فرماتے ہیں:

أَمَّا الْقُرْآنُ الْعَظِيمُ، سُوَرُهُ وَآيَاتُهُ، فَمُتَوَاتِرٌ، وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ، مَحْفُوْظٌ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى لَا يَسْتَطِيعُ أَحَدٌ أَنْ يُبَدِّلَهُ، وَلَا يَزِيْدَ فِيْهِ آيَةً، وَلَا جُمْلَةً مُّسْتَقِلَّةً، وَلَوْ فَعَلَ ذٰلِكَ أَحَدٌ عَمْدًا،

لَا نْسَلَخَ مِنَ الدِّيْنِ .

”قرآن عظیم کی سورتیں اور آیات متواتر ہیں، وللہ الحمد۔ اللہ تعالیٰ کی حفاظت کے ساتھ محفوظ ہے، کوئی اس میں تبدیلی یا زیادتی نہیں کرسکتا، نہ کوئی جملہ بڑھا سکتا ہے، اگر کوئی ایسا جان بوجھ کر کرے گا، تو وہ دین سے نکل جائے گا (یعنی مرتد ہو جائے گا)۔“

(سِيَر أعلام النُّبلاء : 171/10)

✿ قاضی عیاض رحمہ اللہ (۵۴۴ھ) فرماتے ہیں:

قَدْ ثَبَتَ الْقُرْآنُ وَوَقَعَ عَلَيْهِ الْإِجْمَاعُ، فَلَا يُزَادُ فِيهِ حَرْفٌ وَّلَا يُنْقَصُ حَرْفٌ وَقَدْ رَامَ الرَّوَافِضُ وَالْمُلْحَدَةُ ذٰلِكَ فَمَا يُمْكِنُ لَهُمْ .

”یقیناً قرآن صحیح سلامت ہے، اس پر اجماع ہو چکا ہے، لہٰذا اس میں ایک حرف بھی بڑھایا جائے، نہ کم کیا جائے۔ روافض (شیعہ) اور ملحدین نے تحریف قرآن کی کوشش کی ہے، لیکن کامیاب نہیں ہو سکے۔“

(إكمال المُعلِم :119/1)

✿ علامہ ابن ہبیرہ رحمہ اللہ (۵۶۰ھ) فرماتے ہیں:

اَلْقُرْآنُ هُوَ مَا أَجْمَعَ عَلَيْهِ الْمُسْلِمُونَ وَنَقَلَ النَّقْلَ الْمُتَوَاتِرَ كَوَافٌّ عَنْ كَوَافٍ .

”قرآن وہ کتاب ہے، جس پر مسلمانوں کا اجماع ہے، اسے ہر دور کے لوگوں نے ایک دوسرے سے تواتر کے ساتھ نقل کیا ہے۔“

(الإفصاح عن معاني الصِّحاح :49/3)

قرآن کریم ہر لحاظ سے محفوظ ہے، جس کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے خود لی ہے۔

❁ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾(الحجر: ۹)

”بے شک ہم نے ذکر کو نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرتے ہیں۔“

لہٰذا اگر کوئی شخص ایک آیت میں بھی شک کرے، تو وہ یقینی طور پر کافر ہے۔

❁ علامہ ابن حیان اندلسی رحمہ اللہ (۷۴۵ھ) فرماتے ہیں:

أَجْمَعَ الْمُسْلِمُونَ عَلٰى أَنَّ مَنْ كَفَرَ بِآيَةٍ مِّنْ كِتَابِ اللّٰهِ ...... فَهُوَ كَافِرٌ.

”اس پر مسلمانوں کا اجماع ہے کہ جو کتاب اللہ کی کسی بھی آیت کا انکار کرے......وہ کافر ہے۔“

(البحر المُحیط: 520/1)

سوال: کیا اللہ تعالیٰ کے لیے صفت محبت ثابت ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ کے لیے صفت محبت ثابت ہے، اللہ تعالیٰ کی اس صفت کا معنی وہ نہیں، جو مخلوق کے لیے ہوتا ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ کی محبت اس طرح ہے، جیسے اس کے شان کے لائق ہے، اس کی کیفیت بیان نہیں کی جائے گی۔

❁ علامہ رازی رحمہ اللہ (٦٠٦ھ) فرماتے ہیں:

أَجْمَعَ الْمُسْلِمُونَ عَلٰى أَنَّ الْمَحَبَّةَ صِفَةٌ مِّنْ صِفَاتِ اللّٰهِ تَعَالٰى، لِأَنَّ الْقُرْآنَ نَطَقَ بِإِثْبَاتِهَا فِي آيَاتٍ كَثِيرَةٍ، وَاتَّفَقُوا عَلٰى أَنْ لَّيْسَ مَعْنَاهَا شَهْوَةَ النَّفْسِ وَمَيْلَ الطَّبْعِ، وَطَلَبَ التَّلَذُّذِ

بِالشَّيْءِ؛ لِأَنَّ كُلَّ ذٰلِكَ فِي حَقِّ اللّٰهِ تَعَالٰى مُحَالٌ بِالْإِتِّفَاقِ .

''مسلمانوں کا اجماع ہے کہ محبت اللہ تعالیٰ کی ایک صفت ہے، کیونکہ قرآن کریم نے کئی آیات میں اس کا اثبات کیا ہے۔ نیز اس پر بھی اتفاق ہے کہ اس صفت کا معنی ''نفس کی شہوت''، ''طبیعت کا مائل ہونا'' یا ''کسی شے سے لذت حاصل کرنا'' نہیں ہے، کیونکہ یہ معانی اللہ تعالیٰ کے حق میں بالاتفاق محال ہیں۔''

(تفسير الرّازي : 282/14، اللُّباب في عُلوم الكتاب لأبي حفص عمر بن علي الدّمشقي : 159/9)

❁ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِذَا أَحَبَّ عَبْدًا دَعَا جِبْرِيلَ، فَقَالَ : إِنِّي أُحِبُّ فُلَانًا فَأَحِبَّهُ، قَالَ : فَيُحِبُّهُ جِبْرِيلُ، ثُمَّ يُنَادِي فِي السَّمَاءِ، فَيَقُولُ : إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ فُلَانًا فَأَحِبُّوهُ، فَيُحِبُّهُ أَهْلُ السَّمَاءِ، قَالَ : ثُمَّ يُوضَعُ لَهُ الْقَبُولُ فِي الْأَرْضِ، وَإِذَا أَبْغَضَ عَبْدًا دَعَا جِبْرِيلَ فَيَقُولُ : إِنِّي أُبْغِضُ فُلَانًا فَأَبْغِضْهُ، قَالَ فَيُبْغِضُهُ جِبْرِيلُ، ثُمَّ يُنَادِي فِي أَهْلِ السَّمَاءِ : إِنَّ اللّٰهَ يُبْغِضُ فُلَانًا فَأَبْغِضُوهُ، قَالَ : فَيُبْغِضُونَهُ، ثُمَّ تُوضَعُ لَهُ الْبَغْضَاءُ فِي الْأَرْضِ .

''جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت کرتا ہے، تو جبریل علیہ السلام کو بلا کر فرماتا ہے : میں فلاں بندے سے محبت کرتا ہوں، تم بھی اس سے محبت کرو۔ جبریل علیہ السلام اس سے محبت کرنے لگتے ہیں، پھر جبریل علیہ السلام آسمانوں میں منادی کرتے ہیں

کہ اللہ تعالیٰ فلاں بندے سے محبت کرتا ہے،تم سب بھی اس سے محبت کرو۔آسمان کی تمام مخلوق اس سے محبت کرنے لگتی ہے۔پھر زمین والوں کے دلوں میں بھی اس بندے کے بارے میں نیک نامی ڈال دی جاتی ہے۔جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے بغض رکھتا ہے،تو جبریل کو بلاتا ہے اور کہتا ہے: میں فلاں بندے سے بغض رکھتا ہوں،تم بھی اس سے بغض رکھو،تو جبریل بھی اس سے بغض رکھتے ہیں، پھر جبریل علیہ السلام آسمان والے فرشتوں میں آواز لگاتے ہیں: بلاشبہ اللہ تعالیٰ فلاں بندے سے بغض رکھتا ہے،تم بھی اس سے بغض رکھو، تو فرشتے بھی اس سے بغض رکھتے ہیں، پھر زمین والوں کے دل میں اس کا بغض ڈال دیا جاتا ہے۔“

(صحيح البخاري: 3209، صحيح مسلم: 2637، واللّفظ لهٗ)

❀ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

كَلِمَتَانِ حَبِيبَتَانِ إِلَى الرَّحْمٰنِ، خَفِيفَتَانِ عَلَى اللِّسَانِ، ثَقِيلَتَانِ فِي الْمِيزَانِ؛ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ، سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيمِ .

”دو کلمے، رحمٰن کو بہت محبوب ہیں، زبان پر (ادا کرنے میں) بہت آسان ہیں اور میزان میں بہت وزنی ہیں؛ سبحان اللہ وبحمدہ، سبحان اللہ العظیم۔“

(صحيح البخاري: 7563، صحيح مسلم: 2694)

سوال: شادی شدہ زانی کی حد کیا ہے؟

جواب: شادی شدہ مرد یا عورت زنا کرے، تو اس کی سزا رجم ہے۔ رجم کا ثبوت قرآن کریم، احادیث متواترہ اور اجماع میں ہے، جانتے بوجھتے اس کا انکار کفر ہے۔

❁ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَلْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ وَلِلْعَاهِرِ الْحَجَرُ .

”بچہ اس کا ہے، جس کے بستر پر پیدا ہوا اور زانی کو پتھروں سے رجم کیا جائے گا۔“

(صحيح البخاري : 2053، صحيح مسلم : 1457)

❁ علامہ ملا علی قاری رحمہ اللہ (۱۰۱۴ھ) فرماتے ہیں:

اَلْحَدِيثُ صَحِيحٌ مَّشْهُورٌ كَادَ أَنْ يَّكُونَ مُتَوَاتِرًا .

”یہ حدیث صحیح و مشہور ہے اور درجہ تواتر کے قریب ہے۔“

(شرح مسند أبي حنيفة :55/1)

❁ علامہ مناوی رحمہ اللہ (۱۰۳۱ھ) فرماتے ہیں:

هُوَ مُتَوَاتِرٌ . ”یہ حدیث متواتر ہے۔“

(التّيسير بشرح الجامع الصّغير : 487/2)

❁ علامہ زرقانی رحمہ اللہ (۱۱۲۲ھ) نے بھی ”متواتر“ کہا ہے۔

(شرح الزرقاني : 313/5)

❁ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے جمعہ کے دن ایک عورت کو رجم کیا اور فرمایا:

قَدْ رَجَمْتُهَا بِسُنَّةِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ .

”میں نے اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق رجم کر دیا۔“

(صحيح البخاري : 6812)

❁ حافظ ابن رجب رحمہ اللہ (۷۹۵ھ) فرماتے ہیں:

أَمَّا زِنَى الثَّيِّبِ فَأَجْمَعَ الْمُسْلِمُونَ عَلٰى أَنَّ حَدَّهُ الرَّجْمُ حَتّٰى

يَمُوتَ .

’’مسلمانوں کا اجماع ہے کہ شادی شدہ زنا کرے، تو اس کی سزا رجم ہے۔‘‘

(تفسیر ابن رجب: 421/1)

سوال: کیا کوئی نبی یا رسول اللہ تعالیٰ کی وحی کو چھپا سکتا ہے، یا اس کی تبلیغ میں خیانت کر سکتا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ کا ہر نبی اور رسول خیانت سے پاک ہے، وہ تبلیغ رسالت اور ابلاغ وحی میں معصوم عن الخطا ہے، وحی پہنچانے کے معاملہ میں نبی اور رسول نہ جان بوجھ کر خطا کھا سکتا ہے اور نہ انجانے میں۔ کیونکہ اگر نبی سے ابلاغ وحی میں خطا سرزد ہونا ممکن ہوتا، تو شریعت مشکوک ہو جاتی، نیز تمام انبیائے کرام علیہم السلام کی نبوت و رسالت مجروح ہو جاتی۔

اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام علیہم السلام کو معصوم عن الخطا بنایا اور شریعت کے تمام احکامات کو محکم اور غلطی سے پاک بنایا۔

✿ علامہ فخر الدین رازی رحمہ اللہ (۶۰۶ھ) اور علامہ ابو حفص عمر بن علی نعمانی دمشقی رحمہ اللہ (۷۷۵ھ) فرماتے ہیں:

أَجْمَعَ الْمُسْلِمُونَ عَلٰى أَنَّهٗ لَا يَجُوزُ عَلَى الرَّسُولِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ أَنْ يَّخُونَ فِي الْوَحْيِ وَالتَّبْلِيغِ، وَأَنْ يَتْرُكَ بَعْضَ مَا يُوحٰى إِلَيْهِ؛ لِأَنَّ تَجْوِيزَهٗ يُؤَدِّي إِلَى الشَّكِّ فِي كُلِّ الشَّرَائِعِ وَذٰلِكَ يَقْدَحُ فِي النُّبُوَّةِ، وَأَيْضًا فَالْمَقْصُودُ مِنَ الرِّسَالَةِ تَبْلِيغُ التَّكَالِيفِ، وَالْأَحْكَامِ، فَإِنَّهٗ لَمْ تَحْصُلْ هٰذِهِ

الْفَائِدَةُ فَقَدْ خَرَجَتِ الرِّسَالَةُ عَنْ أَنْ تُفِيدَ فَائِدَتَهَا .

''مسلمانوں کا اجماع ہے کہ رسول علیہ السلام کے لیے ممکن نہیں کہ وہ وحی اور تبلیغ میں خیانت کرے یا کسی وحی (کی تبلیغ) کو ترک کر دے، کیونکہ اگر ایسا ممکن ہوتا، تو اس سے تمام شریعتوں میں شک پیدا ہو جاتا اور یہ شان نبوت میں قدح کا باعث ہے۔ نیز رسالت کا مقصد احکامات کی تبلیغ کرنا ہے، تو جب یہ فائدہ ہی حاصل نہ ہوگا، تو رسالت کا فائدہ باقی نہ رہے گا۔''

(تفسير الرّازي : 323/17، اللُّباب في عُلوم الكتاب : 447/10)

❁ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْأَقَاوِيلِ، لَأَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِينِ، ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِينَ﴾(الحاقّة : ٤٤-٤٦)

''وہ ہماری طرف کچھ جھوٹ منسوب کر دیتے، تو یقیناً ہم انہیں دائیں ہاتھ سے پکڑ لیتے اور ان کی رگ جاں کاٹ دیتے۔''

جب اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو محفوظ رکھا، تو یقیناً آپ ﷺ نے ساری کی ساری شریعت کو پہنچا دیا، وحی کا کوئی حصہ اپنے پاس نہ رکھا، بلکہ اسے اُمت تک پہنچا دیا۔

❁ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿قُلْ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أُبَدِّلَهُ مِنْ تِلْقَاءِ نَفْسِي إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ﴾(یونُس : ١٥)

''کہہ دیجئے کہ میں اپنی طرف سے قرآن کریم بدلنے کا اختیار نہیں رکھتا، میں اپنی طرف کی گئی وحی کا اتباع کرتا ہوں۔''

❁ علامہ ابن حزم رحمہ اللہ (۴۵۶ھ) فرماتے ہیں:

لَوْ أَنَّهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَرَّعَ شَيْئًا لَمْ يُوحَ إِلَيْهِ بِهٖ لَكَانَ مُبَدِّلًا لِلدِّيْنِ مِنْ تِلْقَاءِ نَفْسِهٖ وَكُلُّ مَنْ أَجَازَ هٰذَا فَقَدْ كَفَرَ وَخَرَجَ عَنِ الْإِسْلَامِ وَبِاللّٰهِ تَعَالٰى نَعُوذُ مِنَ الْخُذْلَانِ.

”اگر نبی کریم ﷺ کسی ایسی چیز کو شریعت بنا دیتے، جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی طرف وحی نہیں کی، تو آپ ﷺ اپنی طرف سے دین کو تبدیل کرنے والے قرار پاتے۔ جس نے ایسا ہونے کو درست سمجھا، اس نے کفر کیا اور وہ اسلام سے خارج ہو گیا، ہم ایسی رسوائی سے اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آتے ہیں۔“

(الإحكام: 137/5)

سوال: سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لَا تَكْتُبُوا عَنِّي، وَمَنْ كَتَبَ عَنِّي غَيْرَ الْقُرْآنِ فَلْيَمْحُهُ، وَحَدِّثُوا عَنِّي، وَلَا حَرَجَ.

”میری بات نہ لکھو، جس نے قرآن کے علاوہ کوئی بات بھی مجھ سے سن کر لکھی ہو، وہ اسے ختم کر دے، ہاں مجھ سے حدیث بیان کر لیں، کوئی حرج نہیں۔“

(صحيح مسلم: 3004)

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے قرآن کریم کے علاوہ کچھ بھی لکھنے سے منع فرمایا ہے، جبکہ دیگر احادیث میں حدیث لکھنے کا ثبوت ہے۔

❁ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے مرض

الموت میں فرمایا:

اِئْتُونِي بِكِتَابٍ أَكْتُبْ لَكُمْ كِتَابًا لَّا تَضِلُّوا بَعْدَهٗ .

”میرے پاس لکھنے کے لیے کچھ لائیں، تا کہ میں تحریر کر دوں کہ جس کے بعد آپ نہیں بھولیں گے۔“

(صحیح البخاري : 114، صحیح مسلم : 1637)

❁ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ یمنی صحابی ابو شاہ رضی اللہ عنہ نے خطبہ حجۃ الوداع لکھنے کی فرمائش کی، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اُكْتُبُوا لِأَبِي شَاهٍ .

”ابوشاہ کو (حدیث) لکھ دیں۔“

(صحیح البخاري : 2434، صحیح مسلم : 1355)

❁ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

مَا مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحَدٌ أَكْثَرَ حَدِيثًا عَنْهُ مِنِّي، إِلَّا مَا كَانَ مِنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو، فَإِنَّهٗ كَانَ يَكْتُبُ وَلَا أَكْتُبُ .

”مجھ سے زیادہ حدیثیں کسی اور صحابیٔ رسول کے پاس نہ تھی، سوائے سیدنا عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کے پاس کہ وہ احادیث لکھا کرتے تھے، میں لکھتا نہیں تھا۔“

(صحیح البخاري : 113)

اس تعارض کا کیا جواب ہے؟

جواب: عہد نبوی میں حدیث لکھی جاتی تھی، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت سے

احادیث لکھنا ثابت ہے۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (۷۷۴ھ) فرماتے ہیں:

فِي الصَّحِيحَيْنِ وَغَيْرِهِمَا، مِمَّا ثَبَتَ تَوَاتُرُهُ بِالْوَقَائِعِ الْمُتَعَدِّدَةِ، أَنَّهُ بَعَثَ كُتُبَهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدْعُو إِلَى اللّٰهِ مُلُوكَ الْآفَاقِ، وَطَوَائِفَ بَنِي آدَمَ مِنْ عَرَبِهِمْ وَعَجَمِهِمْ، كِتَابِيِّهِم وَأُمِّيِّهِمْ، امْتِثَالًا لِّأَمْرِ اللّٰهِ لَهُ بِذٰلِكَ.

”بخاری و مسلم اور دیگر کتب میں تواتر کے ساتھ متعدد واقعات ثابت ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے خطوط کے ذریعے بادشاہوں، عرب و عجم کے پڑھے لکھے اور ان پڑھ لوگوں کو ’دعوت الی اللہ‘ دی ہے۔“

(تفسیر ابن کثیر: 26/2، سلامۃ)

البتہ جس حدیث میں حدیث لکھنے سے روکا گیا ہے، اس کے متعلق اہل علم کی مختلف آرا ہیں، بعض نے اسے منسوخ کہا ہے، بعض کا کہنا ہے کہ قرآن اور احادیث کو ایک ساتھ یا ایک جگہ اکٹھا لکھے جانے سے خلط ملط ہونے کا خدشہ تھا، تو اس احتیاط کے پیش نظر قرآن وحدیث کو اکٹھا لکھنے سے منع کر دیا گیا۔

اس کے بارے میں اہل علم کی تصریحات ملاحظہ ہوں:

علامہ خطابی رحمہ اللہ (۳۸۸ھ) فرماتے ہیں:

يُشْبِهُ أَنْ يَّكُونَ النَّهْيُ مُتَقَدِّمًا وَّآخِرُ الْأَمْرَيْنِ الْإِبَاحَةُ، وَقَدْ قِيلَ: إِنَّهُ إِنَّمَا نُهِيَ أَنْ يُكْتَبَ الْحَدِيثُ مَعَ الْقُرْآنِ فِي صَحِيفَةٍ

وَّاحِدَةٍ لِّئَلَّا يَخْتَلِطَ بِهٖ وَيَشْتَبِهُ عَلَى الْقَارِيءِ فَأَمَّا أَنْ يَّكُونَ نَفْسُ الْكِتَابِ مَحْظُورًا وَتَقْيِيدُ الْعِلْمِ بِالْخَطِّ مَنْهِيًّا عَنْهُ فَلَا .

''ممکن ہے کہ کتابت حدیث پہلے منع ہو، بعد میں اجازت مل گئی ہو، ایک قول یہ بھی ہے کہ دراصل ممانعت اس صورت میں تھی کہ حدیث کو قرآن کے ساتھ ایک ہی صحیفہ میں لکھا جائے، تاکہ دونوں آپس میں مل نہ جائیں اور قاری پر اشتباہ ہو جائے، ورنہ لکھنا یا علم کو تحریری طور پر محفوظ کرنا حرام ہے، نہ ممنوع۔''

(مَعالِم السّنن : 4/184)

❀ قاضی عیاض رحمہ اللہ (۵۴۴ھ) فرماتے ہیں:

وَقَعَ عَلَيْهِ بَعْدَ هٰذَا الْاِتِّفَاقُ وَالْإِجْمَاعُ مِنْ جَمِيعِ مَشَايِخِ الْعِلْمِ وَأَئِمَّتِهٖ وَنَاقِلِيهِ .

''بعد میں کتابت حدیث پر تمام مشائخ اور ائمہ و محدثین کا اجماع و اتفاق ہو گیا۔''

(الإلماع في معرفة أصول الرّواية وتقييد السّماع، ص 147)

❀ حافظ نووی رحمہ اللہ (۶۷۶ھ) فرماتے ہیں:

فِيهِ جَوَازُ كِتَابَةِ الْحَدِيثِ وَغَيْرِهٖ مِنَ الْعُلُومِ الشَّرْعِيَّةِ لِقَوْلِ أَنَسٍ لِابْنِهِ اكْتُبْهُ، بَلْ هِيَ مُسْتَحَبَّةٌ وَجَاءَ فِي الْحَدِيثِ النَّهْيُ عَنْ كَتْبِ الْحَدِيثِ وَجَاءَ الْإِذْنُ فِيهِ، فَقِيلَ : كَانَ النَّهْيُ لِمَنْ خِيفَ اتِّكَالُهٗ عَلَى الْكِتَابِ وَتَفْرِيطُهٗ فِي الْحِفْظِ مَعَ تَمَكُّنِهٖ مِنْهُ وَالْإِذْنُ لِمَنْ لَّا يَتَمَكَّنُ مِنَ الْحِفْظِ، وَقِيلَ : كَانَ النَّهْيُ

أَوَّلًا لَمَّا خِيفَ اخْتِلَاطُهُ بِالْقُرْآنِ وَالْإِذْنُ بَعْدَهُ لَمَّا أُمِنَ مِنْ ذٰلِكَ وَكَانَ بَيْنَ السَّلَفِ مِنَ الصَّحَابَةِ وَالتَّابِعِينَ خِلَافٌ فِي جَوَازِ كِتَابَةِ الْحَدِيثِ ثُمَّ أَجْمَعَتِ الْأُمَّةُ عَلٰى جَوَازِهَا وَاسْتِحْبَابِهَا.

''اس روایت میں حدیث اور دیگر شرعی علوم کی کتابت کا جواز ہے، کیونکہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے سے فرمایا: اسے لکھ لیجیے۔ کتابت حدیث مستحب ہے، حدیث میں کتابت حدیث کی ممانعت بھی آئی ہے اور اباحت بھی۔ بعض کا کہنا ہے کہ کتابت حدیث کی ممانعت اس شخص کے لیے تھی، جو حدیث کو لکھنے پر ہی اکتفا کرتا ہے، لیکن استطاعت کے باوجود حفظِ حدیث میں سستی دکھاتا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ ابتدا میں کتابت حدیث کی ممانعت اس لیے تھی کہ کہیں وہ قرآن سے مل کر خلط ملط نہ ہو جائے، بعد میں جب یہ خدشہ جاتا رہا، تو حدیث لکھنا جائز ہو گیا۔ کتابت حدیث کے متعلق صحابہ و تابعین میں اختلاف رہا ہے، لیکن بعد میں اس کے جواز اور استحباب پر امت کا اجماع ہو گیا۔''

(شرح مسلم: 1/244-245)

❀ حافظ ذہبی رحمہ اللہ (۷۴۸ھ) فرماتے ہیں:

اَلظَّاهِرُ أَنَّ النَّهْيَ كَانَ أَوَّلًا لِّتَتَوَفَّرَ هِمَمُهُم عَلَى الْقُرْآنِ وَحْدَهُ، وَلِيَمْتَازَ الْقُرْآنُ بِالْكِتَابَةِ عَمَّا سِوَاهُ مِنَ السُّنَنِ النَّبَوِيَّةِ، فَيُؤْمَنُ اللَّبْسُ، فَلَمَّا زَالَ الْمَحْذُوْرُ وَاللَّبْسُ، وَوَضَحَ أَنَّ الْقُرْآنَ لَا يَشْتَبِهُ بِكَلَامِ النَّاسِ، أُذِنَ فِي كِتَابَةِ الْعِلْمِ، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

”درست یہی معلوم ہوتا ہے کہ کتابت حدیث کی یہ ممانعت ابتدا میں تھی، تا کہ صحابہ کی تمام تر کوششیں صرف قرآن سیکھنے پر ہوں اور اس لیے بھی کہ لکھنے میں قرآن دیگر سنن نبویہ سے ممتاز رہے اور التباس سے بچا جا سکے۔ لہٰذا جب یہ اندیشہ ختم ہو گیا اور یہ ظاہر ہو گیا کہ لوگوں کی گفتگو سے قرآن مشتبہ نہیں ہوتا، تو کتابِ علم کی اجازت دے دی گئی، واللہ اعلم!“

(سِيَر أعلام النّبلاء : 81/3)

❁ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (۷۷۴ھ) فرماتے ہیں:

أَدَّوُا الْقُرْآنَ قُرْآنًا، وَالسُّنَّةَ سُنَّةً، لَمْ يَلْبِسُوا هٰذَا بِهٰذَا؛ وَلِهٰذَا قَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ : مَنْ كَتَبَ عَنِّي سِوَى الْقُرْآنِ فَلْيَمْحُهُ، أَيْ : لِئَلَّا يَخْتَلِطَ بِالْقُرْآنِ، وَلَيْسَ مَعْنَاهُ أَلَّا يَحْفَظُوا السُّنَّةَ وَيَرْوُوهَا، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

”صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے قرآن کو قرآن کی صورت میں اور سنت کو سنت کی صورت میں پیش کیا، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ جس نے قرآن کے علاوہ مجھ سے سن کر کچھ بھی لکھا ہو، وہ اسے مٹا دے۔ اس ممانعت کا مقصد صرف یہ تھا کہ قرآن (حدیث کے ساتھ) خلط ملط نہ ہو جائے، ممانعت اس لیے ہرگز نہ تھی کہ سنت کو نہ محفوظ کرو اور نہ آگے بیان کرو، واللہ اعلم!“

(تفسير ابن كثير : 27/1، ط سلامة)

❁ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (۸۵۲ھ) فرماتے ہیں:

اَلْإِجْمَاعُ انْعَقَدَ عَلٰى جَوَازِ كِتَابَةِ الْعِلْمِ بَلْ عَلَى اسْتِحْبَابِهٖ

بَلْ لَا يَبْعُدُ وُجُوبُهٗ عَلٰی مَنْ خَشِيَ النِّسْيَانَ مِمَّنْ يَتَعَيَّنُ عَلَيْهِ تَبْلِيغُ الْعِلْمِ.

”اجماع منعقد ہو چکا ہے کہ کتابت علم جائز ہے، بلکہ مستحب ہے، یہ بعید نہیں کہ علم کے مبلغین میں سے جسے بھولنے کا خدشہ ہو، اس پر تو کتابت واجب ہو۔“

(هُدَى السّاري، ص 204)

سوال: سیدنا ثوبان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

أَلَا إِنَّ رَحَى الْإِسْلَامِ دَائِرَةٌ، قَالَ: فَكَيْفَ نَصْنَعُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ قَالَ: اعْرِضُوا حَدِيثِي عَلَى الْكِتَابِ، فَمَا وَافَقَهُ فَهُوَ مِنِّي، وَأَنَا قُلْتُهُ.

”خبردار! اسلام کی چکی گھومنے والی ہے، صحابی نے عرض کیا: اللہ کے رسول! ہم کیا کریں؟ فرمایا: میری حدیث کو قرآن پر پیش کریں، جو اس کے موافق ہو، وہ میری طرف سے ہوگی اور اسے میں نے کہا ہوگا۔“

(المُعجم الكبير للطّبراني: 97/2)

بعض لوگ کہتے ہیں کہ مذکورہ روایت صحیح بخاری میں مندرج تھی، بعد میں نکال دی گئی، بطور دلیل وہ علامہ تفتازانی حنفی وغیرہ کا حوالہ پیش کرتے ہیں۔ اس کی کیا حقیقت ہے؟

جواب: علامہ تفتازانی حنفی (۷۹۳ھ) نے لکھا ہے:

إِيرَادُ الْبُخَارِيِّ إِيَّاهُ فِي صَحِيحِهٖ ......

”امام بخاری رحمہ اللہ نے اس روایت کو اپنی صحیح میں درج کیا ہے......“

(شرح التّلويح: 16/2)

یہ روایت صحیح بخاری تو کجا کتب ستہ میں بھی نہیں ہے۔ علامہ تفتازانی حنفی کا اسے

بخاری کی طرف منسوخ کرنا واضح خطا ہے۔خطا کو بنیاد بنا کر یہ دعویٰ کرنا کہ یہ ضعیف و منکر روایت بخاری میں ہے، بالکل صحیح نہیں۔

مذکورہ روایت کی سند سخت ضعیف ہے۔

① ابو کامل یزید بن ربیعہ دمشقی ضعیف ومختلط ہے۔

✿ حافظ جوزجانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

أَحَادِيثُهُ أَبَاطِيلُ أَخَافُ أَنْ تَكُونَ مَوْضُوعَةً .

”اس کی احادیث باطل ہیں، خدشہ ہے کہ من گھڑت بھی ہوں۔“

(أحوال الرّجال : 284)

✿ امام ابو حاتم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ضَعِيْفُ الْحَدِيْثِ، مُنْكَرُ الْحَدِيْثِ، وَاهِي الْحَدِيْثِ، وَفِي رِوَايَتِهٖ عَنْ أَبِي الْأَشْعَثِ عَنْ ثَوْبَانَ تَخْلِيْطٌ كَثِيْرٌ .

”یہ ضعیف الحدیث، منکر الحدیث اور ”واہی الحدیث“ ہے۔اس نے جو روایت ابو الاشعث عن ثوبان کی سند سے بیان کی ہے، اس میں بہت زیادہ تخلیط (اضطراب) ہے۔“

(الجرح والتّعديل : 9/ 261)

✿ اسے امام دارقطنی رحمہ اللہ نے ”متروک“ کہا ہے۔

(سؤالات البَرقاني : 548)

② احمد بن محمد بن یحیی بن حمزہ حضرمی ضعیف ہے۔

سوال: درج ذیل روایت کی سند کیسی ہے؟

❁ سیدنا معاذ بن انس جہنی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ قَرَأَ ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ﴾ حَتّٰى يَخْتِمَهَا عَشْرَ مَرَّاتٍ، بَنَى اللّٰهُ لَهٗ قَصْرًا فِي الْجَنَّةِ، فَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ : إِذًا نَسْتَكْثِرَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : اَللّٰهُ أَكْثَرُ وَأَطْيَبُ .

''جس نے مکمل سورت اخلاص دس مرتبہ پڑھی، اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں محل تعمیر کرتے ہیں۔ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کہنے لگے: اللہ کے رسول! پھر تو ہم کثرت سے سورت اخلاص پڑھیں گے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ بھی زیادہ اور عمدہ اجر دینے والا ہے۔''

(مسند الإمام أحمد : 437/3)

جواب: روایت باطل ہے۔

① زبان بن فائد ''ضعیف ومنکر الحدیث'' ہے۔ اس کی روایت سہل بن معاذ سے باطل ہوتی ہے۔ یہ روایت بھی اسی سے ہے۔

② رشدین بن سعد ضعیف ہے۔ اس کی متابعت ابن لہیعہ نے کی ہے، وہ بھی ضعیف ومختلط ہے۔

③ سہل بن معاذ بن انس سے جب زبان بن فائد بیان کیا، تو روایت ضعیف ہوتی ہے۔

④ سہل بن معاذ کی اپنے والد معاذ رضی اللہ عنہ سے سماع کی صراحت نہیں ملی۔

فتاویٰ امن پوری (قسط ۴۰۰)

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

سوال: درج ذیل روایت کی سند کیسی ہے؟

❀ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ تَعَلَّمَ الرَّمْيَ ثُمَّ نَسِيَهُ فَهِيَ نِعْمَةٌ جَحَدَهَا .

''جس نے تیراندازی سیکھی، پھر اسے بھول گیا، تو درحقیقت اس نے ایک نعمت کی ناشکری کی ہے۔''

(مسند البزّار : 9095، المعجم الأوسط للطّبراني : 4177، المعجم الصّغير للطّبراني : 543)

جواب: روایت ضعیف و منکر ہے۔ قیس بن ربیع ''ضعیف'' ہے۔

❀ امام ابو حاتم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

هٰذَا حَدِيثٌ مُنكَرٌ .

''یہ حدیث منکر ہے۔''

(عِلَل الحديث لابن أبي حاتم : 939)

سوال: مضاربت کا کیا حکم ہے؟

جواب: مضاربت کاروبار کی ایک صورت ہے، جس میں ایک شخص دوسرے کو مال دیتا ہے، وہ شخص اس مال کا کاروبار کرتا ہے، دونوں کے مابین نفع کا تناسب طے ہوتا ہے۔

یہ کاروبار کی جائز صورت ہے۔ یاد رہے کہ اگر مضاربت میں کوئی ناگہانی آفت آجائے، تو نقصان مال لگانے والے کا ہوگا۔

❀ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ (۷۵۱ھ) فرماتے ہیں:

أَجْمَعَ الْمُسْلِمُونَ عَلٰى جَوَازِ الْمُضَارَبَةِ .

”مضاربت کے جواز پر مسلمانوں کا اجماع ہے۔“

(إغاثة اللّهفان : 43/2)

سوال: افضلیت کی بنیاد کیا ہے؟

جواب: افضلیت کی بنیاد ایمان اور تقویٰ ہے، یہی معیارِ فضیلت ہے، قرآن کریم، احادیث نبویہ اور اجماع اُمت اس پر دلالت کناں ہیں۔

❀ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَّقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللّٰهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ﴾(الحُجرات : ١٣)

”اور ہم نے تمہارے خاندان اور قبیلے بنائے، تاکہ تم باہم جان پہچان کرسکو، البتہ تم میں اللہ کے نزدیک زیادہ عزت والا وہی ہے، جو زیادہ تقویٰ اختیار کرنے والا ہو، بلاشبہ اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا اور خبردار ہے۔“

❀ ایک صحابی بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ حجۃ الوداع میں فرمایا:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ، أَلَا إِنَّ رَبَّكُمْ وَاحِدٌ، وَإِنَّ أَبَاكُمْ وَاحِدٌ، أَلَا لَا فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلٰى عَجَمِيٍّ، وَلَا لِعَجَمِيٍّ عَلٰى عَرَبِيٍّ، وَلَا أَحْمَرَ عَلٰى أَسْوَدَ، وَلَا أَسْوَدَ عَلٰى أَحْمَرَ، إِلَّا بِالتَّقْوٰى .

”لوگو! یقیناً آپ سب کا رب ایک ہے، سب کا باپ (آدم علیہ السلام) ایک ہے۔ خبردار! کسی عربی کو کسی عجمی پر اور کسی عجمی کو کسی عربی پر، کسی سرخ کو کسی سیاہ پر اور کسی سیاہ کو کسی سرخ پر کوئی فضیلت حاصل نہیں، البتہ تقویٰ کی بنیاد پر فضیلت حاصل ہے۔“

(مسند الإمام أحمد : 411/5، وسندهٗ صحيحٌ)

❀ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (۷۲۸ھ) فرماتے ہیں:

قَدْ أَجْمَعَ الْمُسْلِمُونَ عَلٰى أَنَّ مَنْ كَانَ أَعْظَمَ إِيمَانًا وَّتَقْوًى كَانَ أَفْضَلَ مِمَّنْ هُوَ دُونَهٗ فِي الْإِيمَانِ وَالتَّقْوٰى، وَإِنْ كَانَ الْأَوَّلُ أَسْوَدَ حَبَشِيًّا وَالثَّانِي عَلَوِيًّا أَوْ عَبَّاسِيًّا .

”مسلمانوں کا اجماع ہے کہ جو شخص ایمان اور تقویٰ میں بڑا ہو، وہ اپنے سے کم متقی اور مؤمن سے زیادہ فضیلت والا ہے، خواہ پہلا شخص سیاہ حبشی ہو اور دوسرا علوی یا عباسی ہو۔“

(مَجموع الفتاویٰ : 543/28، الفتاوی الکُبریٰ : 556/3)

معلوم ہوا کہ فضیلت کی اصل بنیاد ایمان اور تقویٰ ہے، کسی کا حسب ونسب، رنگ وروپ کتنا ہی اعلی اور افضل کیوں نہ ہو، اگر اس میں ایمان نہیں، تو اسے کوئی فضیلت حاصل نہیں، اصل فضیلت ایمان سے حاصل ہوتی ہے۔

❀ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بآواز بلند فرمایا:

أَلَا إِنَّ آلَ أَبِي، يَعْنِي فُلَانًا، لَيْسُوا لِي بِأَوْلِيَاءَ، إِنَّمَا وَلِيِّيَ اللّٰهُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِينَ .

”سن لیں کہ فلاں قبیلے والے میرے دوست نہیں ہیں، میرے دوست اللہ تعالیٰ اور نیک مومن ہیں۔“

(صحيح البخاري: 5990، صحيح مسلم: 215، واللّفظ لهٗ)

❁ حافظ نووی رحمہ اللہ (٦٧٦ھ) فرماتے ہیں:

مَعْنَاهُ إِنَّمَا وَلِيِّيَ مَنْ كَانَ صَالِحًا وَإِنْ بَعُدَ نَسَبُهٗ مِنِّي وَلَيْسَ وَلِيِّي مَنْ كَانَ غَيْرُ صَالِحٍ وَإِنْ كَانَ نَسَبُهٗ قَرِيبًا .

”اس کا معنی یہ ہے کہ میری دوستی اس کے ساتھ ہے، جو نیک ہے، اگرچہ وہ نسب کے لحاظ سے میرا قریبی نہ ہو۔ نیز میری دوستی ایسے شخص کے ساتھ نہیں، جو نیک نہ ہو، اگرچہ وہ نسب کے اعتبار سے میرا قریبی ہو۔“

(شرح النّووي: 88/3)

سوال: درج ذیل روایت کی سند کیسی ہے؟

❁ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ كَتَبَ الْغَيْرَةَ عَلَى النِّسَاءِ، وَالْجِهَادَ عَلَى الرِّجَالِ، فَمَنْ صَبَرَ مِنْهُنَّ إِيمَانًا وَّاحْتِسَابًا كَانَ لَهَا مِثْلُ أَجْرِ الشُّهَدَاءِ .

”اللہ عزوجل نے عورتوں پر غیرت اور مردوں پر جہاد فرض کیا ہے، لہٰذا جس عورت نے ایمان سمجھتے ہوئے اور نیکی کا ارادہ کرتے ہوئے (غیرت اور حیاء پر) صبر کیا، اسے شہید کے برابر اجر ملے گا۔“

(مسند البزّار: 1490، المُعجم الكبير للطّبراني: 87/10)

جواب: جھوٹی روایت ہے۔

① عبید بن صباح ''ضعیف'' ہے۔

② حکم بن عتیبہ ''مدلس'' ہیں، سماع کی تصریح نہیں کی۔

③ ابراہیم نخعی کا عنعنہ ہے۔

④ کامل بن علاء کی بعض روایات میں واضح نکارت پائی جاتی ہے۔

❀ امام ابن عدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

إِنِّي رَأَيْتُ فِي بَعْضِ رِوَايَاتِهِ أَشْيَاءَ أَنْكَرْتُهَا .

''میں نے اس کی بعض روایات میں منکرات پائی ہیں۔''

(الكامل في ضعفاء الرجال : 228/7)

یہ روایت بھی انہی منکرات میں سے ہے۔

❀ امام ابوحاتم رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

هٰذَا حَدِيثٌ مُنكَرٌ .

''یہ حدیث منکر ہے۔''

(عِلَل الحديث لابن أبي حاتم : 940)

❀ نیز فرماتے ہیں:

هٰذَا حَدِيثٌ مَوْضُوعٌ بِهٰذَا الْإِسْنَادِ .

''اس سند کے ساتھ یہ حدیث من گھڑت ہے۔''

(عِلَل الحديث لابن أبي حاتم : 940)

❀ امام ابن عدی رحمہ اللہ نے اس روایت کو ''منکر'' قرار دیا ہے۔

(الكامل في ضعفاء الرجال : 227/7)

سوال: کیا آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھوں سے تخلیق کیا؟

جواب: سیدنا آدم علیہ السلام کو یہ فضیلت اور خصوصیت حاصل ہے کہ ان کے جسم مبارک کو اللہ تعالیٰ نے خود اپنے ہاتھوں سے تخلیق کیا، پھر اس میں روح پھونکی۔ دیگر کسی مخلوق کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھوں سے تخلیق نہیں کیا۔

❀ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿قَالَ يَآ إِبْلِيسُ مَا مَنَعَكَ أَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ﴾

(صٓ : ۷۵)

”اس (اللہ تعالیٰ) نے کہا: اے ابلیس! تجھے اس (آدم) کو سجدہ کرنے سے کس نے روکا، جسے میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے تخلیق کیا۔“

❀ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (۷۲۸ھ) فرماتے ہیں:

قَدْ أَجْمَعَ الْمُسْلِمُونَ وَالْيَهُودُ وَالنَّصَارٰى عَلٰى مَا فِي الْكُتُبِ الْإِلٰهِيَّةِ مِنْ أَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى خَلَقَ آدَمَ بِيَدَيْهِ وَأَنَّهٗ خَصَّهٗ بِذٰلِكَ دُونَ الْمَلَائِكَةِ وَالْجِنِّ .

”تحقیق مسلمانوں اور یہود ونصاریٰ، جیسا کہ ان کی آسمانی کتابوں میں درج ہے، کا اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اپنے دونوں ہاتھوں سے تخلیق کیا، یہ خصوصیت صرف آدم علیہ السلام کو بخشی، فرشتوں اور جنات کو نہیں۔“

(تحقیق القول في مسئلة : عیسٰی کلمة اللّٰه، ص 35)

سوال: بعض ملحدین کہتے ہیں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ خاتم الاولیاء ہیں، ان سے ولایت کا

سلسلہ جاری ہوا، ولایت کے تمام سلسلے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی طرف ہی منسوب ہوتے ہیں۔ اس کی کیا حقیقت ہے؟

جواب: سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو خاتم الاولیاء قرار دینا بے دلیل ہے۔ گمراہ صوفیا نے ولایت کے اپنے اپنے سلسلے گھڑ رکھے ہیں، ہر ایک خود کو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کرتا ہے، اس کی بنیاد شیعیت پر ہے۔

❀ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے منسوب ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

أَنَا خَاتَمُ الْأَنْبِيَاءِ، وَأَنْتَ يَا عَلِيُّ خَاتَمُ الْأَوْلِيَاءِ .

”اے علی! میں خاتم الانبیا ہوں اور آپ خاتم الاولیا ہیں۔“

(تاريخ بغداد للخطيب : 78/12، تاريخ ابن عساكر : 254/44)

من گھڑت روایت ہے۔

❀ حافظ خطیب بغدادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

هٰذَا الْحَدِيثُ مَوْضُوعٌ مِّنْ عَمَلِ الْقُصَّاصِ، وَضَعَهٗ عُمَرُ بْنُ وَاصِلٍ، أَوْ وُضِعَ عَلَيْهِ، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ .

”یہ حدیث قصہ گو لوگوں کی گھڑنتل ہے۔ اسے عمر بن واصل نے خود گھڑا ہے یا اس پر گھڑی گئی ہے، واللہ اعلم!“

❀ حافظ ابن الجوزی رحمہ اللہ نے اسے ”الموضوعات“ (۱/۳۹۸) میں ذکر کیا ہے۔

❀ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے ”مکذوب“ (جھوٹی) کہا ہے۔

(المُغني في الضّعفاء : 475/2)

① عمر بن واصل صوفی کی توثیق ثابت نہیں۔

② محمد بن سوار بصری کی توثیق درکار ہے۔

③ عبید اللہ بن لولو کی توثیق درکار ہے۔

④ حسن بصری رحمہ اللہ مدلس ہیں، سماع کی تصریح نہیں کی۔

سوال: درج ذیل روایت کی استنادی حیثیت کیا ہے؟

❀ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِلْحُجَّاجِ، وَلِمَنِ اسْتَغْفَرَ لَهُ الْحَاجُّ .

”اللہ! حاجیوں کو بھی معاف فرما اور اسے بھی معاف فرما، جس کے لیے حاجی استغفار کرے۔“

(صحيح ابن خزيمة : 2516)

جواب: سند ضعیف ہے۔ قاضی شریک بن عبد اللہ سیء الحفظ ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے، نیز مدلس بھی ہے۔

❀ حافظ بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لَمْ يَحْتَجَّ بِهٖ أَكْثَرُ أَهْلِ الْعِلْمِ بِالْحَدِيثِ .

”اکثر محدثین نے اس سے حجت نہیں پکڑی۔“

(السّنن الكبرىٰ : 271/10)

❀ حافظ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

قَدْ ضَعَّفَهُ كَثِيرُونَ أَوِ الْأَكْثَرُونَ .

”شریک کو بہت سے محدثین یا اکثر محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے۔“

(الإيجاز، ص 378)

علامہ عینی حنفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

قَدْ ضَعَّفَهُ الْأَكْثَرُونَ.

''اسے اکثر نے ضعیف قرار دیا ہے۔''

(شرح أبي داوٗد:260/1)

سوال: بعض ملحدین کہتے ہیں کہ کائنات کا وجود ایک ہے اور یہ وجود اللہ تعالیٰ کا ہی ہے، جو مختلف صورتوں میں نمودار ہوا ہے۔اس بارے میں کیا کہتے ہیں؟

جواب: یہ کہنا کہ کائنات کا وجود اللہ تعالیٰ کا ہی وجود ہے، لہٰذا پوری کائنات میں ایک ہی وجود ہے، شرکیہ اور کفریہ عقیدہ ہے، یہ یہود ونصاریٰ سے ماخوذ نظریہ ہے، اسے عقیدہ وحدۃ الوجود یا عقیدۂ حلول کہتے ہیں۔جو شخص اس عقیدہ کا حامل ہو، وہ ملحد و کافر ہے۔

ائمہ اہل سنت والجماعت کا اجماعی واتفاقی عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے عرش پر بلند ہے، مخلوق سے جدا ہے، کوئی مخلوق اللہ تعالیٰ سے ملی ہوئی نہیں۔

علامہ ابو حامد غزالی رحمہ اللہ (۵۰۵ھ) فرماتے ہیں:

أَمَّا الشَّطْحُ، فَنَعْنِي بِهٖ صِنْفَيْنِ مِنَ الْكَلَامِ أَحْدَثَهٗ بَعْضُ الصُّوفِيَّةِ، أَحَدُهُمَا الدَّعَاوِي الطَّوِيلَةُ الْعَرِيضَةُ فِي الْعِشْقِ مَعَ اللّٰهِ تَعَالٰى وَالْوِصَالِ الْمُغْنِي عَنِ الْأَعْمَالِ الظَّاهِرَةِ حَتّٰى يَنْتَهِيَ قَوْمٌ إِلٰى دَعْوَى الْإِتِّحَادِ وَارْتِفَاعِ الْحِجَابِ وَالْمُشَاهَدَةِ بِالرُّؤْيَةِ وَالْمُشَافَهَةِ بِالْخِطَابِ، فَيَقُولُونَ: قِيلَ لَنَا كَذَا وَقُلْنَا كَذَا، وَيَتَشَبَّهُونَ فِيهِ بِالْحُسَيْنِ بْنِ مَنْصُورٍ الْحَلَّاجِ الَّذِي صُلِبَ لِأَجْلِ إِطْلَاقِهٖ كَلِمَاتٍ مِّنْ هٰذَا الْجِنْسِ، وَيَسْتَشْهِدُونَ

بِقَوْلِهٖ : أَنَا الْحَقُّ، وَبِمَا حُكِيَ عَنْ أَبِي يَزِيدَ الْبَسْطَامِيِّ أَنَّهٗ قَالَ : سُبْحَانِي ، سُبْحَانِي ، وَهٰذَا فَنٌّ مِّنَ الْكَلَامِ عَظِيمٌ ضَرَرُهٗ فِي الْعَوَّامِّ حَتّٰى تَرَكَ جَمَاعَةٌ مِّنْ أَهْلِ الْفَلَاحَةِ فَلَاحَتَهُمْ وَأَظْهَرُوا مِثْلَ هٰذِهِ الدَّعَاوِي، فَإِنَّ هٰذَا الْكَلَامَ يَسْتَلَذُّهُ الطَّبْعُ إِذْ فِيهِ الْبَطَالَةُ مِنَ الْأَعْمَالِ مَعَ تَزْكِيَةِ النَّفْسِ بِدَرْكِ الْمُقَامَاتِ وَالْأَحْوَالِ، فَلَا تَعْجِزُ الْأَغْنِيَاءُ عَنْ دَعْوٰى ذٰلِكَ لِأَنْفُسِهِمْ وَلَا عَنْ تَلَقُّفِ كَلِمَاتٍ مُخْبَطَةٍ مُزَخْرَفَةٍ، وَمَهْمَا أُنْكِرَ عَلَيْهِمْ ذٰلِكَ لَمْ يَعْجِزُوا عَنْ أَنْ يَّقُولُوا هٰذَا إِنْكَارٌ مَصْدَرُهُ الْعِلْمُ وَالْجِدَالُ، وَالْعِلْمُ حِجَابٌ، وَّالْجَدَلُ عَمَلُ النَّفْسِ، وَهٰذَا الْحَدِيثُ لَا يَلُوحُ إِلَّا مِنَ الْبَاطِنِ بِمُكَاشَفَةِ نُورِ الْحَقِّ ، فَهٰذَا وَمِثْلُهٗ مِمَّا قَدِ اسْتَطَارَ فِي الْبِلَادِ شَرَرُهٗ وَعَظُمَ فِي الْعَوَّامِّ ضَرَرُهٗ، حَتّٰى مَنْ نَطَقَ بِشَيْءٍ مِّنْهُ، فَقَتْلُهٗ أَفْضَلُ فِي دِينِ اللّٰهِ مِنْ إِحْيَاءِ عَشَرَةٍ .

”شطح سے مراد ہم دو طرح کا علمِ کلام لیتے ہیں، جسے بعض صوفیا نے گھڑا ہے۔ ان میں سے ایک تو اللہ کے ساتھ عشق اور ایسے وصال کا بلند بانگ دعویٰ ہے، جو ظاہری اعمال (نماز، روزہ وغیرہ) سے مستغنی کر دیتا ہے، حتی کہ کئی لوگ اتحاد (وحدت الوجود)، (خالق ومخلوق کے درمیان) پردے اٹھ جانے، اللہ تعالیٰ کے مشاہدے اور بلا واسطہ کلام کے دعوؤں تک پہنچ گئے ہیں۔ چنانچہ وہ کہتے

ہیں کہ ہم سے (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) یوں کہا گیا اور ہم نے یوں کہا۔ اس بارے میں وہ حسین بن منصور حلاج سے مشابہت کرتے ہیں، جسے اس جیسی باتیں کرنے کی وجہ سے سولی پرلٹکا دیا گیا تھا اور وہ دلیل میں اسی منصور کا أَنَا الْحَقُّ ''میں ہی اللہ ہوں۔'' والا قول پیش کرتے ہیں، اسی طرح ابو یزید بسطامی کا وہ قول بھی اپنی دلیل بناتے ہیں کہ اس نے کہا: سُبْحَانِي سُبْحَانِي ''میں پاک ہوں، میں پاک ہوں۔''علمِ کلام کی یہ قسم لوگوں میں بہت نقصان دہ ثابت ہوئی ہے، یہاں تک کہ فلاح کی راہ پر چلنے والے لوگوں کی ایک بڑی جماعت نے اپنی راہِ فلاح چھوڑ دی اور اس طرح کے دعاوی شروع کر دیئے، وجہ یہ ہے کہ علمِ کلام کی اس قسم کو طبیعت بہت پسند کرتی ہے، کیونکہ اس میں اعمال کو چھوڑنے کے باوجود مقامات واحوال کے ساتھ تزکیہ نفس (کا دعویٰ) موجود ہے۔ ان بد دماغ لوگوں کو اپنے لیے اس طرح کے دعاوی کرنے سے اور بے وقوفی پر مبنی چکنے چپڑے کلمات کہنے سے آپ نہیں روک سکتے۔ جب بھی ان پر اس بات کا اعتراض کیا گیا، تو وہ یہ کہتے ہیں کہ اس انکار کا مبدا علم وجدال ہے، علم پردہ ہے اور جدال عمل نفس ہے اور یہ باتیں اللہ تعالیٰ کے نور کے مکاشفہ کے ذریعے باطن سے نکلتی ہیں۔ یہ اور اس طرح کی دیگر خرافات کا شر علاقوں میں پھیل گیا ہے اور عوام میں ان کا نقصان بہت بڑھ گیا ہے، یہاں تک کہ جو اس طرح کی بکواس کرے، اسے قتل کرنا دین اسلام میں دَس افراد کی جان بچانے سے بہتر ہے۔''

(إحياء علوم الدّين :36/1)

✿ نیز فرماتے ہیں:

مِنْ هُنَا نَشَأَ خَيَالُ مَنِ ادَّعَى الْحُلُولَ وَالِاتِّحَادَ وَقَالَ: أَنَا الْحَقُّ، وَحَوْلَهُ يُدَنْدِنُ كَلَامُ النَّصَارٰى فِي دَعْوَى اتِّحَادِ اللَّاهُوتِ وَالنَّاسُوتِ أَوْ تَدَرُّعِهَا بِهَا أَوْ حُلُولِهَا فِيهَا عَلٰى مَا اخْتَلَفَ فِيهِمْ عِبَارَتُهُمْ، وَهُوَ غَلَطٌ مَّحْضٌ.

''یہاں سے اس شخص کا خیال جنم لیتا ہے، جو حلول واتحاد کا دعویٰ کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میں ہی اللہ ہوں۔ لاہوت کے ناسوت میں متحد ہو جانے یا اس میں چھپ جانے یا اس میں حلول کر جانے کے بارے میں نصاریٰ کی کلام بھی اسی کے لگ بھگ ہے، اگرچہ اس بارے میں ان کی عبارات مختلف ہیں۔ یہ عقیدہ سراسر غلط ہے۔''

(إحياء علوم الدّين: 292/2)

✿ علامہ عبدالعزیز بن عبدالسلام (٦٦٠ھ) فرماتے ہیں:

مَنْ زَعَمَ أَنَّ الْإِلٰهَ يَحِلُّ فِي شَيْءٍ مِّنْ أَجْسَادِ النَّاسِ أَوْ غَيْرِهِمْ فَهُوَ كَافِرٌ، لِأَنَّ الشَّرْعَ إِنَّمَا عَفَا عَنِ الْمُجَسِّمَةِ لِغَلَبَةِ التَّجْسِيمِ عَلَى النَّاسِ فَإِنَّهُمْ لَا يَفْهَمُونَ مَوْجُودًا فِي غَيْرِ جِهَةٍ، بِخِلَافِ الْحُلُولِ فَإِنَّهُ لَا يَعُمُّ الْاِبْتِلَاءُ بِهِ وَلَا يَخْطُرُ عَلٰى قَلْبِ عَاقِلٍ فَلَا يُعْفٰى عَنْهُ.

''جو یہ دعوی کرتا ہے کہ اللہ لوگوں یا دوسری مخلوقات کے جسموں میں سے کسی جسم میں حلول کر جاتا ہے، وہ کافر ہے، کیونکہ (بعض لوگوں کے نزدیک)

شریعت نے تجسیم کے قائل لوگوں سے درگزر کیا ہے، کیونکہ لوگوں پر تجسیم غالب ہے، لوگ کسی چیز کو سمت کے بغیر موجود نہیں سمجھتے۔ برخلاف حلول کے عقیدے کے کہ اس میں مبتلا ہونا زیادہ نہیں، نہ ہی کسی عقل مند کے دل میں ایسا خیال ہی آ سکتا ہے، لہٰذا اس سے (بالاتفاق) درگزر نہیں کیا جائے گا۔''

(القواعد الكبرىٰ نقلًا عن الحاوي للفتاوى للسّيوطي : 126/2)

❀ اس قول کے بعد حافظ سیوطی رحمہ اللہ (۹۱۱ھ) فرماتے ہیں:

قُلْتُ : مَقْصُودُ الشَّيْخِ أَنَّهٗ لَا يَجْرِي فِي تَكْفِيرِهِمُ الْخِلَافُ الَّذِي جَرٰى فِي الْمُجَسِّمَةِ، بَلْ يَقْطَعُ بِتَكْفِيرِ الْقَائِلِينَ بِالْحُلُولِ إِجْمَاعًا، وَإِنْ جَرٰى فِي الْمُجَسِّمَةِ خِلَافٌ .

''شیخ (عز الدین) کا مقصود یہ ہے کہ حلول کا عقیدہ رکھنے والوں کو کافر قرار دینے میں کوئی اختلاف واقع نہیں ہوا، جیسا کہ تجسیم کے قائل لوگوں کی تکفیر میں واقع ہو گیا تھا، بلکہ حلول کا عقیدہ رکھنے والوں کو اجماعی طور پر قطعاً کافر کہا جائے گا۔ اگرچہ تجسیم کے قائلین کے بارے میں اختلاف رہا ہے۔''

(الحاوي للفتاوى : 126/2)

❀ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (۷۲۸ھ) فرماتے ہیں:

اَلِاتِّحَادُ الْعَامُّ وَهُوَ قَوْلُ هٰؤُلَاءِ الْمَلَاحِدَةِ الَّذِينَ يَزْعُمُونَ أَنَّهٗ عَيْنُ وُجُودِ الْكَائِنَاتِ وَهٰؤُلَاءِ أَكْفَرُ مِنَ الْيَهُودِ وَالنَّصَارٰى .

''اتحاد العام ملحدین کا عقیدہ ہے، ان کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہی کائنات کا وجود ہے۔ یہ لوگ یہود و نصاریٰ سے بڑے کافر ہیں۔''

(مَجموع الفتاویٰ: 172/2)

❁ نیز فرماتے ہیں:

''وحدۃ الوجود کے قائلین مثلاً ابن عربی، ابن سبعین، قونوی اور تلمسانی کا مذہب تین چیزوں سے مرکب ہے: ① جہمیہ کا انکارِ صفات ② صوفیا کا مجمل کلام۔ اس سے مراد ان کے کلام میں پائے جانے والے مجمل اور متشابہ کلمات ہیں، جس طرح عیسائی عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق ایسے گمراہ کن کلمات حکایت کرتے ہیں۔ یہ صوفیا متشابہات کا اتباع کرتے ہیں اور محکم کو چھوڑ دیتے ہیں۔ اسی طرح مجذوب (صوفیا) کا وہ کلام، جو ''سکر'' کی حالت میں ان سے سرزد ہوتا ہے۔ ③ فلسفیانہ زندیقیت، جو کہ جہمیہ کی بنیاد ہے۔''

(مَجموع الفتاویٰ: 175/2)

❁ علامہ ابوحیان اندلسی رحمہ اللہ (۷۴۵ھ) فرماتے ہیں:

''ظاہری طور پر اسلام کا لبادہ اوڑھ کر صوفیت کی طرف منسوب ہونے والے لوگوں اور حلول واتحاد کا مذہب رکھنے والے ملحدین نے نصرانیوں کے بعض عقائد سے اللہ کا حسین صورتوں میں حلول کرنا استنباط کیا ہے، جیسا کہ (حسین بن منصور) حلاَّج، شوذی، ابن احلی، دمشق میں رہنے والا ابن عربی، ابن فارض اور ان کے پیروکار ہیں، مثلاً ابن سبعین، اس کا شاگرد تستری مرسیہ کا باشندہ ابن مطرف، غرناطہ میں قتل کر دیا جانے والا صفار، ابن اللباج، بلورقہ کا رہائشی ابوالحسن ہیں۔

اور اس ملعون مذہب (حلول ووحدت الوجود) کے حاملین میں سے جو ہم نے دیکھے ہیں، ان میں سے عفیف تلمسانی ہے، اس کے اس بارے میں بہت سے

اشعار بھی ہیں اور دمشق میں مقیم سیاہ رنگ کا بے ثمر ابن عیاش مالقی، صعیدِ مصر کا رہائشی عبدالواحد بن الموخر، وہ ایک عجمی، جو دیارِ مصر میں قاہرہ کی خانقاہِ سعید السعداء کے مشائخ کا متولی بنا تھا اور تستری کا شاگرد ابو یعقوب بن مبشر، جو کہ حارہ زویلہ کا باشندہ تھا۔

اللہ جانتا ہے کہ میں نے یہ نام دینی خیر خواہی اور (عقیدہ میں) کمزور مسلمانوں پر (گمراہی کا) ڈر محسوس کرتے ہوئے ذکر کیے ہیں۔ انہیں بچنا چاہیے، کیونکہ مذکورہ لوگ ان فلسفی لوگوں سے بھی بدتر ہیں، جو اللہ اور اس کے رسولوں کی تکذیب کرتے ہیں، کائنات کو قدیم کہتے اور قیامت کا انکار کرتے ہیں۔ بعض جاہل لوگ، جو تصوف کے نام لیوا ہیں، وہ ان لوگوں کی تعظیم کے دلدادہ ہیں اور یہ دعوی کرتے ہیں کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے منتخب اور اولیاء ہیں۔

نصرانیوں، حلول کا عقیدہ رکھنے والوں اور وحدت الوجود کے قائلین کا ردّ کرنا اصول دین کے علم میں سے ایک علم ہے۔''

(البحر المُحيط : ٣/٤٤٨)

❀ حافظ سیوطی رحمہ اللہ (۹۱۱ھ) فرماتے ہیں:

اَلْقَوْلُ بِالْحُلُولِ وَالِاتِّحَادِ الَّذِي هُوَ أَخُو الْحُلُولِ أَوَّلُ مَنْ قَالَ بِهِ النَّصَارٰى، إِلَّا أَنَّهُمْ خَصُّوهُ بِعِيسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ أَوْ بِهِ وَبِمَرْيَمَ أُمِّهٖ وَلَمْ يُعَدُّوهُ إِلٰى أَحَدٍ، وَخَصُّوهُ بِاتِّحَادِ الْكَلِمَةِ دُونَ الذَّاتِ بِحَيْثُ إِنَّ عُلَمَاءَ الْمُسْلِمِينَ سَلَكُوا فِي الرَّدِّ عَلَيْهِمْ طَرِيقَ إِلْزَامِهِمْ بِأَنْ يَقُولُوا بِمِثْلِ ذٰلِكَ فِي مُوسٰى عَلَيْهِ

السَّلَامُ وَفِي الذَّاتِ أَيْضًا، وَهُمْ لَا يَقُولُونَ بِالْأَمْرَيْنِ، وَإِذَا سَلَّمُوا بُطْلَانَ ذٰلِكَ لَزِمَ إِبْطَالُ مَا قَالُوهُ، أَمَّا الْمُتَوَسِّمُونَ بِسِمَةِ الْإِسْلَامِ فَلَمْ يَبْتَدِعْ أَحَدٌ مِّنْهُمْ هٰذِهِ الْبِدْعَةَ وَحَاشَاهُمْ مِنْ ذٰلِكَ، لِأَنَّهُمْ أَذْكٰى فِطْرَةً وَّأَصَحُّ لُبًّا مِّنْ أَنْ يَّمْشِيَ عَلَيْهِمْ هٰذَا الْمُحَالُ، وَإِنَّمَا مَشٰى ذٰلِكَ عَلَى النَّصَارٰى لِأَنَّهُمْ أَبْلَدُ الْخَلْقِ أَذْهَانًا وَّأَعْمَاهُمْ قُلُوبًا، غَيْرَ أَنَّ طَائِفَةً مِّنْ غُلَاةِ الْمُتَصَوِّفَةِ نُقِلَ عَنْهُمْ أَنَّهُمْ قَالُوا بِمِثْلِ هٰذِهِ الْمَقَالَةِ وَزَادُوا عَلَى النَّصَارٰى فِي تَعْدِيَةِ ذٰلِكَ، وَالنَّصَارٰى قَصَرُوهُ عَلٰى وَاحِدٍ، فَإِنْ صَحَّ ذٰلِكَ عَنْهُمْ فَقَدْ زَادُوا فِي الْكُفْرِ عَلَى النَّصَارٰى.

’’حلول اور حلول سے ملتے جلتے عقیدے اتحاد کا مذہب سب سے پہلے نصاری نے اختیار کیا تھا، لیکن انہوں نے اس کے ساتھ عیسیٰ علیہ السلام کو خاص کیا تھا یا ان کے ساتھ اور ان کی والدہ مریم علیہا السلام کے ساتھ، پھر انہوں نے اس کو اتحادِ کلمہ کے ساتھ خاص کیا تھا، اتحادِ ذات کے ساتھ نہیں۔ اس طرح کہ مسلمان علمائے کرام نے ان کا رد کرنے کے لیے ان کو الزام دیا تھا کہ وہ ایسی بات موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اور ذات کے بارے میں بھی کہیں، لیکن وہ ان دونوں میں سے کوئی بات بھی نہیں کہتے۔ جب انہوں نے اس چیز کا باطل ہونا تسلیم کر لیا، تو ان کے قول کا بطلان خود ہی ہو گیا۔ رہے اسلام کے نام لیوا، تو ان میں سے کسی نے بھی یہ بدعت جاری نہیں کی، اللہ ان کو محفوظ رکھے، کیونکہ وہ (مسلمان)

فطرت کے اعتبار سے زیادہ پاکیزہ اور ذہن کے اعتبار سے زیادہ صحت مند ہیں کہ ان پر اس طرح کی حالت آئے۔ یہ صورت حال تو نصاری کو ہی پیش آئی تھی، کیونکہ وہ سب لوگوں سے کند ذہن اور بد دماغ واقع ہوئے ہیں۔ البتہ غالی صوفیوں کے ایک گروہ کے بارے میں اس طرح کی بات بیان کی گئی ہے کہ انہوں نے بھی اس طرح کی بات کہی ہے اور اس بات میں نصاری سے بھی بڑھ گئے ہیں کہ انہوں نے اس (اتحاد و حلول) کو عام کر دیا ہے، جبکہ نصاری اسے ایک ہی شخص پر بند کرتے تھے۔ اگر یہ قول ان (صوفیوں) سے ثابت ہو جائے، تو وہ کفر میں نصاریٰ سے بھی بڑھ گئے ہیں۔''

(تنزيه الاعتقاد عن الحلول والاتّحاد، المندرج في الحاوي للفتاوى : 2/122-123)

✿ قاضی ماوردی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اَلْقَائِلُ بِالْحُلُولِ وَالِاتِّحَادِ لَيْسَ مِنَ الْمُسْلِمِينَ بِالشَّرِيعَةِ، بَلْ فِي الظَّاهِرِ وَالتَّسْمِيَةِ، وَلَا يَنْفَعُ التَّنْزِيهُ مَعَ الْقَوْلِ بِالِاتِّحَادِ وَالْحُلُولِ، فَإِنَّ دَعْوَى التَّنْزِيهِ مَعَ ذٰلِكَ إِلْحَادٌ.

''حلول و اتحاد کا قائل شریعت کو ماننے والے مسلمانوں میں سے نہیں ہے، بلکہ ظاہری طور پر اور نام کا مسلمان ہے۔ اتحاد و حلول کے قول کے ساتھ تنزیہ فائدہ نہیں دیتی، کیونکہ اس عقیدے کے ساتھ ساتھ تنزیہ تو الحاد ہے۔''

(الحاوي للفتاوى للسّيوطي : 2/125)

عقیدۂ حلول کے خطرات:

① اگر خالق و مخلوق کا ایک ہی وجود ہو، تو خالق مخلوق کو کسی چیز کا حکم کیسے دے گا

اور کسی چیز سے منع کیسے کرے گا؟

② اگر خالق و مخلوق کا ایک ہی وجود ہو، تو اس میں تخلیقِ الٰہی کا انکار ہے، کیونکہ کوئی اپنا خالق نہیں ہو سکتا۔

③ عقیدۂ حلول سے اللہ کے مالک الملک ہونے کی نفی لازم آتی ہے، کیونکہ کوئی خود اپنا مالک نہیں ہو سکتا۔

④ اس عقیدہ سے لازم آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کو رزق نہیں دیتا، نہ ہی کسی کو ہدایت وغیرہ دیتا ہے، کیونکہ اس کے سوا کوئی وجود ہی نہیں۔

⑤ اس عقیدہ سے یہ خرابی لازم آتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی روزہ رکھتا ہے، قیام کرتا ہے، رکوع وسجود کرتا ہے اور موت و مرض کا شکار ہوتا ہے۔

⑥ اس عقیدے کے مطابق بتوں کے پجاریوں نے اللہ ہی کی عبادت کی تھی، کیونکہ اس کے سوا کوئی وجود ہی نہیں۔

⑦ جس نے الوہیت کا دعویٰ کیا، مثلاً فرعون، دجال وغیرہ، اس عقیدے کے مطابق ان کا دعویٰ برحق ہے۔

⑧ شیطان یا خواہش کا ہر پجاری اللہ تعالیٰ کا عبادت گزار ہے، کیونکہ ان کے نزدیک شیطان کوئی مستقل وجود نہیں ہے۔

⑨ عقیدۂ حلول سے لازم آتا ہے کہ کتے، خنزیر وغیرہ بھی الٰہ ہیں، کیونکہ وحدت الوجود کے مطابق ان کا اپنا کوئی وجود نہیں، بلکہ سب ایک ہی وجود ہیں۔

⑩ اس سے عقلی طور پر محال چیزوں کا اعتقاد لازم آتا ہے، کیونکہ اگر اللہ کے سوا باقی وجود متحد ہوں، تو تین صورتیں بنتی ہیں: ایک یہ کہ دوسری کا وجود بھی باقی رہے گا، اس

طرح تو وجود دو ہو جائیں گے، دوسری صورت یہ کہ دونوں معدوم ہو جائیں، اس طرح ایک تیسری چیز وجود میں آ جائے گی، تیسری صورت یہ ہے کہ ایک باقی رہے اور دوسری معدوم ہو جائے، اس طرح اتحاد ہوگا ہی نہیں۔

(۱۱) اس عقیدے سے فطرت و شرائع کی مخالفت لازم آتی ہے، کیونکہ کسی آسمانی شریعت نے اسے جائز قرار نہیں دیا، نہ ہی عقل سلیم اس کی اجازت دیتی ہے۔

بعض گمراہ لوگ کہتے ہیں کہ انسان عبادت کے ذریعے اس درجے پر پہنچ جاتا ہے کہ اسے دنیا جہان کی ہر چیز میں اللہ نظر آنے لگتا ہے یا وہ ہر مخلوق کو اللہ سمجھنے لگتا ہے، صوفیوں کی اصطلاح میں اس عقیدہ کو ''وحدت الوجود'' کہتے ہیں۔ عبادت میں مزید ترقی سے انسان اللہ کی ذات میں داخل ہو جاتا ہے، پھر اللہ اور انسان دونوں ایک ہو جاتے ہیں، صوفیا کی اصطلاح میں اس عقیدے کو ''وحدت الشہود'' یا ''فنا فی اللہ'' کہا جاتا ہے۔ انسان کے دل کا آئینہ اس قدر صاف شفاف ہو جاتا ہے کہ اللہ کی ذات خود اس انسان میں داخل ہو جاتی ہے، جسے ''عقیدہ حلول'' کہا جاتا ہے۔ یہ محض کفریہ عقیدہ ہے، جو نصاریٰ کے عقائد سے ماخوذ ہے۔ قرآن و حدیث اور فطرت کے قطعی خلاف ہے۔

سوال: جو ملحدین رسولوں کی بعثت کا انکار کریں اور اسے محض خیال تصور کریں، ان کے ساتھ بیٹھ کر کھانا پینا کیسا ہے؟

جواب: رسولوں کی بعثت ایک مسلمہ حقیقت ہے، ہر مذہب کا اس پر اتفاق ہے، آخری رسول محمد کریم ﷺ ہیں۔ قرآن کریم کی کئی آیات میں مختلف رسولوں کے مبعوث ہونے کا ذکر ہے، کئی رسولوں کے ناموں اور علاقوں کا بھی تذکرہ ہے۔

﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولًا﴾ (النّحل: ٣٦)

''ہم نے ہر اُمت میں رسول مبعوث کیا۔''

❁ نیز فرمان الٰہی ہے:

﴿وَإِنْ مِنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ﴾(فاطر : ٢٤)

''ہر اُمت میں ایک خبردار کرنے والا (نبی یا رسول) ہوا ہے۔''

لہٰذا کلی طور پر رسولوں کی بعثت کو ایک خیال کہنا کفر اور ارتداد ہے، ایسا شخص اگر تائب نہ ہو، تو مرتد و زندیق ہے، اس سے سوشل بائیکاٹ کیا جائے گا، اس سے دوستی رکھنا اور مل بیٹھنا جائز نہیں۔ اس سے لین دین کرنا جائز نہیں، اس کی دعوت کرنا، دعوت قبول کرنا اور اس کی خوشی غمی میں شریک ہونا ناجائز و حرام ہے۔

اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے کہ ایسے ملحد اور زندیق کو اس کے کیفر کردار تک پہنچائے، کیونکہ وہ واجب القتل ہے۔

سوال: جو ملحد اللہ تعالیٰ کے وجود کا منکر ہو، اس کے ذبیحہ کا کیا حکم ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ وجود برحق ہے، تمام آسمانی کتب، فطرت اور ہر شے اللہ تعالیٰ کے وجود پر دلالت کناں ہے۔

جو شخص اللہ تعالیٰ کے وجود کا ہی منکر ہو، اس کے کافر، مرتد اور زندیق ہونے میں کوئی شبہ نہیں، ایسا شخص بالاتفاق واجب القتل ہے۔ اس کا ذبیحہ بالاجماع حرام ہے۔

سوال: امام بخاری رحمہ اللہ نے احادیث الانبیاء میں ایک باب قائم کیا:

بَابُ ﴿يَعْكِفُونَ عَلَى أَصْنَامٍ لَّهُمْ﴾

اس باب کے تحت سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث نقل کی ہے:

هَلْ مِنْ نَبِيٍّ إِلَّا وَقَدْ رَعَاهَا .

''ہر نبی نے بکریاں چرائی ہیں۔''

(صحيح البخاري : 3406، صحيح مسلم : 2050)

باب اور حدیث میں کیا مناسبت ہے؟

جواب: امام بخاری رحمہ اللہ نے جس آیت کی طرف اشارہ کیا ہے، اس کا تفسیری خلاصہ یہ ہے کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام اور ان کے اصحاب کمزور لوگ تھے، جبکہ کفار دنیاوی اعتبار سے مضبوط تھے اور متکبرین تھے۔ حدیث میں بھی اسی بات کا ذکر ہے کہ ہر نبی ابتدا میں مالی لحاظ سے کمزور رہا اور بکریاں چراتا رہا۔ تمام انبیاء متواضع تھے اور کفار میں رعونت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی، آیت میں اسی بات کا ذکر ہے۔

❀❀❀❀❀❀❀